قل ادعوا الله او ادعوا الرحمن ايا ما تدعوا فله الاسماء الحسنى

الحمد لله الذي يسر لنا طبع هذه النسخة

النسخة المباركة المحتوية على معارف جزيلة وحقائق جليلة المسماة

بالآية الكبرى

في شرح

أسماء الله الحسنى

تأليف العبد الفقير الى الله الولي اصغر علي الروحي المدرس العربية في الكلية الاسلامية الكائنة ببلدة لاهور صانها الله عن الحور بعد الكور

Marfat.com

قل ادعوا الله او ادعوا الرحمن أياما تدعوا فله الأسماء الحسنى

سنة ١٣٢٩ ه

الحمد لله الذي يسر لنا طبع هذه النسخة الميمونة المباركة المحتوية على معارف جزيلة وحقائق جليلة المسماة

بالآية الكبرى
في شرح
أسماء الله الحسنى

تاليف العبد الفقير الى الله الولي أصغر علي الروحي المدرس العربية في الكلية الاسلامية الكائنة ببلدة لاهور
صانها الله عن الحوادث والكفر

طبع بالمطبعة الاسلامية الدخانية على ذمة صاحبها

سنة ١٣٢٩ ه

135886

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمُتَوَلِّیْ بِحَقَائِقِ اَسْمَائِہِ الْحُسْنٰی قُلُوْبَ الْعَاشِقِیْنَ
وَالْمُتَجَلِّیْ بِاَنْوَارِ صِفَاتِہِ الْعُظْمٰی لِاَرْوَاحِ الْعَارِفِیْنَ الْمُسْتَتِرِ
بِسُرَادِقَاتِ جَلَالِہِ الْبَارِزِ عَلَی الْمَظَاھِرِ بِکَمَالِہِ الْمُتَفَرِّدِ بِالْخَلْقِ
وَالتَّدْبِیْرِ الْوَاحِدِ فِی الْاَمْرِ وَالتَّقْدِیْرِ الدَّاعِیْ اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ
اَرْبَابَ الْحُجَجِ وَالْبَرَاھِیْنِ وَالْھَادِیْ اِلَی الْقَوْلِ الثَّابِتِ اَصْحَابَ الْعِلْمِ
وَالْیَقِیْنِ الْمُنْعِمِ عَلٰی طَوَائِفِ الْخَلَائِقِ اَنْوَاعَ النَّعِیْمِ الْوَاھِبِ لِاَصْنَافِ
الْاُمَمِ عَطَایَا جُوْدِہِ الْعَمِیْمِ فَقَالَ فِیْ کِتَابِہِ الْمَجِیْدِ کُلًّا نُّمِدُّ ھٰؤُلَاءِ وَ
ھٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّکَ وَمَا کَانَ عَطَاءُ رَبِّکَ مَحْظُوْرًا اَلْقَاضِیْ بِالْحِکْمَۃِ الْبَالِغَۃِ
فِی الْاَشْیَاءِ وَکَانَ ذٰلِکَ فِی الْکِتٰبِ مَسْطُوْرًا وَھُوَ الَّذِیْ اِنْتَھَتْ اِلَیْہِ غَایَاتُ
الْاَکْوَانِ وَمَبَادِیْھَا وَاسْتَغْرَقَتْ شُیُوْنُ صِفَاتِہٖ حَوَاضِرَ الْاَعْیَانِ
وَبَوَادِیْھَا نَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ
شَھَادَۃَ مَنْ نَشَطَ بِہِ التَّصْدِیْقُ عَنِ الْاِرْتِیَابِ وَفَتَحَ
اللّٰہُ عَلَیْہِ مِنْ نِعْمَتِہٖ کُلَّ بَابٍ ؎

Marfat.com

وفي كل شيء له اية تدل على انه واحد

وصلى الله تعالى على المظهر الاتم الاكمل الامجد الاوحد المثل الاوحد على سيدنا ومولانا محمد ن المصطفى احمد ن المجتبى المخاطب من حضرة الربوبية بخطاب وما ارسلناك الا رحمة للعلمين المعنون المنشور عزه بعنوان انك لمن المرسلين الذي بعثه بين يدي الساعة بالحق بشيرا ونذيرا وارسله بالهدى حين تراكمت الظلمت سراجا منيرا ۔

فقل ما شئت فيه من مديح تجده فوق ما نطق المديح

وعلى اله العظام واصحابه الكرام الذين هم مصابيح الظلام بين الانام وها انا اجري في ميدان المقصود متوكلا على الله الودود ۔ والسلام ۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید ذات باری کی حقیقت کا سمجھنا اسماء وصفات کے معانی کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ قرآن مجید میں جن اسماء وصفات کا ذکر آیا ہے وہ سب کے سب علیحدہ علیحدہ مختلف مسائل علم عقائد کے لئے بمنزلہ اصل اصول کے ہیں۔ سلف صالحین ان اسماء وصفات کے معانی کو خوب سمجھتے اور اس لئے انہیں علیحدہ علم عقائد کی تعلیم کی ضرورت نہ پڑتی اسلام میں جس قدر عقائد تسلیم کئے گئے ہیں ان کا منبع یہی اسماء وصفات ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ جب تک اسماوصفات کا علم نہ ہو۔ کوئی شخص عقائد صحیحہ حاصل نہیں کر سکتا اور نہ معانئے آیات کے سمجھنے کی اس کو قدرت ہو سکتی ہے۔ چونکہ موجودہ زمانہ میں لوگوں کی ہمتیں بہت پست ہو گئی ہیں۔ اور حقایق علمیہ کے سمجھنے پر محنت اور وقت کا صرف کرنا دشوار ہو گیا ہے لہٰذا خاکسار نے برادران اسلام کی دینی خدمت کو مد نظر رکھ کر بطور اختصار اسماء وصفات ذات باری کی یہ شرح لکھی ہے۔ تاکہ انہیں بہت سے مذہبی مسائل مشکلہ کے حل کرنے میں مفید ثابت ہو۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ اسماء وصفات کی علمی تحقیق کو لفظوں میں ظاہر کیا جا سکتا ہے مگر یہ ناممکن ہے۔ کہ وہ حقایق جن کا انکشاف تصفیہ وتزکیہ باطن پر موقوف ہے اور جو محض وجدان سلیم اور ذوق صحیح سے حاصل ہوتے ہیں بذریعہ الفاظ ظاہر کئے جائیں کیونکہ یہ بات صرف صاحب مقام ہونے پر منحصر ہے۔

Marfat.com

اور صاحب مقام لاکھوں میں سے کوئی ایک آدھ ہی ہو سکتا ہے ہر ایک
ہوسناک کو یہ پایہ نصیب نہیں ہوتا ؎

اگر زالہ ہر قطرۂ دُر شدے ٭ چو خرمہرہ بازار ازاں پر شدے

ہاں یہ ممکن ہے۔ کہ اگر کسی سعادتمند کو توفیق ازلی یاور ہو۔
اور روش صالحین کی محبت اس کے دل میں جاگزین ہو جائے تو شوق
طلب اس کو انہیں حضرات کے ساتھ وابستہ کر دے ؎

مور مسکیں ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد ٭ دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

حق یہ ہے۔ کہ محبت صالحین انسان کو صالح بنا دیتی ہے۔ کیونکہ بموجب
فرمان حضرت نبوی اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ قیامت کے دن انہیں لوگوں
کے زمرہ میں مبعوث ہوگا۔ جن کی محبّت اور جن کے طریق کو وہ پسند کرتا
ہے۔ یہ کبھی ہو نہیں سکتا۔ کہ اہل سعادت کا دامن پکڑ کر کوئی شخص منزل
مقصود تک نہ پہنچ جائے ہاں حسن ارادت شرط ہے کیونکہ بے طلب
صادق کبھی کچھ نہیں ملا کرتا ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد ٭ اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

اس حسن ارادت کے ساتھ حسن ادب بھی شرط ہے کیونکہ بے ادب آدمی
جو سوء ظن کے مرض میں مبتلا ہوتا ہے ہمیشہ محروم رہا کرتا ہے کَمَا قُلْتُ
فِیْ ذَالِکَ ؎

ادب گزیں کہ نہ بخشند لقمۂ زریں خواں ٭ بسا سگے کہ نشینند بر آستاں گستاخ

مجھے یہ خیال تھا۔ کہ میں اس موضوع پر کسی قدر طوالت کے ساتھ
بحث کروں گا۔ مگر بعد میں بوجوہ چند ایجاز و اختصار کو مد نظر رکھنا ضروری
معلوم ہوا۔ کیونکہ عام طبائع مباحثِ دقیقہ سے مستفید نہیں ہوتیں

جہاں کوئی مشکل بحث شروع ہو گئی۔ کتاب کو بند کیا اور وہیں کی وہیں طاقِ نسیان میں پڑی رہی۔

عربی میں اسماء و صفات ذات باری پر بہت عمدہ کتب و رسائل موجود ہیں۔ ہر ایک کا طرز بیان جدا ہے۔ اور کسی نہ کسی پہلو میں مفید مگر میری نظر سے جس قدر کتابیں اس موضوع کی گذری ہیں۔ ان میں سے حضرت امام حجۃ الاسلام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب المقصد الاسنےٰ اور فخر المتکلمین امام رازی علیہ الرحمۃ کی کتاب لوامع البینات زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ لہذا انہیں کو اس رسالہ کا ماخذ تصور کرنا چاہئے۔ اگرچہ دو تین اور کتابیں بھی لکھتے وقت میری زیر نظر تھیں۔ ان ہر دو بزرگوار کی تصانیف جداجدا ان کے اپنے مقامات قلب کا پایہ معلوم ہوتا ہے چنانچہ ان ہر دو کتب سے بھی صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت غزالی بحر عرفان میں مستغرق ہیں۔ اور امام رازی عقلیات کے میدان میں چل رہے ہیں۔ اگرچہ کہیں کہیں اصحاب ذوق و وجدان کی روش بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ مگر حق یہ ہے۔ کہ یہ مقام حضرت غزالی ہی کا ہے۔ رازی بیشک علوم میں بڑا پایہ رکھتے ہیں۔ مگر غزالی میدان ریاضت و مجاہدت میں بہت دور نکل گئے ہیں۔ لہذا ان کا کلام ایک خاص صاحب حال کا کلام ہے۔ رازی جابجا ان کی کتاب مذکور کا حوالہ دیتے ہیں۔ اور امام صاحب کا نام نہایت معزز الفاظ میں لیتے ہیں رحمہما اللہ تعالےٰ شرح اسماء و صفات سے پہلے چند ایسے مسائل کا قلمبند کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جن کا سمجھنا اس رسالہ کے مطالعہ کرنے سے پہلے ضروری ہے وھٰذا انا اشرع فی المقصود متوکلاً

علی الرب المعبود ھو حسبی ونعم الوکیل

اسماء وصفات منبع جمیع عقائد حقہ ہیں۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ کہ اسماء وصفات جمیع عقائد اسلامیہ کا منبع ہیں لہٰذا اہل السنت والجماعۃ کثرہم اللہ تعالیٰ مسئلہ اسماء وصفات کو معرفت ذات باری کا وسیلہ قرار دیتے ہیں۔ اور کبھی مسلک اعتدال سے تجاوز نہیں کرتے برخلاف دیگر اسلامی بدعتی فرقوں کے جن کا مدار عقائد علوم عقلیہ پر ہے اور کتاب وسنت میں تاویلات باطلہ کرکے اپنے مسلمات کو ثابت کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ یہ مسلم ہے کہ جب کسی شخص کو اللہ تعالیٰ عزت دینی اور راحت دنیوی دینا چاہتا ہے۔ اور اپنی معرفت کی طرف بلاتا ہے اس کا سینہ قبول حق کے لئے کھول دیا جاتا ہے اور انوار نبوت سے تمام معتقدات حقہ کو حاصل کرتا ہے یہی امر نشانِ سعادت ہے اور یہی بالآخر عافیت دارین کا موجب ہوتا ہے ؎

ایں نعمتِ بیدلی بہر دل ندہند ویں منزل بخستگانِ منزل ندہند
در عالمِ عشق آنچہ بے عقلاں است یک ذرہ بصد ہزار عاقل ندہند

اہلِ حق مسئلہ صفات میں جو علم عقائد میں نہایت دقیق مسئلہ ہے ہمیشہ محتاط رہے ہیں۔ اور صفات ذات باری کو جو کتاب وسنت میں وارد ہو چکی ہیں تعریفاتِ وحی سمجھتے رہتے ہیں اور اس اصل عظیم کو فتوحات روحانی کا واسطہ سمجھ کر مورد تجلیات ہوتے رہتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کسی علم کا شریف ہونا اس علم کی غایت کے شریف ہونے پر مبنی ہے چونکہ اسماء وصفات کا علم حصول معرفت الٰہی کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا اس علم سے بڑھ کر اور کوئی علم ضروری نہیں ہو سکتا کیونکہ معرفت ذات باری

Marfat.com

بقدر حوصلۂ بشری ہر ایک انسان کا فرض ہے مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى جس قدر جسمِ انسانی کو غذا کی ضرورت ہے اس سے بڑھ کر روح کو ان معارف حقہ کی ضرورت ہے جو بمنزلۂ غذاء روح ہیں۔ جو شخص معارف حقہ سے بے بہرہ اور ذوق سلیم سے بے نصیب ہے۔ وہ عارفان خدا کی اصطلاح میں مردہ ہے۔ وَفِي الْجَهْلِ قَبْلَ الْمَوْتِ مَوْتٌ لِاَهْلِهٖ اس لئے جس قدر کسی شخص کو اسماء وصفات کا زیادہ علم ہوگا۔ اسی قدر معرفت ذات باری میں زیادہ ممتاز ہوگا اور جس قدر زیادہ معرفت کا مالک ہوگا۔ اسی قدر زیادہ مقرب حضرت باری ہوگا اور جس قدر کوئی شخص حقیقت اسماء وصفات سے جاہل ہوگا اسیقدر لذت ذکر سے ناآشنا ہوگا۔ بلکہ اسے نفرت وکراہت ہوگی یہ بالکل صحیح ہے کہ کوئی ذکر مسنون ایسا نہیں جس میں اسماء وصفات نہ آئے ہوں۔ پس لذت ذکر کے کامل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسماء وصفات کے معانی حقیقیہ کا علم حاصل کیا جائے۔ کیونکہ اسماء وصفات بمنزلۂ تعریف[1] کے ہیں۔ اور تعریف ذات باری سے عظمت کا خیال پیدا ہوتا ہے اور عظمت سے محبت اور محبت تمام ترقیات کے لئے اصل عظیم ہے جب ذکر اس طریق سے کیا جاتا ہے۔ تو کثرت ذکر ذاکر کو انواع واقسام کی تجلیات کا مورد بنا دیتی ہے۔ اور پھر کبھی غفلت نہیں ہوتی بلکہ دوام ذکر کا رتبہ جو تعلیم وحی کا مقصد اعلےٰ ہے حاصل ہو جاتا ہے اور قلب کو بے اختیارانہ محبت کا مقام نصیب ہوتا ہے۔ کما قیل ؎

---

[1] تعریف سے یہاں منطقی اصطلاح مراد نہیں ہے۔ بلکہ لغوی مفہوم مراد ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

وَاِذَا تَقَاضَيْتُ الْفُؤَادَ تَنَاسِيًا   اَلْفَيْتُ اَحْشَائِیْ بِذَاكَ شِحَاحًا

موجودہ زمانہ میں چونکہ عقاید میں رائے زنی کا ہر ایک شخص مدعی ہے۔ اور کتاب وسنت کو بالائے طاق رکھ کر ملاحدہ فلاسفہ کی پیروی کو اپنا فخر سمجھتا ہے اور عقائد دین پر نکتہ چینی کرنے کو کمال علمی تصور کرتا ہے۔ اس لئے ہر ایک خالص الایمان کو اس بات کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ عقائد دینیہ کو کتاب وسنت سے اخذ کرے۔ مسلک اہل السنت سے سرمو تجاوز نہ کرے اور مسئلہ صفات میں بڑی احتیاط سے کام لے کیونکہ جس قدر الحاد و زندقہ آج تک اسلامی فرقوں میں پھیلا ہے۔ صرف مسئلہ صفات ہی میں بے لگامی کا نتیجہ ہے۔ آج کل نیچریت اور دہریت کی گرم بازاری ہے۔ اور یہ الحاد صرف مسئلہ صفات میں بے اعتدالی کرنے کا نتیجہ ہے۔ عام طور پر مغربی تعلیم سے لوگ اس الحاد میں مبتلا ہیں۔ اور انکار معجزات اور انکار وحی۔ انکار ملائکہ اور انکار حشر اجساد جو عقائد اسلام میں مہتم بالشان عقائد ہیں۔ ان کا معمولی ہے۔ ان لوگوں کے عقائد اوہام فلسفہ کے زنجیروں میں ایسے جکڑے ہوئے ہیں کہ انہیں کتاب وسنت سے ایک گونہ نفرت آتی ہے۔ ہاں بعض لوگ بخوف بدنامی کھلم کھلا اپنے عقائد فاسدہ کا اظہار نہیں کرتے۔ مگر دل میں انہیں اس قدر وساوس وشکوک پیدا ہوتے رہتے ہیں کہ حلاوت ایمان نصیب نہیں ہوتی

بعض[۲] عارفین نے اسماء ذات باری کی نسبت لکھا ہے اَظْهَرَ الْحَقُّ الاسامی وابدیٰ ها للخلق لیسکن بها قلوب المحبین ویونس بها قلوب العارفین له یعنے اللہ تعالے نے اپنے بندوں پر اپنے اسماء شریفہ کا

---

[۱] جب میں اپنے دل سے اس کی یاد بھلا دینا چاہتا ہوں تو وہ اس بارے میں بخیل ثابت ہوتا ہے ۱۲ منہ۔ [۲] ابو علی رودباری قدس سرہ ۱۲ منہ

اظہار فرمایا ہے۔ تاکہ اس کے عاشق اور عارف لوگوں کے قلوب سکون اور انس حاصل کر سکیں۔ انتہی۔ درحقیقت اسماء وصفات ترقی معرفت کا ذریعہ ہیں سالک جب صاحب ذکر ہو کر استقلال و استقامت کا مقام حاصل کر لیتا ہے تو انہیں اسماء وصفات کی حقیقت کا انکشاف شروع ہو جاتا ہے۔ جو اصطلاح فن تصوف میں تجلی کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یہ اصطلاح کلام الٰہی سے ماخوذ ہے فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ علمی طور پر اسماء وصفات کا علم ہو چکنے کے بعد جب سالک کو استقامت حاصل ہو جاتی ہے تو کیفیت حالیہ بذریعہ تجلیات وارد ہوتی ہے۔ جس سے مقام یقین میں بتدریج ترقی ہونے لگتی ہے اس مقام میں معتقدات سالک وساوس وشکوک سے پاک وصاف ہو جاتے ہیں۔ اور اس تعلق کی حقیقت کھل جاتی ہے جو تمام موجودات کے ساتھ اسماء وصفات ذات باری کو حاصل ہے۔ یہی حقیقی عرفان ہے۔ اور اس شخص کو عارف الٰہی کہتے ہیں۔ جو اس تعلق کی کیفیت پر آگاہ ہوتا ہے۔ اس مقام پر عارف کو تمام موجودات زمینی و آسمانی ارادۂ الٰہی اور مشیت ازلی کی مغلوب ومقہور معلوم ہوتی ہے اور وہ نور معرفت سے دیکھ رہا ہوتا ہے کہ کس طرح پر صفات باری حوادث کی علت ہیں اور کیونکر ایک زبردست ارادہ تمام ذرات کائنات پر محیط ہے۔ اس مقام پر رابطہ محبت الٰہی مضبوط و مستحکم ہو جاتا ہے۔ اور محب کو عاشق صادق کہلانے کا حق حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے محبوب کے حضور سے ایک آن کے لئے بھی علیحدگی پسند نہیں کرتا۔ بلکہ تمام مصائب وتکالیف کو جو عالم طبیعت میں اس پر عائد ہوتی ہیں بمقابلہ وصل محبوب کے آسان سمجھ لیتا ہے یا ان کا اسے احساس ہی نہیں ہوتا اسوقت اس کی حالت ان اشعار کا مصداق ہو جاتی ہے ؎

Marfat.com

اَرَاکَ نَیْمَتَلِیْ قَلْبِیْ سُرُوْرًا ۔ وَاَخْشٰی اَنْ تَشْتَطَّ بِکَ الدِّیَارُ

تَجُرُ وَاهْجُرُ وَصِلْ وَلَا تَصِلُنِیْ ۔ رَضِیْتُ بِاَنْ تَجُوْرَ وَاَنْتَ جَارُ

ترجمہ میں تجھے دیکھتا ہوں۔ تو باغ باغ ہوجاتا ہوں اور ڈرتا رہتا ہوں کہ کہیں تو مجھ سے دور چلا جائے۔ ظلم۔ ہجر۔ اعراض جو تیرا دل چاہے مجھے منظور ہے ہاں مگر مجھ سے دور نہ ہو۔

بحث اسم و مسمّٰے علم کلام میں یہ مسئلہ متنازع فیہ ہے کہ آیا اسم و مسمّٰی ایک ہی حقیقت کا نام ہے یا دو تو مختلف الماہیۃ ہیں جمہور اشاعرہ کا مذہب ہے کہ اسم و مسمّٰے ہر دو ایک ہی حقیقت ہیں۔ اور ان میں کچھ فرق نہیں مگر معتزلہ اس امر کے قائل ہیں۔ کہ اسم و مسمّٰے دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ امام غزالی قدس سرہٗ کا مذہب بھی یہی ہے۔ کہ اسم و مسمّٰے ایک نہیں اسی مذہب کو امام رازی نے اختیار کیا ہے ابن حزم ظاہری کا مسلک بھی یہی ہے اور فی الحقیقت یہی صحیح بھی ہے۔ جو لوگ اسم و مسمّٰی کو حقیقت واحدہ بتلاتے ہیں۔ وہ یہ دلیل لاتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے تَبَارَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یہاں اسم کا متبارک ہونا آیا ہے۔ اور متبارک ہونا مسمّٰی کی شان ہوتی ہے نہ اسم کی لہٰذا اسم و مسمّٰے ایک ہی ہیں۔ پھر دوسری جگہ فرمایا سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی اس آیت سے اسم کی تسبیح ظاہر ہوتی ہے حالانکہ تسبیح ذات باری کی ہوا کرتی ہے لہٰذا اسم و مسمّٰی کو جب تک ایک نہ مانا جاوے معنے صحیح نہیں ہوسکتے اسی قسم کی بعض اور آیات سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان آیات سے ہرگز اسم و مسمّٰی کا ایک ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اسم واسطۂ ذکر ہے جس کے ذریعہ ذات باری کی تنزیہ کی جاتی ہے چونکہ ہر دو میں غایت تعلق ہے اس لئے تنزیہ ذات و تنزیہ

Marfat.com

اسم میں کوئی فرق نہیں یہی جواب پہلی آیت کا ہے۔ کیونکہ ذات باری کا اسم بھی موجب خیرات وبرکات ہے اس لئے اسم کا متبارک ہونا بالکل صحیح ہے یہ بدیہی امر ہے۔ کہ اسم ایک لفظ ہے جو بذریعہ صوت منہ سے نکالا جاتا ہے اور مسمے ذات کا نام ہے لفظ نار اور وہ چیز جو روشن ہوتی اور جلاتی ہے۔ اگر ایک ہی ہوں تو چاہیئے کہ نار کا لفظ بولتے وقت زبان جل جایا کرے معہذا اسم ومسمےٰ کے صفات کا علیحدہ علیحدہ ہونا خود اس امر کی بیّنۃ شہادت ہے۔ کہ ہر دو متحد الحقیقت نہیں ہوسکتے مثلاً سیاہ یا سفید ہونا کسی چیز کی صفت تو ہوسکتا ہے۔ مگر اسم کی جو ایک لفظ ہے ہرگز صفت نہیں ہوسکتا۔ ہاں بعض موقع پر یہ ضروری ہے۔ کہ اسم ومسمی ایک ہی ہوں مثلاً خود لفظ اسم کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ اسم ہے نہ فعل وحرف اسم ومسمی کے متحد الحقیقت ہونے پر بعض لوگ لبید کے قول ذیل سے استشہاد کیا کرتے ہیں حیث قال ؎

إِلَى الْحَوْلِ ثُمَّ اسْمُ السَّلَامِ عَلَيْكُمَا

اس مصرع میں اگر اسم کو عین سلام نہ کہا جائے تو کوئی معنے نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ لبید رضی اللہ عنہ صحابی تھے انہوں نے اپنے کلام میں ہرگز ایسا خیال ظاہر نہیں کیا جو کئی ایک مفاسد کا مستلزم ہو۔ اس مصرع میں سلام یا تو بمعنی سلامتی ذات باری کے ہے۔ جس کے معنے یہ ہوں گے کہ اللہ تعالے کا اسم سلام تمہارا حافظ ہو۔ اور یا سلام سے تحیت مراد ہے سو اس صورت میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ تحیت کا واقع کرنا کسی تحیت کنے والا کا کام نہیں بلکہ امر اللہ تعالے کے قبضہ قدرت میں ہے لبید صرف اسم تحیت کنے کی قدرت رکھتے تھے معہذا قرآن مجید میں صاف وارد ہے وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا اس سے معلوم ہورہا ہے کہ اسماء ذات باری

Marfat.com

ذات باری نہیں ہو سکتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ذات باری ایک ہی ہے اور اسماء متعدد ہیں۔ چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَۃً وَّ تِسْعِیْنَ اِسْمًا مِائَۃً غَیْرَ وَاحِدٍ کیا کوئی اہل توحید اس امر کو جائز رکھے گا کہ ذات باری ننانوے ہیں۔ معاذ اللہ یہ تو صریح کفر ہے۔ ہم نے اس بحث کو زیادہ طول نہیں دیا۔ کیونکہ اس میں کوئی خاص مفید بات نظر نہیں آتی۔ امام غزالی اور امام رازی نے اس بحث کو کسی قدر طول کے ساتھ لکھا ہے فمن شاء فلیرجع الیہ

اسماء و صفات میں فرق

اسم کی تعریف نحوی ہمارے موجودہ بحث سے خارج ہے ہمیں یہاں اسم کے مفہوم عام سے بحث کرنا مد نظر ہے اس مفہوم کے رو سے اسم و فعل و حرف سب اسماء میں داخل ہیں کیونکہ اسم کا مفہوم عام صرف یہ ہے کہ وہ کسی حقیقت کا پتہ دیتا ہو۔ خواہ وہ حقیقت مستقلہ ہو۔ یا غیر مستقلہ اس صورت میں اگر وہ حقیقت صرف ایک چیز کے مفہوم تک محدود ہو۔ تو وہ اسم ہے۔ مثلاً آسمان۔ زمین۔ دیوار وغیرہ اور اگر اس کے ساتھ کسی وصف کا خیال بھی شامل ہو تو وہ صفت کہلائے گا مثلاً رازق۔ خالق۔ طویل وغیرہ بعض اہل علم نے اس امر پر بحث کی ہے کہ آیا اسم بہ نسبت صفت کی اشرف ہے۔ یا بالعکس جو لوگ اسم کو اشرف مانتے ہیں۔ وہ حسب ذیل دلائل پیش کرتے ہیں۔ اسم بہ نسبت صفت کی مقدم ہے۔ کیونکہ اسم کسی چیز کی ذات پر دلالت کرتا ہے اور صفت اس ذات کی ایک حالت کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی چیز کی ذات اس کی کسی حالت پر مقدم ہوا کرتی ہے۔ دوسرے اسم اکثر اوقات صفت کے لئے ماخذ ہوتا ہے۔ جس سے تمام صفات مشتق ہوتے ہیں اور ماخذ کا وجود مقدم ہوتا ہے اور صفت کا مؤخر یہ بالکل صحیح ہے۔ کہ صیغہ

صفت ذات کے علاوہ ایک وصف کا اظہار بھی کرتا ہے اور یہ بات اسم میں نہیں ہوتی۔ اس صورت میں یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ جس چیز سے کسی زیادہ علم کا افادہ ہو۔ وہ اشرف ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ جب تک کسی چیز کی اصل ذات کا علم نہ ہو۔ اس کی وصف کا علم بے معنے بات ہے لہذا اسم ہی کو اشرف ماننا زیادہ صحیح ہے۔

نفی و اثبات اسماء و صفات

عقائد اسلام میں یہ مسئلہ اہل کلام کے نزدیک نہایت معرکۃ الآراء مسئلہ ہے۔ اور مسئلہ جبر و قدر کی طرح لاینحل سمجھا گیا ہے۔ ہم یہاں صرف مذہب حق اہل السنۃ والجماعت کا ذکر کردیتے ہیں۔ کیونکہ اختلافات و دلائل کی شرح و بسط کے لئے علم کلام کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ جن کا نتیجہ بجز حیرت و دہشت کے کچھ بھی نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ بڑے بڑے علماء علم کلام کو دو متعارض مقدمے مسئلہ صفات کی بابت مدنظر ہیں۔ اور اس لئے وہ حیران ہیں۔ کہ اس تعارض کو کیونکر دور کیا جائے وہ دو مقدمے یہ ہیں۔ (مقدمہ اولےٰ) وحدت کمال کا نام ہے اور کثرت نقصان کا۔ اس مقدمے کے مان لینے پر اصحاب معقول کو یہ ضروری معلوم ہوا کہ ذات باری کی توحید پر پورا زور لگائیں چونکہ صفات متعددہ کے اثبات پر ذات باری کے متعلق کثرت کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے انہوں نے مجبوراً صفات کی نفی کردی (مقدمہ ثانیہ) چونکہ یہ مسلم ہے کہ ایک ایسی ذات جو علم قدرت۔ حکمت۔ ارادہ۔ کلام۔ سمع۔ بصر وغیرہ صفات میں کامل ہو بہ نسبت اس ذات کی جو ان صفات میں ناقص ہو۔ یا ان صفات سے بالکل عاری ہو اکمل و اشرف سمجھی جاتی ہے اس لئے انہیں ضروری معلوم ہوا۔ کہ ذات باری کے لئے ان صفات کو ثابت کریں اور

Marfat.com

چونکہ یہ صفات بجائے خود علیحدہ علیحدہ مختلف الماہیۃ ہیں اس لئے ذات باری کے متعلق کثرت کا ماننا بھی ضروری ہؤا۔ کچھ شک نہیں کہ بظاہر یہ ہر دو مقدمے متعارض ہیں اور اس تعارض کا دور کر دینا آسان نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر دو مسلک کے ماننے والوں کا مقصد اہم یہی ہے کہ ذات باری کو کامل اور ہر ایک عیب سے منزّہ و مبرّا مانا جاوے اکثر معتزلہ اور بعض دیگر فرقے مقدمۂ اولے پر زور دیتے ہیں اور جمہور اہل علم فرقہ اہل السنّت والجماعۃ مقدمۂ ثانیہ کو پیش کرتے ہیں۔ اکثر حضرات صوفیہ کا مسلک بھی اس مسئلہ میں معتزلہ کا مسلک ہے اور وہ صفات کو عین ذات تسلیم کرتے ہیں۔ یعنے وہ یہ مانتے ہیں کہ ایک ہی ذات بسیط تمام مختلف قسم کے آثار کا مصدر ہے غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس مسلک پر یہ اعتراض عائد ہوتا ہے کہ اس صورت میں قادریت اور عالمیت وغیرہ صفات سب ایک ہی حقیقت ہونگی۔ اور ان میں کوئی مابہ الامتیاز نہیں ہوگا۔ اور یہ صحیح نہیں کیونکہ حقیقت واحدہ دو حقیقتوں کا عین نہیں ہوسکتی لہذا ذات اور علم وقدرت وغیرہ ایک حقیقت نہیں۔ اس کے جواب میں قائلین عینیت ذات وصفات کی طرف سے جواب مع دلائل دیے گئے ہیں۔ جو تفصیل کتب کلام میں مذکور ہیں۔

جمہور اہل علم (جو صفات کو ذات سے علیحدہ مانتے ہیں) اس اعتراض کے جواب دہ ہیں۔ کہ اگر صفات کو حادث مانیں تو ذات باری کا محل حوادث ہونا لازم آئے گا۔ اور اگر قدیم مانیں تو متعدد امور کو قدیم ماننا پڑیگا حالانکہ قدیم صرف ایک ہی ذات واجب الوجود ہوسکتی ہے نہ متعدد۔ اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں۔ کہ ذات باری کے صفات دو قسم کے ہیں (۱) صفات ثبوتیہ

(۲) صفات سلبیہ۔ پہلی قسم کے صفات ایک قسم کے اضافات ہیں یعنے محض ایک نسبت یا ربط ہیں جن سے ذات محضہ میں کسی قسم کا تعدد لازم نہیں آتا۔ اور صفات سلبیہ خود مفہوم سلب پر مشتمل ہیں۔ اس لئے وہ بھی موجب تعدد نہیں ہو سکتے پس ہر دو صورت میں تعدد فی الذات لازم نہیں آتا۔ لہذا صفات کا وجود ماننا ضروری ہے واضح ہو کہ ہر دو فریق کے اعتراضات وجوابات اور رد وقدح کا سلسلہ اس قدر طویل ہے کہ اگر ہم اس کو بالاستیفاء لکھنے کی کوشش کریں۔ تو ناظرین کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور خواہ مخواہ کتاب کا حجم بڑہانا ہوگا۔ معہذا آج کل عام طبایع کو ایسے مباحث دقیقہ فلسفیہ سے کوئی دلچسپی نہیں ذیل میں ہم اس عقیدہ کی جو اہل السنت والجماعۃ کا ہے تشریح کر دیتے ہیں مسلم ہے کہ ذات باری کی حقیقت اور کنہ کا ادراک ناممکن ہے اور وہ خود اپنی ذات کی نسبت لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ارشاد فرماتا ہے اس لئے انسان ضعیف البنیان جو کچھ صفات کی نسبت تصور کرے گا۔ وہ اس کی اپنی محدود عقل کا نتیجہ ہے۔ مگر ذات باری اس سے بالاتر ہے ؎

گفتا غلطی زبانشاں نتواں داد ۔۔۔ از ما تو ہر آنچہ دیدۂ پایۂ تست

ہر ایک شخص نے اپنی رائے پر اعتماد کر کے ایک نہ ایک مذہب قائم کیا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ ذات باری ہر ایک کے مجوزہ مذہب سے منزہ ومبرا ہے نعم ما قیل ؎

برافگن پردہ تا معلوم گردد ۔۔۔ کہ یاراں دیگرے را مے پرستند

تاہم جن لوگوں نے کتاب وسنت کو اپنا قدوہ بنالیا ہے اور ارباب معقول کے ڈھکوسلوں سے بیزار ہو چکے ہیں (مثلاً خاکسار مؤلف) وہ مسئلہ صفات میں بڑی احتیاط کرتے ہیں۔ اور حضرات سلف کے مسلک سے سر مو تجاوز نہیں کرتے۔ ان لوگوں کا اس بات پر ایمان ہے کہ جو کچھ کتاب اللہ اور سنت رسو

Marfat.com

انسان ہر سہ حالات میں سے کسی ایک نہ ایک حالت میں ضرور ہوتا ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ لیل و نہار۔ بر و بحر۔ سفر و حضر۔ غنا و فقر۔ صحت و مرض میں ذکر کو مت چھوڑو وا جب چوتھی کوئی صورت متصور نہیں بعض محققین نے اس آیت کے متعلق یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم بطور فرض کے انسان پر عائد نہیں کیا جس کے لیئے ایک حد معین نہ کی ہو اور اس کے متعلق بعض حالات میں انسان کو معذور نہ رکھا ہو۔ مگر ذکر کے متعلق نہ تو کوئی حد مقرر کی ہے نہ کسی حالت میں کسی کو معذور قرار دیا ہے الا مجنون اور فاتر العقل۔ پھر فرمایا اذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا یعنی اللہ تعالیٰ کو ایسے یاد کرو جیسے تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو۔ یا اس سے بھی زیادہ علماء نے اس تشبیہ میں چند ایک توجیہات کا ذکر کیا ہے

(ا) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمہاری کوتاہی عمل سے آگاہ ہوں اگر تم اپنی اولاد کی طرح مجھے یاد نہیں کر سکتے تو اپنے آباء کی طرح ہی یاد کرو۔

(ب) انسان کا قاعدہ ہے کہ باپ کی یاد تعظیم کے ساتھ کرتا ہے اور بیٹے کی یاد شفقت کے ساتھ اور جناب باری کے شایان شان تعظیم ہے نہ شفقت

(ج) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے انسان تیرے ظاہری وجود کا سبب تو تیرا باپ ہے اور حقیقی سبب میں ہوں سو تم مجھے ایسے یاد کرو جیسے باپ کو اور میں تمہیں ایسا پیار کرتا ہوں جیسا باپ اپنے بیٹے سے گو میری ذات باپ اور بیٹے کی نسبت سے بری ہے۔

(د) بیٹا صرف اپنے باپ کی طرف منسوب ہو سکتا ہے اور اس [illegible] پر اس کا فخر ہوتا ہے اور اگر کسی غیر کی طرف منسوب ہو تو اس نسبت سے [illegible] کرتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ صرف میری ہی عبودیت کا دعویٰ رہو کسی غیر کی طرف ہونے سے حیا کرو کیونکہ یہ شرک ہے جو ظلم عظیم ہے۔

(ہ) انسان مصیبت کے وقت اپنے باپ سے زیادہ کسی کو اپنا شفیق نہیں سمجھتا اور اسی سے امداد طلب کرتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے ایسا یاد کرو جیسے بچہ مصیبت کے وقت اپنے باپ کو یاد کیا کرتا ہے

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کسی شخص کے باپ کو برائی سے یاد کرنا انسان کے لئے موجب غضب ہوا کرتا ہے اسی طرح جب میری ذات مقدس کو کوئی برائی سے یاد کرے تمہیں غیرت سے کام لینا چاہئے۔

(ز) سب سے پہلے بچہ جب بولنا سیکھتا ہے تو اب یا ابا اس کے منہ سے نکلتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسی طرح ہر ایک کام کے شروع میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے

(ح) انسان ہمیشہ اپنے آباء واجداد کا ذکر خیر کیا کرتا ہے اسی طرح ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر یعنی تسبیح وتحمید کو جاری رکھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکمت ذکر کو بھی قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔ جس کی دو صورتیں ہیں ایک تو آیہ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ میں مذکور ہے اس آیت کی توجیہ دو طرح ہو سکتی ہے اول تو یہ کہ ماسوا ذات باری کے تمام مخلوقات ممکن لذاتہ ہے اور جو چیز ممکن لذاتہ ہے۔ وہ محتاج الی الغیر ہے اسلئے سوا ذات باری کے کوئی چیز اس قابل نہیں کہ موجب اطمینان ہو سکے کیونکہ جو چیز خود محتاج ہے وہ کبھی مقطع حاجت نہیں ہو سکتی چونکہ ذات باری واجب بذاتہ ہی ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہر ایک قسم کی حاجت کا مقطع قرار پا سکے لہذا اس کا ذکر موجب اطمینان قلب ہے دوم یہ کہ انسان کی حاجات غیر متناہی ہیں اور مخلوقات متناہی ہے اور متناہی کو غیر متناہی سے کوئی نسبت نہیں

Marfat.com

ہو سکتی اس لئے اللہ تعالے کا فضل و کرم انسان کی حاجات کو پورا کر کے کنارہ پر اور اسی لئے وہ موجب اطمینان قلب ہے۔

حکمت دوم آیہ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ۝ میں بیان کی گئی ہے اس آیت میں متقین کی اس حالت کا بیان ہوا ہے جو کسی وسوسہ شیطانیہ کے پیدا ہونے پر ہوتی ہے یعنی جب شیطان قلب مومن پر کسی قسم کی ظلمت ڈالتا ہے تو وہ لوگ جھٹ ذکراللہ کیطرف رجوع کر کے صراط مستقیم پر آجاتے ہیں اور اس طرح شیطان کے تصرف سے محفوظ رہتے ہیں۔ کیونکہ ذکراللہ موجب ورود انوار ہے۔ جس سے تمام بشری ظلمات دور ہو جاتے ہیں۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جہاں قرآن مجید میں منافع ذکر کا بیان کیا گیا ہے ذکر سے اعراض کرنے کے مفاسد کا ذکر بھی وارد ہوا ہے ان مفاسد کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) اللہ تعالے فرماتا ہے وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا۝ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى

اس آیت میں اللہ تعالے نے صاف طور پر فرمایا ہے کہ جو شخص اس کے ذکر سے اعراض کرتا ہے اللہ تعالے اس کو مرنے کے بعد برزخی زندگی اور تنگئے معیشت میں مبتلا کرتا ہے اور قیامت کے دن اندھا اٹھایا جائیگا اور جمال خداوندی کے دیدار سے محروم رہے گا۔

(۲) وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ۝ اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص ذکراللہ سے منہ پھیرتا ہے اللہ تعالے ایک شیطان اس کا ساتھی بنا دیتا ہے جو ہر وقت اس شخص پر مسلط رہتا ہے اور جس طرف

چاہتا ہے اس کو لے جاتا ہے۔

(ج) وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۝ اس آیت میں بھی ذکر سے اعراض کرنے پر وعید عذاب سنائی گئی ہے اور عذاب اس سے بڑھکر کیا ہو سکتا ہے کہ ایسا شخص نہ تو دنیا میں حیوٰۃ طیبہ کا مالک ہو سکتا ہے نہ آخرت میں انعام رحمت کا مستحق اور یہی ایک بھاری عذاب ہے

(د) لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ ۝ اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص دنیوی تعلقات میں مبتلا ہو کر اللہ تعالٰے کے ذکر سے منہ پھیر لیتا ہے وہ زیانکار ہوتا ہے۔

فضیلت ذکر کی نسبت یہی کافی ہے کہ اللہ تبارک وتعالٰے نے مقام عبودیت میں ملائکہ کے علو درجہ کو ظاہر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْاَمُوْنَ یعنے رات دن اس کی تسبیح پکارتے ہیں اور اکتاتے نہیں پھر فرمایا يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ یعنے اللہ تعالٰے کی تسبیح حمد کے ساتھ پکارتے ہیں۔ اور افراد انسانی کے حق میں فرمایا رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ یعنے مساجد میں ایسے بھی مردان خدا ہیں۔ جنہیں خرید و فروخت وغیرہ معاملات اللہ تعالٰے کے ذکر سے باز نہیں رکھتے

فضیلت ذکر احادیث میں بتصریح تمام مذکور ہے بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ وَاِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ مَلَاٍ ذَكَرْتُهٗ فِیْ مَلَاٍ خَیْرٍ مِّنْهُمْ وَاِنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا وَاِنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَاِنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُهٗ هَرْوَلَةً ۝ یعنے اللہ تعالٰے فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ کے ساتھ ویسا ہی

Marfat.com

ہوں جیسا وہ میرے حق میں گمان رکھتا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے جماعت میں ذکر کرتا ہے تو میں اس جماعت کی بہتر جماعت (ملائکہ) میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اور اگر وہ مجھ سے ایک بالشت بھر قریب ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ بھر اس سے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں بڑی جلدی سے قدم اٹھا کر اس کی طرف پہنچتا ہوں۔

اور ایک دوسری حدیث میں یوں ارشاد فرمایا ہے اِذَا ذَکَرَ الْعَبْدُ رَبَّہٗ کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ ذٰلِکَ فِیْ صَحِیْفَتِہٖ ثُمَّ یُعَارِضُ الْمَلٰئِکَۃَ یَوْمَ الْخَمِیْسِ بِذِکْرِ اللّٰہِ ذِکْرَ عَبْدِہٖ لَہٗ بِقَلْبِہٖ فَتَقُوْلُ الْمَلٰئِکَۃُ رَبَّنَا کُلَّ عَمَلِ ھٰذَا الْعَبْدِ اَحْصَیْنَاہُ اَمَّا ھٰذَا فَلَا نَعْرِفُہٗ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ عَبْدِیْ ذَکَرَنِیْ بِقَلْبِہٖ فَاَثْبَتُّہٗ فِیْ صَحِیْفَتِہٖ فَذٰلِکَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی اِنَّا کُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ یعنے جس وقت بندہ اپنے رب کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس شخص کے نامۂ اعمال میں لکھ لیتا ہے پھر پنجشنبہ کے دن گروہ ملائکہ کے سامنے اس کے نامہ کو مقابلۃً پیش کر کے اپنے بندہ کے ذکر کو جو اس نے اپنے دل میں کیا ہوتا ہے دکھاتا ہے تب ملائکہ کہتے ہیں کہ خدایا اس بندے کے تمام اعمال کو ہم نے ضبط کر رکھا ہے مگر اس کے (فلاں) عمل کو جو اس کے نامہ میں لکھا ہے۔ ہم نہیں جانتے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے اپنے دل میں یاد کیا تھا میں نے اس کو اس کے نامۂ اعمال میں درج کر دیا اللہ تعالےٰ کے قول اِنَّا کُنَّا نَسْتَنْسِخُ کے یہی معنے ہیں۔

پھر فرمایا ذِکْرُ اللّٰہِ عَلَمُ الْاِیْمَانِ وَحِصْنٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ وَبَرَاءَۃٌ مِّنَ النِّفَاقِ وَحِرْزٌ مِّنَ النَّارِ یعنے اللہ تعالےٰ کا ذکر ایمان کی علامت اور

Marfat.com

شیطان سے بچنے کے لئے قلعہ اور نفاق سے بریت اور دوزخ سے پناہ ہے
پھر فرمایا مامن عبد یفنع جنبہ علی الفراش ویذکر اللہ الا
کتب ذاکرا الی ان یستیقظ یعنے بندہ جب سوتے وقت اللہ تعالےٰ کا
ذکر کرکے سوتا ہے تو بیدار ہونے تک وہ ذاکر ہی لکھا جاتا ہے اور بروایت
حضرت عمر رضی اللہ عنہ مروی ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم یارب وددت ان اعلم من تحب من عبادک فاحبہ
فقال اذا رأیت عبدی یکثر ذکری فانا احببتہ واذا رأیت
عبدی لا یذکرنی فانا ابغضتہ یعنے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ خدایا میں چاہتا ہوں کہ
تیرے اس بندے کو جانوں جس کو تو اپنے بندوں میں سے دوست رکھتا ہے
اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ جب تو کسی بندے کو دیکھے کہ میرا ذکر بہت کرتا ہے
تو جان لے کہ میں اسکو دوست رکھتا ہوں اور جب تو کسی بندے کو دیکھے کہ وہ
میرا ذکر نہیں کرتا تو جان لے کہ میں اسے دشمن رکھتا ہوں
اور بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا سبق المفردون قیل ومن المفردون قال
المستھترون بذکر اللہ یضع الذکر عنھم اثقالھم فیاتون یوم القیامۃ
خفافا یعنے مفردون سبقت لے گئے صحابہ نے پوچھا مفردون کون لوگ ہیں
فرمایا کہ وہ لوگ جو ذکر اللہ میں مشہور ہوگئے ہیں ایسے لوگوں سے ذکر تمام
بوجھوں کو اتار دیتا ہے اور وہ قیامت کو سبکدوش ہوکر خدا تعالےٰ کے سامنے
آئیں گے اور بروایت ابو درداء رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ انبئکم بخیر اعمالکم
وازکاھا وارضاھا عند ملیککم وارفعھا فی درجاتکم قالوا

Marfat.com

بلٰی وماذاک یا نبی اللہ قال ذکر اللہ یعنے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آیا میں تمہیں ایسے عمل پر آگاہ نہ کروں جو تمام اعمال سے بہتر اور سب سے پاکیزہ اور سب سے بڑھ کر خدا تعالےٰ کی خوشنودی کا باعث اور سب سے بڑھکر مدارج کو بلند کرنے والا ہو صحابہ نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ فرمائیے وہ کونسا عمل ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالےٰ کا ذکر۔

اور بروایت عبداللہ بن بشر مازنی مروی ہے جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ای الناس خیر فقال طوبٰی لمن طال عمرہٗ وحسن عملہٗ فقال یارسول اللہ ای الاعمال افضل فقال ان تفارق الدنیا ولسانک رطب من ذکر اللہ یعنے ایک اعرابی خدمت اقدس نبوی میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ کونسا عمل بہتر ہے آپ نے فرمایا خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جس کی عمر لمبی ہو اور وہ اعمال صالحہ بجالاتا ہو اعرابی نے پوچھا یارسول اللہ کونسا عمل افضل ہے آپ نے فرمایا کہ تو دنیا کو ایسی حالت میں چھوڑے کہ ذکر اللہ سے تیری زبان تر ہو۔

فضیلت ذکر میں اس حدیث کو غور سے پڑھو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان یعنے دو کلمے ایسے ہیں کہ جن کا زبان پر جاری ہونا تو بالکل آسان ہے مگر قیامت کو میزان حسنات میں ان کا بڑا بوجھ ہوگا وہ کلمات ہیں سبحان اللہ والحمد للہ

اور بھی بہت سی احادیث فضیلت ذکر میں وارد ہیں کہ بقدر کفایت ہم نے چند ایک کا ذکر کر دیا ہے

حقیقۃ الدعاء جس طرح اللہ تعالےٰ نے مادی اسباب کا سلسلہ قائم کیا ہے اسی طرح روحانی سلسلۂ اسباب کو بعض امور کے ساتھ تعلق دیا ہے جن کی وجوہ

Marfat.com

اور ضرورت سے کسی صورت میں انکار نہیں ہو سکتا منجملہ ایسے اسباب کے دعاء بھی ایک سبب ہے جس کو اکثر حالات میں کسی امر کے اسباب مناسبہ کے مہیا کرنے میں پورا دخل ہے بلکہ تجربہ سے ثابت ہؤا ہے کہ خالص دعاء کے ذریعہ سے اسباب ضروریہ ایسے طور پر مہیا ہو جایا کرتے ہیں کہ عاجز بندہ کے خیال میں ان کا ان حالات میں پیدا ہونا بالکل غیر متوقع تھا چونکہ فطرت انسانی کو اپنے خالق سے ایک ایسا مخفی تعلق ہے جس کی حقیقت سے عوام الناس آگاہ نہیں ہو سکتے اور اسی تعلق کے تقتضا پر دعاء کا اثر ظاہر ہوتا ہے اس لئے غایت جہالت کیوجہ سے دعاء کی ضرورت اور تاثیر کا انکار کرنے لگ گئے مگر اس انکار میں مبتلا ہونے والے اکثر وہ جہال فلاسفر ہیں جو ملحدین نیاچرہ کہلاتے ہیں ہم ذیل میں اس گروہ مفسدہ کے خیالات کو باطل ثابت کرتے ہیں جب ہم از روئے کتاب و سنت اس امر پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارا ایک ایسا خالق ہے جو تمام صفات کاملہ سے موصوف ہے اور جو کچھ وہ کرتا ہے اپنے آزاد ارادہ سے کرتا ہے اور وہ فعل عین مصلحت ہوتا ہے اس لئے ہماری آسانی کے لئے ہماری ضرورتوں کے موافق سلسلہ اسباب قائم کر کے ہم کو اس کی طرف ہدائت کی ہے چونکہ وہ سمیع و بصیر ہے اس لئے وہ ہر ایک کی پکار کو سنتا اور اس کے حالات کو دیکھتا ہے یہ امر ہماری فطرت کا اقتضا ہے کہ ہم اپنی ضرورتوں پر اسباب مناسبہ کیطرف رجوع کرتے ہیں اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ کسی امر کے لئے اسباب نہیں اور ہم عاجز آ جاتے ہیں تو مجبوراً اپنے خالق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں چونکہ وہ ہماری حالت کو دیکھتا ہے اور اس کو ہماری ضرورت کا علم ہے اور وہ ہماری پکار کو سنتا ہے اور رحمت کا نازل کرنا اس کی ذاتی وصف ہے لہذا جب ہم خارجی اسباب سے قطع تعلق کر کے اس کو موثر حقیقی یقین کرتے ہیں اور تمام سلسلۂ اسباب کو اس کی مشیت کا مقہور و مغلوب جانتے ہیں۔

Marfat.com

تو اس کی ارادت ہماری ضرورت کے مطابق حرکت کر کے ملائکہ رحمت کو اسباب مناسبہ کی فراہمی کا حکم دیتی ہے۔ ہم ان اسباب کی طرف رجوع کر کے فائز بالمرام ہوتے ہیں اور یہی استجابت دعاء کی حقیقت ہے مگر حق یہ ہے کہ جب مرکز عبودیت پر آدمی اپنے پاؤں جما لیتا ہے اور اس کو اپنے ضعف و عجز کا کامل یقین ہو جاتا ہے اور ظاہر و باطن میں منکسر ہو کر حضرت رب العزت کی بارگاہ میں جھک پڑتا ہے۔ تو ایسی حالت میں رحمتِ الٰہی جوش میں آ کر بندہ کو انواع و اقسام کے انعامات و اکرامات کا مورد بنا دیتی ہے اور اس عجز و احتیاج کی اس بارگاہ ذوالجلال میں وہ قدر و قیمت ہے کہ سالہا سال کی عبادت ایک وقت کی اس کیفیت کا مقابلہ نہیں کر سکتی مگر جن شورہ پشتوں کا مذاق استدلال فلسفی نے بگاڑ دیا ہے اور بجز مادہ پرستی کے کسی حقیقت کا انہیں علم نہیں وہ نہ تو اس کیفیت کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ انہیں اس پر ایمان ہے بلکہ ایسے حقائق ان کے نزدیک محض ایک افسانہ ہیں۔

قطع نظر اس امر سے کہ حقیقت دعاء کی تصدیق یہ ہماری فطرت شاہد ہے کتاب اللہ اور سنت صحیحہ نہایت زور کے ساتھ دعاء کی طرف بندوں کو بلاتی میں کتاب اللہ اور سنت میں ادعیہ ماثورہ کا وجود ہی اس امر کی کافی شہادت ہے کہ بجز دعاء انسان کو کوئی چارہ نہیں اور صرف دعاء ہی سے انسان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب پا سکتا ہے یہ بات صرف مذہب اسلام ہی سے خاص نہیں۔ بلکہ تمام مذاہب عالم کا جو کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں یہ عقیدہ ہے معنداایک عام فطرت انسانی کا اس کی تائید میں ہونا قطعی محبت ہے۔ ہم قرآن شریف سے چند آیات کو ذیل میں نقل کر کے دکھاتے ہیں کہ دعا مذہب اسلام میں کس قدر ضروری [illegible] علے ہے قال اللہ تعالیٰ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ

Marfat.com

اس آیت میں نہایت صاف طور پر ارشاد ہوا ہے کہ میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ اور پھر فرمایا اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اس آیت میں صریح طور پر حکم ہے کہ میری بارگاہ کبریا میں خشوع و خضوع کے ساتھ رجوع کرو۔ اور دوسری جگہ اس کو یوں واضح کیا وَاسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ یعنے اللہ تعالےٰ سے اس کی مہربانی کا سوال کیا کرو۔ اور اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ سے اس امر کا پتہ لگتا ہے کہ اضطرار یعنے بیچارگی کی حالت موجب اجابت ہے اور بیچارگی کو تضرع اور خشوع و خضوع لازم ہے کیونکہ جس شخص کو اسباب حاصل ہوں وہ نہ بیچارہ ہوتا ہے اور نہ اس میں خشوع و خضوع پیدا ہو سکتے ہیں۔

آیت قرآنی سے [illegible] ہی معلوم نہیں ہوتا کہ اللہ تعالے اپنے بندوں کی دعا کو قبول فرماتا ہے بلکہ بعض آیات سے یہ پتہ بھی لگتا ہے کہ اللہ تعالے دعا نہ کرنے پر ناراض ہوتا ہے قال اللہ تعالیٰ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ اس آیت کا اسلوب بیان ظاہر کرتا ہے کہ نزول بلا پر تضرع نہ کرنا موجب غضب ہے اور قساوت قلبی کو دور کرنا اور اس کی جگہ خشوع و خضوع کو پیدا کرنا اللہ تعالےٰ کو منظور ہے بعض آثار میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالےٰ دعا نہ کرنے پر ناراض ہوتا ہے اور آداب دعاء میں مروی ہے کہ دعا کرتے وقت [illegible] ہونا چاہیئے اور وساوس و شکوک کو دل [illegible]

ایک حدیث میں یوں وارد ہوا ہے کہ لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ اِنْ شِئْتَ وَلٰكِنْ لِيَعْزِمْ [illegible] لَا يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ [illegible]

نہیں چاہیئے کہ دعا [illegible]

بلکہ عزم و شرائط [illegible]

یوں سوال کرے کہ [illegible]

[illegible] فرمایا اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ یعنے دعا عبادت کا مغز ہے پھر فرمایا
اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ یعنے دعا عبادت ہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دعا عجز
[illegible] عبادت کی [illegible] منحصر ہے دعا بجائے
[illegible] عبودیت کا [illegible] کامل اظہار ہوتا ہے اور یہی وجہ
[illegible] کیونکہ عبودیت عجز و انکسار کی مقتضی
[illegible] کبریائی [illegible] جب بندہ نہایت تذلل کی حالت
[illegible] اللہ تعالیٰ کی [illegible] عظمت [illegible] کا تذکرہ کرتا ہے تو اس کو بارگاہ [illegible]
میں ایک خاص قرب حاصل ہوتا ہے اور [illegible] ایک قسم کی تسکین اور
اطمینان محسوس کرتا ہے اور [illegible] [illegible]
[illegible] آنسو بھی جاری ہو جائیں تو [illegible] [illegible]
میں وارد ہوا ہے کہ قبول دعا کی [illegible] ایک صورت [illegible]
[illegible] مطلوب داعی کے حق میں [illegible]
تو اس کے عوض میں کوئی اور بلا اس کو [illegible]
ٹل جاتی ہے اور اگر ان سب صورتوں سے کوئی [illegible]
میں [illegible] کے ڈھیر دی جاتی ہے [illegible]
دعا مقبول نہیں ہوتی۔ [illegible] صحیح [illegible]
[illegible] نہ ہو مگر ضائع نہیں جاتی کیونکہ [illegible] کا [illegible]
کبھی [illegible] اکارت نہیں جاتا [illegible]
تک اللہ تعالیٰ بندہ کی دعا کو رد نہیں کرتا [illegible]
[illegible] دعا کی [illegible]
[illegible]

منکشف ہو جائے اس امر کو خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ گو بلحاظ ظاہری اور باطنی حالات
کے دعاء کے لئے چند ایک شرائط اور لوازم ہیں مگر اصل یہ ہے کہ اس باب میں
جو تضرع اور زاری کو دخل ہے اور کسی چیز کو نہیں قال اللہ تعالیٰ اُدْعُوا رَبَّكُمْ
تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً کسی صاحب دل نے کیا عمدہ کہا ہے ؎

سرنوشتِ واژگوں را راست گرداند نیاز
نقشِ معکوسِ نگیں از سجدہ مے گردد درست

تضرع اور ابتہال تمام مشکلات پر پانی پھیر دیتے ہیں کما قیل ؎

دلا بسوز کہ سوزِ تو کار ہا بکند — دعائے نیم شبی دفعِ صد بلا بکند

قال المولوی المعنوی ؎

ایکہ خواہی از بلا جان وا خری — جانِ خود را در تضرع آوری
کایں تضرع را بہ حق قدر ہاست — واں بہا کانجا نست زاری را کجاست

بہرصورت دعاء کا منجملہ اسباب مؤثرہ کے شمار ہونا انسانی فطرت میں
داخل ہے اور تمام کتب سماویہ اس کی صداقت پر شہادت دیتی ہیں اور تجربہ
اس کی تائید کرتا ہے اور جس بے دین نے اس کا انکار کیا ہے اس نے
درحقیقت قرآن مجید کا انکار کیا ہے کما قال بعض المفسرین مَنْ طَعَنَ فِی
الدُّعَاءِ نَقَدْ طَعَنَ فِی الْقُرْاٰنِ وَالْحِکْمَۃِ یہ خیال کہ دعا سے صرف ایک قسم کی
تسلی مقصود ہوتی ہے ورنہ اس کی کچھ تاثیر نہیں کیونکہ امور اپنے اسباب سے
وابستہ ہیں انہیں کے موجود ہونے پر وہ امور واقع ہوں گے اس الحاد کا نتیجہ
ہے کہ روحانی اسباب کی تاثیر سے قطع نظر کر لیا گیا ہے انکار دعا کو پہلے پہل
سید احمد خاں علیگڈھی نے رواج دیا بعد ازاں اس کے متبعین نیاچرہ نے گاہ بگاہ
اسکے خیال فاسد کی تائید کی اس انکار کے متعلق مفصلہ ذیل اعتراض سنے جاتے ہیں

(ا) اگر مطلوب کا ارادۂ الٰہی میں واقعہ ہونا ضروری قرار پا چکا ہے تو دعا کرنا بے سود ہے وہ تو خود بخود وقوع میں آ رہے گا اور اگر اس کا وقوع ضروری نہیں تو پھر بھی دعاء کچھ مفید نہیں الغرض ہر دو صورت میں دعاء ایک امر لغو ہے

(ب) جب اللہ تعالےٰ کی صفت یہ ہے کہ وہ علیم بذات الصدور ہے تو پھر دعاء کی کیا ضرورت ہے بلکہ ترکِ دعا اولےٰ ہے۔

(ج) ایک حدیث میں یوں وارد ہوا ہے مَنْ شَغَلَهٗ ذِكْرِیْ عَنْ مَسْئَلَتِیْ اَعْطَیْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّائِلِیْنَ یعنے جو شخص عرض حاجت کو چھوڑ کر میری یاد میں لگا رہتا ہے میں اسے عرض حاجت کرنے والوں سے بڑھکر دیتا ہوں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ترک دعاء اولےٰ ہے

اس قسم کے اور بھی بعض اعتراضات کج فہم لوگ کیا کرتے ہیں مگر درحقیقت ناواقفی کا نتیجہ ہیں کیونکہ کسی امر کے ارادۂ ذات باری میں مقدر یا اس کے علم میں ہونے کی وجہ سے ترک اسباب لازم نہیں آتا کیونکہ ممکن ہے کہ ارادۂ الٰہی میں بذریعہ دعاء ہی وقوع میں آنا مقدر ہو تعجب ہے کہ دعا کی ضرورت پر تو ایسے ایسے فضول اعتراض کئے جاتے ہیں مگر کسی عزیز کے بیمار ہونے پر کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ اگر اس کے لئے صحت کا ہونا مقدر ہے تو بلا معالجہ حاصل ہو رہے گی اور جو حصول صحت مقدر نہیں تو معالجہ بے سود ہے جو لوگ سلسلہ سبب و مسبب کی حقیقت اور اس کی ضرورت سے آگاہ ہیں وہ کبھی اس خیال باطل پر دعاء کو ترک نہیں کر دیتے اللہ تبارک و تعالیٰ کی مشیت ایسے مصالح خفیۃ کے ساتھ جاری ہے کہ انسان عاجز اس کی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کسی صورت میں جاری ہو گی، لہذا ہم پابندی اسباب سے جو طبعی امر ہے کبھی مستغنی نہیں ہو سکتے۔

Marfat.com

[illegible] سوال [illegible] تعلق [illegible] کہ [illegible]

[illegible] ذکر الٰہی اور

[illegible] اور اس میں یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ [illegible] اور وہ یہ ہے کہ [illegible]

[illegible] حاجت کو چھوڑ کر اللہ تبارک و تعالیٰ کی ثنا اور

[illegible] اور سوال [illegible] حاجت [illegible] کیونکہ [illegible] غرض سے

[illegible] واسطہ [illegible] اور [illegible]

[illegible] اس لئے ذاکر [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] طرح اس [illegible]

[illegible] ذکر [illegible] ترک [illegible] کرتا ہے وہ [illegible]

[illegible] کا مستحق ہوتا ہے کیونکہ [illegible]

[illegible] میں یہ معلوم ہوا کہ [illegible]

[illegible] رب العزت نے

[illegible] اور [illegible] سے زیادہ

[illegible]

[illegible] سوال [illegible]

[illegible] کسی شخص کو

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] سلسلہ [illegible]

[illegible] نشان [illegible] متوجہ [illegible]

[illegible]

[illegible] اور انھیں اسماء وصفات [illegible]

[illegible]

[illegible]

اس امر کو [illegible] ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اسم اعظم [illegible]

اول [illegible]

[illegible] فی صدر [illegible]

[illegible]

[illegible]

ہوسکے [illegible]

دوم [illegible]

Marfat.com

اجزاء نہیں ہو سکتے لہٰذا اس کے متعلق یہ خیال صحیح نہیں کہ بعض اسماء اسکی ذات کے جزو اشرف پر دلالت کرتے ہیں اور بعض کسی دیگر جزو اشرف پر اور جب یہ امر محال ہے تو تمام اسماء اس ذات واحد کامل پر یکساں طور پر دلالت کرینگے لہٰذا کوئی اسم کسی دوسرے اسم کی نسبت اعظم نہیں کہلا سکتا۔

سوم یہ کہ بعض آثار صحیحہ میں بھی مذکورہ بالا رائے کی تائید موجود ہے مثلاً امام جعفر رضی اللہ عنہ سے کسی نے اسم اعظم کی نسبت دریافت کیا تو آپ نے اسے کہا کہ اٹھو اس حوض میں غسل کرو۔ بعد ازاں تم اسم اعظم مجھ سے سیکھو وہ شخص حوض میں داخل ہو کر غسل کرنے لگا موسم زمستان تھا اور پانی یخ بست ہو رہا تھا۔ اس نے بہت جلد باہر نکلنا چاہا امام ممدوح نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اسے باہر نہ آنے دو وہ شخص باہر نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا مگر وہ لوگ اسے پھر پانی میں دھکیل دیتے اس نے بہت منت وسماجت کی۔ مگر انہوں نے ایک نہ سنی آخر اسے یقین ہو گیا کہ یہ لوگ مجھے ہلاک کرنا چاہتے ہیں تب اس نے نہایت یاس اور غایت زاری کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی رہائی کی التجا کی ان لوگوں نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو انہوں نے فی الفور اسے باہر نکال لیا اور کپڑے پہنائے کچھ دیر بعد جب اس میں کچھ طاقت آگئی تو امام صاحب سے عرض کیا۔ کہ اب تو اسم اعظم سکھلائیے آپ نے فرمایا کہ تم نے تو اسم اعظم سیکھ لیا ہے اور وہ وہی اسم تھا جس کے ساتھ تو نے اپنے مولے کو پکارا تھا اور اس نے تیری التجا کو منظور کیا اس نے پوچھا وہ کیسے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ اسماء ذات باری میں سے ہر ایک اسم غایت عظمت وجلالت رکھتا ہے اور انسان جب کسی نام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو چونکہ دل سے اس کو تعلق نہیں ہوتا بلکہ صرف زبان پر لفظ جاری

Marfat.com

ہوتا ہے اس لئے اسے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا مگر جب اسی اسم کے ساتھ غایت یاس اور اضطرار کی حالت میں غیر اللہ سے الگ تھلگ ہوکر پکارتا ہے تو وہی اسم اسم اعظم ہوجاتا ہے تمہیں جب غیر اللہ کیطرف سے ناامیدی ہوچکی تھی تو اسباب سے قطع تعلق ہوگیا تھا اور صرف اس مالک حقیقی کی رحمت پر توجہ محدود ہوگئی تھی لہذا جس اسم کے ساتھ تم نے اسے پکارا وہی اسم اعظم ہوگیا۔

اسی طرح مروی ہے کہ ایک شخص ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے اسم اعظم کا پتہ دیجئے انہوں نے فرمایا کہ اسم اعظم کے لئے کوئی خاص حد معین نہیں اپنے قلب کو غیر اللہ سے پاک و صاف کرکے حضرت ذات مقدس کیطرف رجوع کرو پھر جس اسم سے تم اسے پکاروگے وہی اسم اعظم ہوگا۔ غیر اللہ سے الگ تھلگ ہوکر ذات باری کو پکارنا اور ایسے وقت میں اسے جس اسم سے پکارا جائے اس کے ذریعہ سے دعا کا مقبول ہونا پایہ یقین کو پہنچ چکا ہے اور اس میں راز صرف یہی ہے کہ جسقدر غیر اللہ سے قطع تعلق ہوتا ہے اسی قدر قلب کا تعلق ذات باری کیساتھ بڑھ جاتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر ایک اسم ایسی حالت میں بطور اسم مؤثر ثابت ہوتا ہے اسی خیال پر ایک محقق نے لکھا ہے کہ پورے طور پر انسان صرف اسوقت غیر اللہ سے الگ تھلگ ہوتا ہے جبکہ وہ نزع کی حالت میں ہوتا ہے اس حالت میں بجز اللہ تعالےٰ کے کسی شخص کیطرف سے اسکے دل میں خوف ورجا باقی نہیں رہ جاتے اس لئے ایسی حالت میں عاجز بندہ جس اسم کے ساتھ حضرت رب العزت کو پکارتا ہے وہ اس کے حق میں اسم اعظم ہوگا اور اس اسم کا مقتضے یہ ہوگا کہ اللہ تعالےٰ کی رحمت اور اس کا کرم بندہ کے شامل حال ہوگا یعنے اس کو درکات عذاب سے رہائی دیکر درجات ثواب تک پہنچاویگا اس تقریر سے معلوم ہوگیا کہ جناب نبوی کا فرمان مبارک

Marfat.com

مَنْ کَانَ اٰخِرُ کَلَامِہٖ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ مذکورہ بالا حکمت پر مبنی ہے
نصلی اللہ علیہ وسلم ہ

علماء کا ایک دوسرا گروہ ہے جن کا یہ خیال ہے کہ اسم اعظم ایک خاص معین اسم ہے پھر یہ لوگ بھی دو قسم کے ہیں ایک تو قائل ہیں کہ بندوں کو اس کا علم ہے دوسرے قائل ہیں کہ کسی کو اس اسم کا علم نہیں ہر ایک گروہ اپنے اپنے دلائل پیش کر کے اپنے دعوی کو ثابت کرتا ہے جو لوگ اس امر کے قائل ہیں کہ بندوں کو اس کا علم ہے اُن میں اختلاف ہے کہ وہ کونسا اسم ہے؟ بعض کا خیال ہے کہ وہ اسم ھُو[1] ہے اور مقام دعاء میں یَا ھُوَ یَا مَنْ لَا ھُوَ اِلَّا ھُوَ یَا مَنْ بِہٖ ھُوِیَّۃُ کُلِّ ھُوَ بولا کرتے ہیں مفصلہ ذیل دلائل کے رو سے یہ اسم اسم اعظم ہے۔

اوّل یہ کہ اسم ھو کنایہ ہے ذات واحد سے جو بطور غیبت اور فردانیت کے موجود ہے غیبت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ذات تمام اشیاء سے علیحدہ ہے یعنی وہ نہ کسی چیز میں نہ کسی چیز کے اوپر نہ کسی چیز سے متصل اور منفصل ہے اور فردانیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ہر ایک جہت سے فرد مطلق ہے اور تمام صفات میں کامل و مکمل ہے لہذا اسم ہو کا اطلاق ذات باری پر اس حیثیت سے کیا جاتا ہے کہ وہ ان تمام صفات سے موصوف ہے جو اسکے شایان شان ہیں لہذا اسم ہو افضل الاسماء قرار دیا گیا۔

دوم یہ کہ موجودات کا ایک خالق حقیقی کیطرف محتاج ہونا ایک ایسا واضح اور بیّن امر ہے کہ اس کے متعلق کسی دلیل کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ ایک امر فطری ہے یہی وجہ ہے کہ مشرکین اس سوال کے جواب میں کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا ہے بجز ذات باری کے کسی غیر کا نام نہیں لے سکتے تھے حیث

[1] علمائے حدیث میں سے شیخ ابن تیمیہ اس امر کا انکار کرتے ہیں کہ ھو اسم ذات باری ہے چہ جائیکہ وہ اسم اعظم ہو ۱۲

Marfat.com

قال اللہ تعالیٰ ولئن سالتھم من خلق السموات والارض لیقولن اللہ لہذا اسم ھو سے ایک ایسے موجود حقیقی کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے جس کی ضرورت پر انسانی فطرت شاہد ہے اور یہ اسم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ موجود حقیقی اپنی ہیت ذات کی جہت سے باطن (مخفی) ہے اور بلحاظ دلائل کے ظاہر۔ اس لئے یہ اسم اسم اعظم ہے۔

سوم یہ کہ عموماً قاعدہ ہے کہ سلاطین عظیم الشان کو اگرچہ متکلم سامنے موجود ہو بجائے صیغہ خطاب کے صیغہ غائب سے تعبیر کیا کرتے ہیں یعنے بجائے اَنتَ فعلت کذا کے ھو فعل کذا بولا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ لفظ ھو اعظم الکنایات قرار دیا گیا ہے۔

بعض دیگر کا خیال ہے کہ اسم اعظم لفظ اللہ ہے اور وہ اس کے متعلق چند وجوہ بیان کرتے ہیں اولاً اس اسم کا اطلاق بجز ذات باری کے کسی اور چیز پر نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اہل عرب اپنے معبودوں کو الٰھۃ کہا کرتے اور یہ اسم مبارک صرف ذات واحد سے مخصوص تھا قال اللہ تعالیٰ ولئن سالتھم من خلق السموات والارض لیقولن اللہ اور پھر فرمایا ھل تعلم لہ سمیا یعنے کوئی مخلوق ذات باری کا ہمنام نہیں کیونکہ وہ اسم اللہ سے موسوم ہے جو کسی غیر پر اطلاق نہیں پا سکتا چونکہ اس اسم کو ذات باری سے خصوصیت ہے اسلئے اشرف الاسماء ہے۔

ثانیاً اسم اللہ دیگر اسماء ذات باری کی نسبت اصل ہے یعنے تمام دیگر اسماء اس اسم کیطرف مضاف کیا کرتے ہیں اور اسے مضاف الیہ قرار دیتے ہیں مثلاً یوں کہہ سکتے ہیں کہ رحیم۔ رحمن وغیرہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں یوں نہیں کہا کرتے کہ لبسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا اسم ہے۔

لے سورہ ابراہیم کی آیۃ الیٰ صراط العزیز الحمید اللہ الذی لہ ما فی السموات وما بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ

Marfat.com

ثالثاً آیہ قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہردو اسم بہ نسبت دیگر اسماء کی مخصوص ہیں اور ان ہردو میں سے اسم اللہ اسم رحمن پر مقدم ہے اس لئے کہ اسم اللہ جامع جلال و جمال ہے اور اسم رحمن صرف جہت جمال پر مشتمل ہے لہذا اسم اللہ اشرف ہے رابعاً کافر کا اسلام لا اِلٰہ اِلّا اللہ کہنے پر معتبر سمجھا جاتا ہے لیکن اگر کسی دیگر اسم سے اظہار کرے تو نہیں اور یہ امر بھی اسم اللہ کے اشرف ہونے پر دلالت کرتا ہے

(خامساً) آیہ قل اللہ ثم ذرھم سے معلوم ہوتا ہے کہ اسم اللہ دیگر اسما کی نسبت اشرف ہے کیونکہ اس میں حضور علیہ السلام کو تمام غیر اللہ سے منقطع ہو جانے کی ہدایت ہے اور اسم اللہ کے ساتھ ذات باری کی توحید کو کامل کرنے کیطرف اشارہ ہے لہذا یہ اسم اشرف الاسماء ہے۔

(سادساً) کتاب اللہ شریف کو پہلے اسم اللہ سے شروع کیا گیا ہے اور یہ بھی دلیل اس کے اشرف الاسماء ہونے کی ہے۔

بعض علماء نے اس اسم کے اشرف الاسماء ہونے پر اور بھی دلائل قائم کئے ہیں۔ ہم نے نظر باختصار انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔

علماء کا ایک تیسرا گروہ ہے جو الحیّ القیّوم کو اسم اعظم قرار دیتا ہے اور اس کے متعلق دو وجوہ بیان کرتے ہیں۔ اوّل یہ کہ بروایت اُبی بن کعب مروی ہے کہ انہوں نے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے اسم اعظم کی درخواست کی آپ نے فرمایا کہ اسم اعظم ان ہردو آیات میں ہے (ا) اللہ لا الٰہ الا ھو الحیّ القیّوم (ب) الٓمٓ ۝ اللہ لا الٰہ الا ھو الحیّ القیّوم مگر لا الٰہ الا اللہ اسم اعظم

فی الارض میں یا تو تقدیم و تاخیر ہے یعنی الی صراط اللہ العزیز الحمید الذی الخ یا بموجب قرات نافع و ابن عامر لفظ اللہ مرفوع مبتدا ہے اور الذی موصلہ خبر مبتداء نعلا اشکال ۱۲ حاشیہ لذنتہ

Marfat.com

نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ دیگر آیات میں بھی موجود ہے اس لیئے الحی القیوم ہی اسم اعظم ہے
اور ایک روایت میں جو عبداللہ بن عباس سے مروی ہے اسم اعظم الحی القیوم
ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ اسم صرف تین آیات میں مذکور ہے دو تو سطورہ بالا آیات
ہیں اور تیسری آیت ہے وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْم
دوم یہ کہ ان ہر دو اسم کے مفہوم میں تمام دیگر صفات کاملہ کا مفہوم داخل
ہے یعنے ان اسماء کے ذکر کرنے پر دیگر صفات کے علیحدہ ذکر کی ضرورت نہیں ہوتی
لہذا یہ ہر دو اسم اعظم الاسماء ہیں۔
علماء کا ایک چوتھا گروہ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ذوالجلال والاکرام اسم اعظم ہے
اولاً اس لیئے کہ حدیث نبوی میں وارد ہوا ہے اَلِظُّوْا بِیَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ
یعنی ذوالجلال والاکرام پر جم جاؤ اور اس اسم کے ذکر کو لازم پکڑو یہی وجہ ہے
کہ اکثر ادعیہ ماثورہ میں یہ اسم وارد ہوا ہے ثانیاً یہ اسم تمام دیگر صفات الٰہیہ پر
مشتمل ہے کیونکہ اس میں ہر دو قسم کے صفات جلال و جمال کا مفہوم داخل ہے
(اکرام صفات جمال کی طرف اشارہ ہے) علماء کا ایک پانچواں گروہ ہے جن کا یہ
خیال ہے کہ اسم اعظم حروف مقطعات قرآنیہ میں مذکور ہے چنانچہ حضرت علی
کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ آپ کسی مشکل کے موقع پر یوں دعا کیا کرتے یا
کٓھٰیٰعٓصٓ یا حٰمٓ عٓسٓقٓ اسی طرح سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ
حروف مقطعات کی دو قسمیں ہیں ایک تو ایسے حروف ہیں جن کی ترکیب سے
اسم کب ہو سکتا ہے مثلاً الٓر۔ حٰمٓ۔ ن کی ترکیب سے اسم الرحمٰن کی ترکیب ہوتی
ہے دوم وہ حروف ہیں جن سے کوئی ایسی ترکیب حاصل نہیں ہو سکتی اور اسم اعظم
انہیں حروف میں محدود ہے ایک اور روایت میں حضرت امام زین العابدین رضی اللہ
عنہ سے مروی ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے اسم اعظم کی بابت سوال کیا جس سے

Marfat.com

کہ دعاء مقبول ہو جاتی ہے تو مجھے ایک رویاء میں بتلایا گیا کہ دعائیں یوں کہا کرو۔ اللھم انی اسئالك اللہ اللہ اللہ الذی لا الہ الا ھو رب العرش العظیم امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ان لفاظ میں جب دعاء کی مقبول ہوئی یہاں تک ان مذاہب کا بیان تھا جن میں یہ مذکور ہے کہ اسم اعظم مخلوق کو معلوم ہے دوسرا گروہ ان علماء کا ہے جن کا یہ خیال ہے کہ اسم اعظم کا علم کسی کو نہیں اور اس کے مخفی رکھنے میں یہ حکمت ہے کہ طالب جمیع اسماء حسنے کا ذکر کرے اور اس کی مثال بعینہ لیلۃ القدر کی سی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(اللہ) (۱) علماء عربیت میں سے ابوزید بلخی اس امر کے قائل ہیں کہ اسم اللہ عربی زبان کا لفظ نہیں بلکہ یہ سریانی زبان کا لفظ ہے جو اصل میں الھا تھا۔ اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ دوسری زبان کے لغات کو اپنے ہاں استعمال میں لا کر مخفف بنا لیا کرتے ہیں چنانچہ حرف مدہ کو اس اسم کے اخیر سے بھی ساقط کیا گیا ہے جیسے سریانی کے الفاظ ابا اور روحا کو اہل عرب اب اور روح بولا کرتے ہیں مگر اکثر علماء عربیت کا مذہب یہ ہے کہ یہ اسم عربی لفظ ہے اور یہی صحیح ہے صرف ایک زبان کے کسی دوسری زبان کے ساتھ بعض الفاظ میں توافق ہو جانے سے ثابت نہیں ہوتا کہ وہ الفاظ ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہوئے ہیں معہذا اہل عرب ایک خالق عالم کے قائل تھے اس لئے یہ ناممکن ہے کہ اس کو تعبیر کرنے کے لئے کوئی اسم ان کے ہاں موجود نہ ہو۔ اور اس لئے وہ دوسری زبان سے لینے پر مجبور ہوئے ہوں۔

(ب) یہ بالکل صحیح ہے کہ ذات باری کے جس قدر اسماء بجز اس لفظ (اللہ) کے ہیں بالاتفاق مشتق ہیں مگر اس اسم کے بارے میں علماء اسلام نے اختلاف

کیا ہے کہ آیا وہ مشتق ہے یا جامد ائمۂ شریعت میں سے امام ابو حنیفہ۔ شافعی۔ حسین بن فضل بجلی۔ قفال شاشی۔ ابو سلیمان خطابی۔ ابو زید بلخی۔ امام غزالی وغیرہم اس کے غیر مشتق ہونیکے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ اسم ذات باری کے ساتھ مخصوص ہے جیسے اسماء اعلام کا قاعدہ ہے اور علماء ادب میں سے خلیل سیبویہ۔ مبرد کا بھی یہی مذہب ہے مگر معتزلہ اور اکثر ادباء نے اس کو مشتق قرار دیا ہے لیکن ہمارے ہاں مذہب مختار یہی ہے کہ وہ مشتق نہیں کیونکہ اس اسم کو موصوف قرار دے کر دیگر اسماء صفاتیہ کو اس کی صفت میں ذکر کیا کرتے ہیں اور حدیث شریف میں آیا ہے اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَةً وَّتِسْعِیْنَ اِسْمًا یعنے اللہ تعالے کے لئے ننانوے نام ہیں اور قرآن مجید میں وارد ہے وَلِلّٰہِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا یعنے اللہ تعالے کے لئے اسماء حسنی ہیں تم اسے ان ناموں سے پکارو دیکھو اس حدیث و آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسم اللہ کو موصوف قرار دیکر باقی دیگر کو اس کیطرف بطور صفت کے نسبت کیا ہے اگر یہ بھی مشتق ہوتا تو اسم صفت ہوتا پھر موصوف کیسے ہوسکتا کیونکہ موصوف تو اسم ذات ہوا کرتا ہے ہاں یہ بات ضروری ہے کہ صیغہ صفت کو بھی کبھی اسم کے لفظ سے تعبیر کردیا کرتے ہیں مگر بطور مجاز نہ بطور حقیقت۔

(ج) جو لوگ اس اسم کو مشتق بتاتے ہیں ان کے نزدیک یہ مشتق ہے۔ اَلَهَ الرَّجُلُ اِلَيْهِ سے جس کے معنے ہیں فلاں شخص فلاں کی طرف مضطر ہوا [illegible] اشیاء اللہ تعالے کی محتاج ہیں اس لئے اس کو اِلٰہ بروزن امام بولتے [illegible] نے کہا ہے کہ اِلٰہ اصل میں وِلاہ ہے حرف واؤ ہمزہ سے بدل گیا جیسے وِسادہ سے اِسادہ اور وِشاح سے اِشاح وغیرہ اور [illegible] اور توجیہ یوں کیا کرتے ہیں کہ بندے اللہ تعالے سے محبت کرتے ہیں اس لئے اسے الٰہ بولتے ہیں گو قیاس یہ تھا کہ مالوہ بولتے جیسے معبود مگر اس بناء سے عدول

Marfat.com

کر کے الٰہ کہا گیا تاکہ اسے علم قرار دیا جائے۔

بعض علماء کا مذہب ہے کہ یہ اسم لاہ یلوہ سے مشتق ہے جس کے معنے احتجب (حجاب میں آگیا) کے ہیں[۱] چونکہ ذاتِ حق اپنی حقیقت اور دیگر تمام صفات کاملہ میں غیر متناہی ہے اور مخلوق کی شان یہ ہے کہ وہ ہر ایک وصف میں متناہی ہے یعنے مخلوق کے صفات مثلاً حیات سمع۔ بصر۔ عقل و فکر وغیرہ ایک خاص حد سے آگے تجاوز نہیں کر سکتے اس لئے ناممکن ہے کہ متناہی غیر متناہی پر حاوی ہو سکے یہی وجہ ہے کہ عقول اس کے انوار صمدیت کے سامنے مقہور اور افکار اس کے آثار عظمت کے مقابلہ میں مغلوب ہیں چنانچہ خود فرمایا ھُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ

بعض کا خیال ہے کہ یہ لفظ اَلَہْتُ بِالْمَکَانِ سے مشتق ہے جس کے معنے ہیں اقامت کرنا قال الشاعر ؎

اَلَہْنَا بِدَارٍ مَا تَبِیْنُ رُسُوْمُهَا ۔۔۔ کَاَنَّ بَقَایَاهَا وِشَامٌ عَلَی الْیَدِ

توجیہ یہ ہے کہ چونکہ ذات باری ازل سے ابد تک دوام وجود کی مستحق ہے اسلئے اس اسم سے مخصوص ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ اِلٰہَ الرَّجُلُ سے مشتق ہے جس کے معنی حیرت زدہ ہونیکے ہیں۔ چونکہ عقول اس ذات اقدس کی کنہ جمال و جلال میں حیران ہیں[۲] اس لئے

[۱] بعض علماء کا خیال ہے کہ ذات باری عز اسمہ کی نسبت محتجب کا لفظ تو اطلاق کر سکتے ہیں مگر محجوب نہیں بول سکتے ۔۔ کیونکہ محتجب کا مفہوم ہے کہ بوجہ اپنے صفات کاملہ کے تمام عقول پر غالب ہے اور عقول کی اس کی کنہ تک رسائی نہیں بلکہ وہ اپنے جلال و جبروت سے انکو مغلوب کرتا ہے اور محجوب سے اس ذات اقدس کا مغلوب ہونا پایا جاتا ہے ۱۲ منہ [۲] واضح ہو کہ ارواح بشریہ اگرچہ فی الحقیقت جواہر نورانیہ ہیں مگر تعلق جسمانی کیوجہ سے وہ ایک خاص مدت تک تیرہ ظلمت میں پڑے رہتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ جو شخص سالہا سال کسی ظلمت خانہ میں محبوس رہا گر اسے نور آفتاب کی روشنی میں لایا جائے تو اندھا ہو جائیگا کیونکہ باوجہ کہ ظلمت میں رہنے کیوجہ سے اسمیں ضعف آجاتا ہے اور وہ نور کی تحمل نہیں ہو سکتی لیکن اگر پہلے اس شخص کو مقوی سرمہ استعمال کرایا جاتا اور رفتہ رفتہ کم کم روشنی سے عادت پذیر کیا جاتا تو نور آفتاب اس کو مضر نہ ہوتا یہی حال ہے ارواح کا کہ وہ جب ظلمت خانہ بدن کو چھوڑتے ہیں تو تمام

یہ اسم اس ذات پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ یہ اسم تالّٰہُ سے مشتق ہے جس کے معنے تعبّد کے ہیں چنانچہ اہل عرب اپنے بتوں کو اٰلِھَۃٌ بولا کرتے تھے کیونکہ وہ اُن کی پرستش کیا کرتے اور انہیں اپنا معبود جانتے تھے ظاہر ہے کہ ذات باری منعم حقیقی ہونے کی وجہ سے مستحق عبادت ہے اس لئے وہ معبود ہے پس اِلٰہُ بمعنے معبود ہُوا امام غزالی مقصد اسنی میں لکھتے ہیں کہ اسم اللہ کے متعلق جس قدر اشتقاق کئے گئے ہیں محض تکلفات ہیں

(د) اس امر کا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لفظ اللہ کو عموماً دعاء کے موقع پر اللّٰھُمَّ سے تعبیر کیا کرتے ہیں خلیل ابن احمد اور سیبویہ کا مذہب ہے اَللّٰھُمَّ اصل میں یا اللہ تھا اور میم مشدد اخیر میں حرف ندا کا قائم مقام ہے مگر فرا نحوی کا مذہب ہے کہ اللّٰھُمَّ اصل میں یا اللّٰہُ اُمَّنَا بِخَیْرٍ ہے حرف ندا اور صیغۂ اُمَّ کا ہمزہ ساقط کرنے کے بعد اللّٰھُمَّ ہو گیا جیسے ھَلُمَّ اصل میں ھَلْ اُمَّ ھَا تھا حذف ہمزہ پر ھَلُمَّ ہو گیا امام رازی اسی کو اقرب الی الصواب لکھتے ہیں اس مسئلہ میں ہر دو مذہب کے متعلق مخالف و موافق دلائل ہیں ہم نے عمداً ان سے اعراض کرنا مناسب سمجھا ہے کیونکہ ہماری کتاب کا موضوع تحقیق لغوی نہیں الا اس حد تک کہ تقتضائے مقام سے خارج نہ ہو

(ہ) مسائل متعلقہ جملۂ لا الٰہ الا اللہ کی تحقیق

مسئلہ اکثر اہل نحو کا مذہب ہے کہ اس جملہ میں حذف و اضمار ہے چنانچہ اس کی توجیہ دو طرح پر کیا کرتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ حق کے انوار انہیں نذر کر دیتے ہیں لیکن اگر دنیا ہی میں شریعت کرو عبادات تصفیہ و تزکیہ حاصل ہو چکا ہو تو کچھ شک نہیں کہ وہ انوار ذات کے متحمل ہو سکیں گے سو جس طرح آنکھوں کو نور آفتاب سے ایک قسم کی چکاچوند سی لاحق ہو جاتی ہے اسی طرح روح کی آنکھ کا حال بوقت مشاہدہ انوار ذات ہے۔ ما منہ لہ صیغۂ امر مشتق از اَمَّ یَؤُمُّ بمعنے قصد کردن ۲۔

(ا) اصل میں لا اِلٰہ لَنَا اِلَّا اللہ تھا

(ب) اصل میں لا اِلٰہ فِی الوجود اِلَّا اللہ تھا۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ہر دو توجیہ محل نظر ہیں کیونکہ پہلی توجیہ کے رو سے اگر گروہ عباد کے الٰہ ثانی کی نفی ہوتی۔ تو یہ کہاں سے ثابت ہؤا کہ دیگر مخلوقات کے لئے بھی ایک الٰہ ہے اس صورت میں توحید خالص معدوم ہو جائے گی۔ دیکھو قرآن مجید میں جملۂ الٰھکم الٰہ واحد کے بعد جملہ لا الٰہ اِلّا ھو کا ذکر اسی لئے ہؤا ہے کہ پہلے جملہ سے صرف گروہ عباد کے اِلٰہ ثانی کی نفی ہوتی تھی نہ دیگر مخلوقات کے الٰہ ثانی کی اس ظن کے دور کرنے کی خاطر بعد میں جملۂ لا الٰہ الا اللہ کا ذکر فرمایا جس سے صاف معلوم ہو گیا کہ تمام موجودات کا الٰہ ایک ہی ہے اور دوسری توجیہ کی مطابق لازم آئے گا۔ کہ الٰہ ثانی کے وجود کی نفی ہو۔ نہ ماہیت وحقیقت اِلٰہ ثانی کی جو اس جملہ کا ظاہر مفہوم ہے اور یہ مسلم ہے کہ خلاص توحید کے مقام میں نفی ماہیت ولے اور اقوی ہے بہ نسبت نفی وجود کے پس جملہ لا اِلٰہ اِلّا اللہ کو ظاہر پر ہی چھوڑنا صحیح ہے حذف واضمار کی کچھ ضرورت نہیں۔

مسئلہ اس جملہ میں نحاۃ نے لفظ اِلّا کو غیر کے معنے میں استعمال کیا ہے اور لا اِلٰہ اِلّا اللہ کو لا الٰہ غیر اللہ کی صورت میں سمجھتے ہیں چنانچہ شاعر کے اس شعر میں ؎

وَکُلُّ اَخٍ مُفَارِقُہٗ اَخُوْہُ ۔ لَعَمْرُ اَبِیْکَ اِلَّا الْفَرْقَدَانِ

یہاں الا الفرقدان بمعنے غیر الفرقدین ہے اور یہی خیال صحیح ہے۔ جملۂ

ہر ایک دوست اپنے دوست کو چھوڑ جایا کرتا ہے سوائے فرقدان کے۔ ۱۲ منہ

فرقدان دو ستارے ہیں جو ابتداء فطرت سے ایک ہی مقام پر ہیں اور کبھی ان کے قرب بعد ...

... [illegible]

لَوۡكَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا میں کیونکہ یہاں بھی اِلَّا بمعنے غیر کے مستعمل ہُوا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر ہم اِلَّا بمعنے غیر نہ سمجھیں بلکہ اس کو استثنا ہی کے معنے میں لیں تو جملہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا مطلب یہ ہوگا کہ لَا اِلٰہَ یَسْتَثْنٰی عَنْھُمُ اللّٰہُ یعنے ایسے معبودوں کی نفی ہوگی جن سے اللہ مستثنے ہے۔ نہ ایسے معبودوں کی جن سے اللہ مستثنے نہیں ہُوا بلکہ ایسے معبودوں کے وجود کا اثبات لازم آئے گا جن سے اللہ مستثنے نہیں ہُوا حالانکہ یہ صریح کفر ہے پس صحیح طور پر ثابت ہوگیا کہ حرف اِلَّا یہاں استثناء کے معنے میں مستعمل نہیں ہُوا ورنہ اخلاص توحید باطل ہو جائے گا۔

یہاں اس نکتہ کا بیان کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ مسلّم ہے کہ کسی چیز کے اثبات کا تصوّر اس کی نفی کے تصوّر پر مقدم ہُوا کرتا ہے مگر جملہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں نفی کو اثبات پر مقدم رکھا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تقدیم نفی میں کئی ایک اغراض ملحوظ ہیں اوّل یہ کہ نفی الوہیت غیر اللہ کرنے کے بعد اثبات الوہیت ذات باری کے لئے کرنا زیادہ مؤکّد سمجھا گیا ہے اس کی مثال یوں سمجھو کہ اگر ہم یوں کہیں لَیْسَ فِی الْبَلَدِ عَالِمٌ غَیْرُ زَیْدٍ (شہر میں زید کے سوا کوئی عالم نہیں) تو یہ جملہ زید عالم فی البلد کی نسبت زید کے عالم ہونے کو زیادہ مؤکّدانہ طور پر ثابت کرتا ہے۔ دوم چونکہ ایک وقت میں قلب ایک ہی طرف متوجہ ہو سکتا ہے اور جب ایک امر کی طرف توجہ کریگا۔ تو دوسرے امر کی طرف سے ہٹ جائے گا اس لئے جملہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں جب لَآ اِلٰہَ کہا جاتا ہے تو تمام ماسوی اللہ کی نفی ہو کر قلب خالی ہو جاتا ہے اور جب اِلَّا اللّٰہُ کہا جاتا ہے تو انوار توحید کا محل ہو جاتا ہے اور قلب کو کسی امر غیر کیطرف کچھ لگاؤ نہیں رہتا لہٰذا نفی کا مقدم کرنا اخلاص توحید کے لئے اہم ہے اس کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے نمازے

Marfat.com

پہلے وضو شرط ہے کیونکہ طہارت کے بعد نماز کا ادا کرنا مقصد نماز کے لئے زیادہ موجب تکمیل ہے اسی طرح لا الٰہ بھی قلب کو تعلق ماسوی اللہ سے بالکل پاک کر دیتا ہے یا یوں کہو کہ جس طرح قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے استعاذہ (اعوذ پڑھنا) وساوس شیطانیہ سے موجب امن ہوتا ہے اس طرح جملہ لا الٰہ الا اللہ میں نفی کا اثبات توحید پر مقدم لانا ضروری ہے سوم یہ ضروری ہے کہ جو شخص کسی جلیل القدر بادشاہ کو کسی مکان میں لانے کا ارادہ کرتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اس مکان کو ہر ایک قسم کی نجاسات سے پاک وصاف بنالے تب بادشاہ کو اس مکان میں نازل ہونے کی تکلیف دے سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اہل تحقیق نے کہا ہے کہ جملہ لا الٰہ الا اللہ کا نصف اول بمنزلہ تطبیت کے ہے۔ یعنی قلب کو پاکیزہ کرنا اور نصف ثانی بمنزلہ جلاء انوار کے ہے یعنی انوار توحید سے قلب کو مزین کرنا۔ یا یوں کہو کہ نصف اول اشارہ ہے طرف فناء کی اور نصف ثانی اشارہ ہے طرف بقاء کی۔

مسئلہ جملہ لا الٰہ الا اللہ کے متعلق یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر کسی شخص کو بذریعہ استدلال صحیح اس امر کا یقین ہو جاوے کہ عالم کائنات کے لئے ایک صانع حکیم کا وجود ضروری ہے تو اس علم یقینی کے بعد اس کو اس امر کا علم کیا مفید ہو سکتا ہے کہ اس کا کوئی دوسرا شریک یا اس کا مثل موجود نہیں کیونکہ یہ امر فی حد ذاتہ ذات باری کے لئے موجب کمال نہیں ہو سکتا یعنے کیا وجہ ہے کہ صرف ذات باری کے صانع عالم اور حکیم کامل ہونے پر ایمان لانا حصول سعادت کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس ایمان کے ساتھ اس امر پر ایمان لانا بھی ضروری ہے کہ اس کا کوئی مثل یا شریک موجود نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مثل یا شریک کی نفی پر ایمان نہیں ہوگا تو عید کو

Marfat.com

یہ کیسے معلوم ہوگا۔ کہ وہ صرف کسی ایک ہی کا عبد ہے یا دو کا اس صورت میں اس کا شکر و طاعت بجالانا کس کے لئے ہوگا؟ اور اس کو کیسے یقین ہوگا کہ وہ صرف ایک ہی کا محتاج ہے کیونکہ اس کو اس خیال کا موقع ہوگا۔ کہ اگر ایک میرے اعمال کو قبول نہیں کریگا تو دوسرا سہی لیکن نفی شریک و مثل پر ایمان لانے کی صورت میں اس کو یقین ہوگا کہ عالم کا معبود صرف ایک ہی ہے تب وہ کامل اخلاص کے ساتھ حق عبودیت کو ادا کریگا اور صرف اسی کا ہو کر رہیگا۔

مسئلہ اس مقام پر اس مسئلہ سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص بذریعہ استدلال صحیح حقیقت توحید پر ایمان لے آئے مگر اسے اتنا وقت نہیں ملا کہ جملہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو زبان پر لائے اور مر جائے تو کچھ شک نہیں کہ وہ صاحب ایمان ہو کر مریگا کیونکہ اس نے حق واجب کو ادا کر دیا۔ مگر اقرار زبانی کی مہلت نہ پا سکا۔ لیکن ایمان لے آنے پر اگر اسے مہلت اقرار زبانی کی مل گئی تھی مگر اس نے زبان سے اقرار نہیں کیا اور مر گیا تو ایسے شخص کی نسبت بعض علماء نے لکھا ہے کہ وہ صاحب ایمان نہیں اور بعض کا مذہب ہے کہ وہ صاحب ایمان ہے مگر فاسق ہے دلائل کی تفصیل اپنے موقع پر مذکور ہے۔

مسئلہ اس امر کا سمجھ لینا ضروری ہے کہ آیا کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ زبان پر لاتے وقت حرف نفی یعنے لا کو مد صوت کے ساتھ ادا کرنا چاہئے یا بلا مد صوت؟ بعض علماء کا خیال ہے کہ مد صوت اولےٰ ہے کیونکہ اثنا مد صوت میں تمام غیر اللہ کو حاضر فی الذہن کر کے ان کی نفی کرنا اور بعد میں اِلَّا سے اثبات کرنا تکمیل توحید کے لئے زیادہ مفید ہے اور بعض نے کہا ہے کہ بلا مد صوت کہنا چاہئے کیونکہ ممکن ہے کہ مد صوت کے اثنا میں اسے موت آجائے اور اِلَّا اللّٰهُ یعنے اثبات توحید سے محروم رہ جائے ہر دو خیال بجائے خود صحیح ہیں مگر حق اس مسئلہ میں یہ ہے

Marfat.com

کہ اگر کوئی شخص کافر اس کلمہ کو بغرض اظہار ایمان پہلی دفعہ زبان پر لائے تو مد صوت نہیں چاہئے تاکہ بہت جلد اقرار توحید سے عہدہ برا ہو جاوے ہاں اگر کوئی شخص مومن بطور تفویض و تجدید ایمان کے زبان پر لائے۔ تو مد صوت بہتر ہے تاکہ تمام غیر اللہ کو حاضر فی الذہن کر کے ان کی نفی کرے۔

مسئلہ واضح ہو کہ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے تلفظ میں لوگوں کے مدارج مختلف ہیں

(ا) اول طبقہ کے وہ لوگ ہیں جو صرف زبانی اقرار تک محدود رہتے ہیں جس کا اثر یا حکم یہ ہے کہ ان کے جان و مال سیف اسلام سے محفوظ ہو جاتے ہیں کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَاِذَا قَالُوْھَا عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَاءَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ اِلَّا بِحَقِّھَا یعنے مجھے اللہ تعالےٰ کی بارگاہ سے حکم ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں حتےٰ کہ لوگ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا اقرار کریں سو جب وہ ایسا کر چکیں تو ان کے نفوس و اموال بدوں اس حالت کے کہ حق شریعت میں ان پر مواخذہ عائد ہو سکے ہر ایک حالت میں محفوظ ہو جائیں گے اس طبقہ میں مومن۔ منافق۔ کافر۔ مشرک صدیق زندیق سب شریک ہیں اور ان میں کوئی امتیاز نہیں۔

(ب) طبقہ دوم کے وہ لوگ ہیں جو اقرار زبان کے ساتھ اعتقاد قلبی بھی رکھتے ہوں مگر بطور تقلید نہ بطور تحقیق چونکہ ایمان باللہ میں تقلید صحیح نہیں بلکہ ہر ایک کو بقدر استطاعت دلائل و براہین سے حقیقت توحید کا سمجھنا ضروری ہے اس لئے علماء نے اختلاف کیا ہے کہ ایسے مقلد کا ایمان صحیح ہے یا نہیں؟ مگر یہ بالاتفاق صحیح ہے کہ ایسا شخص عارف نہیں کہلا سکتا۔

(ج) طبقہ سوم کے وہ لوگ ہیں جو اقرار و اعتقاد کے ساتھ دلائل ظنیہ کا علم بھی رکھتے ہوں مگر دلائل قاطعہ کے درجہ سے قاصر ہوں اس مقام کے لوگ

Marfat.com

وساوس سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔

(د) طبقۂ چہارم کے وہ لوگ ہیں جو حقیقت توحید کا بذریعہ دلائل قطعیہ علم رکھتے ہوں گو وہ مقام مشاہدہ۔ مکاشفہ۔ تجلے سے قاصر ہوتے ہیں ان کا علم یقینی ہونے کی وجہ سے انہیں دیگر طبقات سے خاص امتیاز حاصل ہوتا ہے اور ان کی تعداد بہت قلیل ہوتی ہے۔

(ہ) طبقۂ پنجم کے وہ لوگ ہیں جن کو اصحاب مشاہدات بولتے ہیں انکی تعداد اقل قلیل ہے اور ان میں بھی بیشمار مدارج ہوتے ہیں۔

مناسبت مقام کے رو سے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب مکاشفات کے مدارج کا بھی ذکر کر دیا جائے

واضح ہو کہ ارباب حقیقت و اصحاب مکاشفات کیلئے چھ مدارج قائم کئے ہیں تین تو مبتدی لوگوں کے لئے ہیں اور باقی تین منتہی لوگوں کے لئے مبتدی لوگوں کے لئے جو مدارج قائم کئے گئے ہیں انہیں لوائح۔ لوامع۔ طوالع بولتے ہیں توجیہ ان مدارج کی یہ ہے کہ انوار معرفت کا انکشاف اگر اس طرح ہو کہ انکشاف کے ہوتے ہی پھر استتار و اختفاء کی حالت عود کر آئے جس طرح برق چمک دیکر رہ جاتی ہے تو ایسی حالت کو لوائح کہتے ہیں چنانچہ ایک عارف اس حالت کیطرف اشارہ کرتے ہیں ؎

وافترقنا حولاً فلما التقینا   کان تسلیمہ علی وداعی

یعنے دوست سے سال بھر جدا رہا اور جب ملاقات ہوئی تو اس قدر جلدی مفارقت ہو گئی کہ اس کا سلام زیارت سلام وداع تھا۔ گر یہی حالت جب بار بار خود کرتی ہے اور قلب سلیم میں استقامت پیدا ہو جاتی ہے تو انکشاف مذکورہ بالا کو ایک گونہ استقلال ہو جاتا ہے اور حالت تجلے دیرپا ہوتی ہے ایسی حالت میں

Marfat.com

اس کو لوامع سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور اگر اس مقام سے زیادہ ترقی حاصل ہو اور تجلیات قوی طور پر وارد ہونے لگیں تو انہیں طوالع بولتے ہیں مگر یہ حالت بھی خطر زوال سے محفوظ نہیں ہو سکتی ہاں یہ بات ضرور ہے کہ تجلیات کے قوی ہونے کیوجہ سے انکا اثر بالکل زائل نہیں ہو جاتا بلکہ ان کے انوار کے برکات قلب پر لگاتار موجود رہتے ہیں اسی حالت کیطرف اشارہ ہے آیہ قرآنیہ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا میں۔

منتہی لوگوں کے مدارج انکشاف کو الفاظ محاضرہ۔ مکاشفہ۔ مشاہدہ کیساتھ تعبیر کیا جاتا ہے محاضرہ حضور قلب کی اس حالت کا نام ہے جس میں دلائل و براہین حقہ متواتر قلب پر وارد ہونے لگتے ہیں جن سے قلب میں ایک ایسا نور پیدا ہو جاتا ہے جس کی روشنی سے سالک اپنے سیر میں کامل طور پر مستعد ہو جاتا ہے۔ اور اس کے بعد مکاشفہ کی حالت ہے جس سے سالک دلائل و براہین سے بالکل مستغنی ہو جاتا ہے محاضرہ کی حالت میں سالک اختیار رکھتا ہے کہ دلیل سے مدلول کی طرف انتقال کرے مگر مکاشفہ میں دلائل سے حضرت حق کیطرف منتقل ہونے میں سالک کا اختیار نہیں ہوتا۔ بلکہ جونہی کسی امر کا مشاہدہ کرتا ہے بلا اختیار حضرت حق کیطرف منجذب ہو جاتا ہے اس کے بعد مشاہدہ کا مقام ہے یہ وہ حالت ہے جس میں انوار تجلیات کا سلسلہ لگاتار بلا انقطاع جاری رہتا ہے اس کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے فرض کر لیا جاوے کہ بجلی شب تاریک میں بلا وقفہ متواتر اپنی چمک دیتی رہے اور ایک آن بھی منقطع نہ ہو ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں رات کا سماں بالکل دن کا سا نظر آئے گا یہی حالت تجلی ہے قلب سلیم کی سوقت جبکہ انوار تجلیات کا سلسلہ متواتر جاری رہتا ہے یہ مقام نہایت ترقی پر مبنی ہے اور اسی کیطرف کسی کامل نے یوں اشارہ کیا ہے ؎

لَيْلِي بِوَجْهِكَ مُشْرِقٌ وَظَلَامُهُ فِي النَّاسِ سَارِي
وَالنَّاسُ فِي سَدَفِ الظَّلَامِ وَنَحْنُ فِي ضَوْءِ النَّهَارِ

یعنی میری سیاہ رات تیرے جمال جہانتاب سے روشن ہو گئی ہے اور اس کا اندھیرا دوسرے لوگوں تک پہنچ گیا ہے اور وہ اندھیرے میں پڑے ہیں اور ہم دن کی روشنی میں ہیں۔

مذکورہ بالا ہر سہ مراتب کی مثال خواب اور خواب و بیداری اور بیداری کی سی ہے یعنی جس طرح ان مدارج کے انکشاف میں بلحاظ خفا اور وضاحت کے اتیاز ہوتا ہے اسطرح محاضرہ۔ مکاشفہ۔ مشاہدہ میں جن حقائق کا انکشاف ہوتا ہے خفی و جلی ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ مشاہدہ میں حقائق اشیاء بلا کسی قسم کے خفا کے ہو بہو منکشف ہوتی ہیں۔

واضح ہو کہ مقام مشاہدہ نہایت عالیشان مقام ہے اس لئے اس مقام میں کوئی ادنے سے ادنے فتور بھی گناہ عظیم سمجھا جاتا ہے ایک حدیث میں حضور علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں اِنَّهُ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِي وَاِنِّي لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً (یعنی میرے قلب پر ایک قسم کی تیرگی سی آجاتی ہے اور میں اللہ تعالے سے رات دن میں ستر بار استغفار کرتا ہوں۔ مراد کثرت استغفار سے ہے) اس حدیث کی توجیہ میں چند اقوال ہیں۔ اول یہ کہ بمقتضائے بشریت ایک گونہ سستی یا غفلت عارض ہو جاتی ہے۔ تو میں اس کے رفع کرنے میں استغفار سے کام لیتا ہوں۔ دوم یہ کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مدارج عالیہ پر ترقی کرتے رہتے تھے پس جب ایک مقام سے دوسرے مقام پر ترقی پاتے۔ اور موجود مقام کو سابق کی نسبت برتر پاتے تو سابق کو ادائے حق عبودیت کے رو سے حقیر سمجھتے اور اسی لئے استغفار کی طرف ملتجی ہوتے تا کہ اس مقام میں جو تقصیر

Marfat.com

ادائے حق عبودیت میں واقع ہوئی ہے۔ اس کی تلافی ہو جائے۔ سوم یہ کہ جب مقام اعلےٰ پر ترقی ہوتی تو اس مقام کے معارف و اسرار میں اسقدر استغراق ہوتا کہ اس کی محویت میں تبلیغ رسالت کے فرض میں ایک گونہ تقصیر ہو جاتی۔ اس لئے حضور بذریعہ استغفار اس تقصیر سے براءت حاصل کرتے بہرصورت اس حدیث میں حضور علیہ السلام کے استغفار کی حقیقت کا مفہوم حضور علیہ السلام کے ترقی مدارج کی کیفیت کے سمجھنے پر منحصر ہے کیونکہ ہر ایک مقام میں بوجہ تعلق بشریت کچھ نہ کچھ آثار بشریت کا موجود ہونا ضروری ہے جو اس سے اگلے مقام پر ترقی کرنے سے خفیف ہو جاتے ہیں۔ اور اس سے اگلے مقام پر اور بھی خفیف صورت میں رہ جاتے ہیں علیٰ ہذا القیاس انہیں آثار خفیفہ بشریت کے بقیہ پر حضور علیہ السلام کو استغفار کی ضرورت محسوس ہوا کرتی۔ اور یہی اس حدیث کی صحیح توجیہ ہے۔ اور انہیں بقایا آثار بشریت کو حضور علیہ السلام کی نسبت قرآن مجید میں لفظ ذنب سے تعبیر کیا گیا حیث قال وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ گویا ذنب کا لفظ محض بطور اشتراک اسمی استعمال کیا گیا ہے مخالفین اس آیت میں لفظ ذنب سے وہی حقیقت ذنب اخذ کیا کرتے ہیں۔ جو عوام الناس کے لئے متقرر ہے جس میں ہر ایک قسم کے گناہ کا مفہوم داخل ہے معاذ اللہ اور وہ نہیں سمجھتے کہ مقربین بارگاہ کے حق میں خفیف سے خفیف آثار بشریت کا وجود بھی گناہ عظیم سمجھا جاتا ہے کما قیل ؎

وُجُودُكَ ذَنْبٌ لَا يُقَاسُ بِهَا ذَنْبٌ

یعنے آثار بشریت کا خفیف سے خفیف تعلق بھی گناہ عظیم ہے یہی معنے ہیں حسنات الابرار سیئات المقربین کے۔

امام غزالی اپنی کتاب المقصد الاسنےٰ میں لکھتے ہیں کہ اسم اللہ منجملہ

Marfat.com

ننانوے اسماء ذات باری کے اعظم الاسماء قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ دلالت کرتا ہے۔ اس ذات اقدس پر جو موجود حقیقی ہے اور جو تمام کمالات حقیقیہ کی جامع ہے حتیٰ کہ اس کے مفہوم میں دیگر تمام صفات کمالیہ مثلاً علم قدرت ارادہ۔ سمع۔ بصر وغیرہا کا مفہوم بھی شامل ہے اور کوئی دوسرا اسم اس قدر جامعیت کمالات پر مشتمل نہیں یہی وجہ ہے کہ یہ لفظ نہ تو حقیقۃً کسی غیر پر اطلاق کیا جا سکتا ہے نہ مجازاً حالانکہ دیگر اسماء کا اطلاق مجازاً غیر پر کیا جا سکتا ہے مثلاً بطور مجاز۔ رحیم۔ علیم کریم۔ حلیم وغیرہا اسماء کا اطلاق غیر اللہ پر جائز ہے چونکہ ہر ایک اسم ذات باری کے تقتضا سے انسان کامل کو ایک خاص بہرہ حاصل ہوتا ہے اس لئے اس اسم جلالت سے عارف کامل کو یہ بہرہ ملتا ہے کہ اس کا قلب تمام ماسوا سے اعراض کر کے ذات واحد میں مستغرق ہو جاتا ہے اور بجز ذات حقیقی کے کسی چیز سے نہ تو خوف کرتا ہے نہ اس سے امید رکھتا ہے بلکہ تمام اشیاء کے بطلانِ وجود کی حقیقت اس پر منکشف ہو جاتی ہے اور کسی چیز کو وجودِ حقیقی سے موجود نہیں دیکھتا یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ عرب کے تمام اشعار میں لبید کا قول

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ ‏ وَکُلُّ نَعِیْمٍ لَا مُحَالَۃَ زَائِلٌ

اصدق الاقوال ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بجز ذات واحد کے تمام اشیاء نیست اور سب لذتیں معرض زوال میں ہیں۔

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمُ (۱) اہل عربیت اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ لفظ رحمٰن عربی ہے مگر تغلب نحوی کا خیال ہے کہ یہ لفظ عبرانی ہے جو اصل میں رحمانا تھا۔ اہل عرب نے خاء معجمہ کو حاء مہملہ سے بدل لیا اور حرف الف کو آخیر سے حذف کر دیا تغلب کے وجوہ معہ رد امام رازی نے اپنی کتاب لوامع البینات میں لکھے ہیں۔ اور ثابت کیا ہے کہ یہ لفظ عربی زبان کا ہے اور رحمت سے مشتق ہے

Marfat.com

امام غزالی لکھتے ہیں کہ لفظ رحمٰن یقیناً رحمت سے مشتق ہے اور یہ رائے واقعی صحیح ہے۔ کیونکہ اہل عرب کے ہاں یہ لفظ مروج تھا عمرو بن زید بن نفیل کا شعر ہے ۵

وَلٰكِنْ اَعْبُدُ الرَّحْمٰنَ رَبِّيْ لِيَغْفِرَ ذَنْبِيَ الرَّبُّ الْغَفُوْرُ

(ب) علماء نے حقیقت رحمت میں بہت کلام کیا ہے ایک گروہ کا خیال ہے کہ رحمت ذات باری کی صفت ہے جس کے معنے ارادہ ایصال ثواب و خیر کے ہیں اس صورت میں رحمت صفت ازلی ہوگی یعنی اللہ تعالی نے ازل ہی میں اہل ایمان کے حق میں عطاء نعمت کا ارادہ کیا تھا دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ رحمت کا مفہوم صرف ارادۂ خیر تک محدود نہیں بلکہ ایصال خیر اور دفع شر ہر دو کا مفہوم اس میں شامل ہے یعنے رحمت صفت فعل ہے نہ صفت ذات مگر حق یہ ہے کہ گو بطریق عموم قرآن مجید میں ہر ایک قسم کی خیر و نعمت پر لفظ رحمت کا اطلاق ہوا ہے۔ مگر یہ لفظ حقیقۃً دفع بلاء کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ صرف ارادۂ خیر مستلزم کمال حقیقی نہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے ان لِلّٰهِ مائة رحمة وانه انزل منها واحدةً الى الارضِ فقسمها بينَ خلقهِ فبها يتعاطفون وبها يتراحمون وآخر تسعاً وتسعين لنفسه يرحم بها عبادهٗ يومَ القيامةِ یعنے اللہ تبارک تعالے کیلئے سو رحمتیں ہیں۔ ان میں سے صرف ایک کو اس نے اپنے بندوں میں تقسیم کیا ہے جس کی وجہ سے بندگان خدا باہم پیار اور محبت کرتے ہیں اور ننانوے رحمتیں اس نے اپنی ذات کے لئے مخصوص کی ہیں۔ جن کو قیامت کے دن اپنے بندوں کے حق میں ظاہر کریگا۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں صرف ارادۂ خیر کے معنے صحیح نہیں اس لئے رحمت صفات فعل میں سے ہے نہ صفات ذات میں سے۔

(ج) علماء نے اس مسئلہ میں بہت کچھ بیان کیا ہے کہ آیا کفار کے لئے بھی

Marfat.com

دینی یا دنیوی نعمتیں ہو سکتی ہیں؟ اِس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ دینی نعمتیں کفار
کے لئے قطعًا موجود نہیں دنیوی نعمتوں میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ کفار
کے لئے دنیوی نعمتیں بھی مقدر نہیں اور وہ لذات و منافع اور صحت و سلامت
جو انہیں حاصل ہیں محض بطور استدراج ہیں جن کا انجام ان کے حق میں مفید نہیں
جیسے وہ لذیذ شے جس میں زہر ملادی گئی ہو۔ گو بظاہر لذت بخش ہے مگر بہرحال کھانے
والے کے لئے مہلک ہے اسی طرح دنیا کی تمام نعمتیں جن سے کفار منتفع ہو رہے
ہیں۔ ان کے حق میں بالآخر موجب ضرر ثابت ہونے والی ہیں اس لئے حقیقۃً
ان پر لفظ نعمت کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا چنانچہ قرآن مجید کی آیہ کریمہ ترکوا
مِن جَنّٰتٍ وَعُیُوْنٍ وَزُرُوْعٍ وَمَقَامٍ کَرِیْمٍ وَنَعْمَۃٍ کَانُوْا فِیْہَا فَاکِہِیْنَ میں محض
نظر بظاہر بطور مجاز ان اشیاء کو نعمت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اگر وہ لوگ
ایمان لے آتے تو وہ اشیاء ظاہر و باطن میں ان کے حق میں نعمت ثابت ہوتیں
لیکن ان کے کافر ہونے کی وجہ سے یہ اشیاء صرف ظاہر صورت میں اُن کے حق
میں نعمت تھیں نہ حقیقت میں کیونکہ یہی اشیاء ان کے لئے موجب معصیت و
طغیان ہو کر اُن کے لئے باعث ہلاکت و عذاب ثابت ہوئیں اس لئے فی الحقیقت
نعمت نہیں ہو سکتیں معتزلہ کا مذہب ہے کہ کفار کے لئے دینی اور دنیوی ہر دو
قسم کی نعمتیں ہیں دنیوی تو ظاہر ہیں۔ اور دینی کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ
نے دلائل و اسباب سعادت اُن کے سامنے رکھ دیئے ہیں جن سے وہ منتفع
ہو سکتے ہیں۔ مگر حق وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کر دیا دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا
ہے اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمْ بِہٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ نُسَارِعُ لَھُمْ فِی الْخَیْرٰتِ
بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ۔ یعنے کیا وہ کفار یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ ہم جن اشیاء یعنے مال و
فرزند سے ان کی امداد کرتے ہیں۔ تو ان کے لئے خیر و سعادت میں جلدی کرتے

ہیں (نہیں) بلکہ وہ اس امر کی حقیقت کو نہیں سمجھتے دیکھو اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے دنیوی نعمتوں کی ان کے لئے نفی کر دی کہ وہ خیرات نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشیاء ان کے حق میں درحقیقت نعمت نہیں۔

(د) یہ مسئلہ بھی قابلِ غور ہے کہ رحمتِ الٰہی اور رحمتِ بندگان میں بلحاظ کمال و نقصان کے کئی ایک وجوہ سے تفاوت ہے۔

اولاً وہ رحمت جو بندگانِ خدا سے ظاہر ہوتی ہے وہ اللہ تعالےٰ کے قلب بندہ میں پیدا کرنے سے موجود ہوتی ہے اس سے معلوم ہؤا کہ رحمتِ الٰہی اکمل ہے بہ نسبت رحمتِ بندگان کے۔

(ب) بندگانِ خدا سے جس رحمت کا ظہور ہوتا ہے وہ درحقیقت ایک قسم کی رقّتِ قلب کا نتیجہ ہے۔ اور یہ رقّتِ قلب ایک قسم کا الم ہے جس کو دل سوزی کہتے ہیں اور یہ امر کسی خارجی حالت سے اثر پذیر ہونے کا نتیجہ ہے مگر اللہ تعالےٰ کی ذات اس امر سے بری ہے کہ وہ کسی غیر سے متاثر ہو مثلاً باپ اپنے بیٹے کی حالت خستہ پہ رحم کر کے اس کی اصلاح میں سعی کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی دل سوزی کے الم کو جو بیٹے کی خستگی کی وجہ پیدا ہؤا تھا رفع کرتا ہے یا کوئی شخص بامید ثوابِ آخرت غرباء پر صدقہ و خیرات تقسیم کرتا ہے جس کا نتیجہ وہ یہ سوچتا ہے کہ عذاب جہنّم سے نجات پائیگا۔ علیٰ ہذا القیاس انسان سے جس قدر رحمت کا اظہار ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی غرض پر مبنی ہوتا ہے مگر اللہ تعالےٰ کا رحمت کرنا کسی غرض پر مبنی نہیں وہ جواد مطلق ہے اور متاثر ہو کر یا کسی غرض کے تابع ہو کر وہ رحمت کا اظہار نہیں کرتا برخلاف انسان کے کہ اس میں یہ ہر دو باتیں موجود ہیں جو ذاتِ باری کیلئے موجب نقص ہیں۔

(ثالثاً) بندہ دوسرے شخص سے جس قدر احسانات کرتا ہے۔ اُن کے اسباب

وہی امور ہوتے ہیں۔ جو انسان کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے بطور انعام حاصل ہوتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ درحقیقت انسان بجائے خود کسی احسان کا مالک نہیں بلکہ وہ جو احسان کرتا ہے اس کے اسباب بھی اللہ تعالےٰ ہی کی طرف سے ہوتے ہیں اس لئے حقیقۃً اللہ تعالےٰ ہی منعم حقیقی ہے اور اس لئے وہ بدرجۂ کامل رحیم ہے۔

(رابعًا) بندہ جب احسان کرتا ہے تو بمقدار بذل احسان اس کے خزانہ اور مال میں کمی واقع ہو جاتی ہے مگر اللہ تعالےٰ کے خزانہ رحمت میں کمی و بیشی کو دخل نہیں کیونکہ اس کے مقدورات لاانتہا ہیں یہی وجہ ہے کہ انسان کے بذل کرتے وقت اس کے دل میں ایک خیال تخالف جو مانع بذل ہوتا ہے پیدا ہو کر احسان سے روکتا ہے یا کمی کی طرف متوجہ کرتا ہے مگر اللہ تعالےٰ کی نسبت یہ امر ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔

(۵) رحمٰن اور رحیم ہر دو اسم رحمت سے مشتق ہیں اگر ان ہر دو میں معنے کے رو سے کچھ فرق نہ ہو تو ان ہر دو کو مترادف ماننا پڑیگا۔ مگر ایک جم غفیر علماء محققین کا یہ مذہب ہے کہ رحمٰن میں رحیم کی نسبت صفت رحمت کا مبالغہ ہے کیونکہ ترکیب یا رحمٰن الدنیا اور رحیم الآخرۃ سے اس امر کا پورا ثبوت ملتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ رحمت دنیا مومن و مشرک اور مطیع و عاصی سب کو شامل ہے جس سے ایک قسم کا عموم پایا جاتا ہے اور رحمت آخرت سے صرف اہل ایمان کا مخصوص بالرحمت ہونا پایا جاتا ہے اس لئے رحیم خاص ہے اور رحمٰن عام چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اسم رحمٰن مختص بذات باری ہے مگر اثر کے رو سے عام ہے کیونکہ وہ اس اسم کے رو سے نیک و بد اور مومن و کافر سب کو شامل ہے اور اسم رحیم اطلاق میں عام ہے کیونکہ ذات

Marfat.com

باری اور بندوں پر بولا جاسکتا ہے مگر بلحاظ اثر کے خاص ہے۔ کیونکہ رحمت آخرت کا ظہور صرف اہل ایمان کے لئے ہے۔ وزن رحمن کے مبنی بر مبالغہ ہونے پر دلیل بھی جاری ہو سکتی ہے کہ اس کا وزن فعلان کا ہے جیسے غضبان (بڑا غضب والا) ملآن (بڑا پر ہونے والا) نشعان (بڑا شکم سیر) مگر رحیم فعیل کا وزن ہے جو بسا اوقات بمعنے فاعل کے ہوتا ہے جیسے سمیع بمعنے سامع وغیرہ۔ معہذا کلمہ رحمن و رحیم ایک ہی مادہ سے مشتق ہیں مگر رحمن کے حروف پانچ ہیں اور رحیم کے چار اس لئے ضروری ہے کہ رحمن کی بناء مبالغہ پر قائم کی گئی ہو بنسبت رحیم کے اور ایک روایت میں جو ابو سعید سے مروی ہے مسیح علیہ السلام کی نسبت مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رحمن الدنیا اور رحیم الآخرۃ۔ اس سے بھی مبالغہ مفہوم پایا جاتا ہے۔

لفظ رحمن و رحیم کی تحقیق میں اس سوال کا جواب بھی ضروری ہے۔ کہ کیوں لفظ رحمن کو رحیم پر مقدم رکھا گیا ہے؟ اس کی ایک وجہ تو یہ بتلایا کرتے ہیں۔ کہ ہر سہ اسماء اللہ، رحمن اور رحیم میں ہم جنس ہونے کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ جس طرح اسم اللہ بجز ذات باری کے کسی پر اطلاق نہیں کیا جاتا اسی طرح اسم رحمن بھی بجز ذات باری عز اسمہ کے دوسرے پر اطلاق نہیں پاتا برخلاف اسم رحیم کے چنانچہ اوپر مذکور ہو چکا چونکہ اسم اللہ اور اسم رحمن میں ایک گونہ مشابہت تھی لہذا ہر دو کو متصل بیان کرنا معنوی طور پر زیادہ قرین بلاغت ہے دوم رحمت عامہ جو مفہوم رحمن ہے بمنزلہ اصل کے ہے اور رحمت خاصہ جو مفہوم رحیم ہے بمنزلہ زائد علی الاصل کے ہے اس لئے رحمن کو مقدم لانا ضروری تھا

امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اسم رحمن کا مقتضا جو مومن کو حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بندگان خدا پر رحم کرے اور ان کی خیر خواہی میں

Marfat.com

لطف وکرم سے کام لے نہ درشتی اور سختی سے۔ اور اہل مصیبت کو بنظر رحمت دیکھے نہ بنظر اذیت اور ہر ایک مصیبت جو عالم میں ظاہر ہو اس کو اپنی مصیبت سمجھ کر اس کے دور کرنے میں پوری سعی بجالائے تاکہ اہل مصیبت عذاب الٰہی سے بچ جائیں۔ اور اسم رحیم کا مقتضٰی یہ ہے کہ کہ جہانتک اس کی طاقت میں ہو اہل فقر و فاقہ کی حاجت برآری میں کوتاہی نہ کرے اور جس طرح ہو سکے بذریعہ مال یا بذریعہ شفاعت یا کسی دوسرے طریق پر اس کی حاجت و مصیبت کو رفع کرے اور اگر کچھ قدرت نہ رکھتا ہو تو دعا سے کام لے اور عدم قدرت اس طرح پر اندوہ زدہ ہو کہ وہ حاجت یا مصیبت خود اسی کی ذات پر وارد ہے۔

تنبیہ۔ یہ خیال عام طور پر پیدا ہوا کرتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ارحم الراحمین ہے اور رحیم کا قاعدہ ہے کہ وہ صاحب قدرت ہونے کی صورت میں کسی مصیبت زدہ کو مصیبت میں مبتلا نہیں دیکھ سکتا بلکہ اس کی مصیبت کو رفع کرتا ہے مگر دنیا میں ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا انواع و اقسام کی مصیبتوں میں مبتلا ہیں اور اللہ تعالےٰ کامل القدرت اور کامل العلم ہے پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ان مصیبت زدہ لوگوں کی مصیبت کو دور نہیں کرتا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال صفات ذات باری میں غور نہ کرنے کا نتیجہ ہے کیونکہ جو کچھ عالم کائنات میں ہو رہا ہے نہایت عدل و حکمت پر مبنی ہے دیکھو ماں اپنے بچہ کو عمل جراحی سے محفوظ رکھنا چاہتی ہے مگر باپ جو انجام بینی سے کام لیتا ہے بچہ کو جراح کے حوالہ کر دیتا ہے جو اس پر اپنا عمل جراحی کرتا ہے بظاہر ماں سمجھ کہ

Marfat.com

خیر خواہ معلوم ہوتی ہے مگر وہ درحقیقت نادان خیر خواہ ہے اور باپ دشمن معلوم ہوتا ہے مگر دراصل وہ بچہ کا بہترین خیر خواہ ہے کیونکہ اس کی نظر ایک ایسی مصلحت عظیم پر محدود ہوتی ہے جس کو ماں مدنظر نہیں رکھتی اگر باپ بچہ کو جزئی تکلیف سے بچانے کے لئے عمل جراحی سے اسکو محفوظ رکھے تو بچہ زخم کے ضرر سے ہلاک ہو جائے اس تمثیل سے صرف یہ مقصود ہے کہ ایک مصلحت عظیمہ کی تکمیل میں جزئی تکلیف کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا فطرت عالم میں غور کرو کہ ہر ایک امر خیر کے ساتھ کس طرح جزئی شر شامل ہے اللہ تبارک وتعالے کے کارخانہ حکمت میں حوادث کا وجود پذیر ہونا عین خیر پر مبنی ہوتا ہے مگر کسی حادثہ کے دوسرے اشیاء کے ساتھ متعلق ہونے سے شر جزئی کو اس حادثہ میں دخل ہو جاتا ہے باران رحمت کا نزول عین خیر ہے مگر کون کہتا ہے کہ اس میں جزئی شر شامل نہیں ہوتا۔ انسان اپنی کوتہ نظری سے لبسا اوقات شر جزئی کو ملحوظ رکھکر مصلحت عظیمہ کو نظر انداز کر جاتا ہے قال اللہ تعالے عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم یعنی جن امور کو تم برا سمجھتے ہو انہیں میں تمہاری مصلحت مضمر ہوتی ہے مگر سلسلہ اسباب کے ربط پر آگاہ نہ ہو کر تم انہیں ناپسند رکھتے ہو۔ الغرض کسی امر کے ذات باری سے صادر ہونے میں کوئی شر داخل نہیں بلکہ محض خیر ہی صادر ہوتی ہے مگر جب اس امر کو اپنے موارد خارجی سے تعلق ہوتا ہے تو وہی ایک امر بعض موارد کے حق میں تو عین خیر ہوتا ہے اور دیگر بعض کے حق میں شر ہے اور اگر جہت تعلق خارجی کو ہم نظر انداز کر دیں تو پھر شر کا وجود ہی ناپید ہے مطلب یہ کہ خیر مقصود بالذات ہے اور شر مقصود بالعرض یہی

وجہ ہے کہ کلام مجید میں بیدک الخیر ارشاد فرمایا نہ بیدک الخیر والشر۔

مذکورہ بالا اصل پر غور کرنے کے بعد اس امر کا سمجھ لینا ہرگز دشوار نہیں کہ کسی مصیبت زدہ کا مصیبت میں مبتلا ہونا ایک ایسے مخفی سلسلۂ اسباب کے ربط کا نتیجہ ہے جس کو عوام الناس ہرگز اپنے ادراک میں نہیں لا سکتے اور بجز عارفان عالیمقام کے کسی کو اس مقام تک رسائی نہیں ہو سکتی اگر ربط اسباب کی حقیقت کا انکشاف اہل دنیا پر ہو جاتا تو سلسلۂ کائنات کا انتظام کبھی درست نہ رہ سکتا بلکہ ہزارہا مفاسد کا باعث ہوتا اور یہ امر حکمت ذات باری کے منافی ہے یہاں یہ خیال پیدا نہیں ہو سکتا کہ جب شر جزئی کے بدون بھی امر خیر کا صدور ممکن تھا تو پھر خیر کے ساتھ شمول شر کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خیال بھی محض انسان کی عقل نارسا کا نتیجہ ہے کیونکہ کسی امر کے ممکن یا محال ہونے کا فیصلہ کر لینا کوئی سرسری بات نہیں جو لوگ اللہ تعالیٰ کے صفات متضادہ کا علم رکھتے ہیں وہ آگاہ ہیں کہ عالم کائنات کی فطرت ہی ہر ایک قسم کے متضاد امور کی متقاضی ہے اور اسی سے اس کے کامل الصفات اور بے مثل ہونے کا ثبوت حاصل ہوتا ہے صدور حوادث کے اسباب اور ان کے روابط کا علم انداز عقل سے کہیں بالاتر ہے ہاں مگر یہ محقق ہے کہ بمقتضائے سبقت رحمتی غضبی امر خیر ارادہ الٰہی میں اولاً اور بالذات داخل ہے اور امر شر ثانیاً اور بالعرض چونکہ اس حقیقت پر آگاہ ہونا مسئلہ جبر و قدر کی بحث کا مقتضی ہے لہٰذا اس دقیق مقام پر بجز سکوت کے کوئی چارہ نہیں اور زیادہ نکتہ چینی سے زوال ایمان کا خطرہ ہے

لہذا ہم ناظرین کو اسی قدر تفصیل پر قانع کرنا مناسب سمجھتے ہیں کیونکہ اس مسئلہ کی تہ تک پہنچنا ذوق و وجدان پر موقوف ہے بحث و جدل کو یہاں دخل نہیں فتدبّر۔

واضح ہو کہ وصف رحمت مقام عبودیت کے کمال کا پتہ دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو مختلف مواقع پر اس وصف سے متصف ظاہر فرمایا چنانچہ فرمایا وما ارسلناك الا رحمةً للعالمین اور فرمایا بالمومنین رءوفٌ رحیمٌ اور پھر فرمایا فبما رحمةٍ من الله لِنتَ لهم اور خود حضور علیہ السلام نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نسبت ارشاد فرمایا۔ ارحمُ اُمتی باُمتی ابوبکر یعنی سب سے بڑھ کر میری امت کے حق میں ابوبکر رحیم ہیں اور عام طور پر مقام تلقین رحمت میں ارشاد فرمایا الراحمون یرحمهم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء یعنی رحمت کرنے والوں پر اللہ تعالے مہربان ہے اللہ تعالے کی مخلوق پر رحمت کرو اللہ تعالے تم پر رحمت فرمائیگا۔

استدعاء رحمت کے متعلق حضرت خلیفہ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کی نسبت مروی ہے کہ آپ عید فطر کے لیے مصلے کی طرف نکلے اور نماز کے بعد یوں دست بدعا ہوئے کہ خدایا مجھ پر رحم فرما کیونکہ تو نے فرمایا ہے انّ رحمت الله قریبٌ من المحسنین اور اگر میں محسنین میں شامل نہیں تو صائمین سے تو ہوں اور تو نے فرمایا ہے والصائمین والصائمات اعدّ الله لهم مغفرةً واجراً عظیماً اور اگر میں صائمین میں بھی نہیں تو مؤمنین میں تو ہوں اور تو نے فرمایا ہے وکان بالمؤمنین رحیما اور اگر میں مؤمنین میں بھی نہیں تو تیری ایک پیدا کردہ شے ہوں

اور تو نے فرمایا ہے رَحْمَتِی وَسِعَتْ کُلَّ شَیْئٍ اور اگر میں یہ بھی نہیں تو میں مصیبت زدہ تیری رحمت سے محروم ہوں اور تو نے فرمایا ہے۔ الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للّٰہ وانا الیہ راجعون اولٰئک علیھم صلوٰتٌ من ربھم ورحمۃ الخ غور کرو کہ اہل معرفت کو کس کس طریق پر بارگاہ رب العزت میں مناجات کرنے کا ڈھنگ تھا یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقت قرآن مجید کو سمجھتے اور اس سے تنفع ہوتے تھے۔ اللھم ارزقنا بحق منہ بنی الرحمۃ وآلہ الطیبین۔

حضرات مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ ذات باری اہل افتقار کے لئے رحمٰن اور اہل افتخار کے لئے رحیم ہے جب اس کے جلال کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ان کے عقول مضمحل ہو جاتے ہیں اور اس کی طرف محتاج ہوتے ہیں اور جب اس کے جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں تو قوت حیات پاتے ہیں اور افتخار کرتے ہیں بعض لکھتے ہیں کہ وہ دنیا میں ستر گناہ کرتا ہے اس لئے رحمٰن ہے اور آخرت میں مغفرت اور اس لئے رحیم ہے عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ ایسا رحمٰن ہے کہ جب اس سے سوال کیا جائے تو عطا فرماتا ہے اور آپ ایسا رحیم ہے کہ جب سوال نہ کیا جائے تو ناراض ہوتا ہے چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا من لم یسئل اللہ یغضب علیہ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے اسی خیال کو کسی صاحب دل نے یوں موزوں کیا گیا ہے ؎

اللہ یغضب ان ترکت سوالہ ۔۔۔ وابن آدم حین یسئال یغضب

Marfat.com

ابوبکر وراق فرماتے ہیں رحمٰن بالنعماء ہے اور رحیم بالالاء النعماء وہ ہے جو اس نے یہاں عطا فرمادیا اور آلاء وہ ہیں جن کی بابت اس نے خبر دی۔ محمد بن علی ترمذی لکھتے ہیں کہ وہ رحمٰن ہے اس لئے کہ نار جہنم سے نجات بخشتا ہے اور رحیم ہے اس لئے کہ جنت میں داخل فرماتا ہے۔ حارث بن اسد محاسبی لکھتے ہیں کہ وہ رحمٰن ہے کیونکہ مصائب کو دور کرتا ہے اور رحیم ہے کیونکہ قلوب کو انوار معرفت سے منور کرتا ہے بعض لکھتے ہیں کہ وہ رحمٰن ہے کیونکہ اس نے قرآن مجید کی تعلیم فرمائی۔ حیث قال الرحمٰن علم القرآن اور رحیم ہے کیونکہ تکریم و تسلیم کے ساتھ عزت افزائی کرتا ہے حیث قال سلامٌ قولاً من رب رحیم۔ بعض محققین نے لکھا ہے کہ اسم رحمٰن میں ایسی رحمت کی طرف اشارہ مقصود ہے جو مخصوص بذات باری ہے یہی وجہ ہے کہ غیر اللہ پر اس کا اطلاق جائز نہیں اور رحیم میں رحمت عامہ کی طرف اشارہ ہے جو غیر اللہ سے بھی صادر ہو سکے اسی وجہ سے اس کا اطلاق غیر اللہ پر جائز ہے۔ مسیلمہ کذاب کے اتباع مسیلمہ کو رحمٰن کہا کرتے چنانچہ ان کا ایک شاعر کہتا ہے ے وانت غیث الورٰی لازلت رحمانا۔ مگر یہ محض بطور جہالت و تعنت تھا نہ بطور حقیقت۔

الملکُ اس باب سے مختلف اسماء کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے الملك مالك الملك والملكوت۔ المليكُ۔ المالك۔ مگر اسماء حسنیٰ میں صرف دو ہی اسم آئے ہیں یعنی الملك اور مالك الملك۔

لفظ ملک (بکسر میم) کی نسبت علمائے عربیت کے دو قول مروی ہیں اول یہ کہ ملک کسی شئے میں تصرف کرنے کو کہتے ہیں دوم یہ کہ ملک قدرت تصرف کو

کہتے ہیں ان ہر دو توجیہ میں جو فرق ہے اسے علمائے متکلین زیر بحث لاتے ہیں جو محض لفظی مناقشات ہیں اور بے سود اصل لغت میں ملک بمعنے ربط اور شدّ کے ہے قال الشاعر ؎

ملکتُ[لہ] بها کفّی فانہرتُ فتقها یری قائمٌ من دونها ما وراءها

غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ ربط اور شدّ کا مفہوم قدرت تامہ کا منافی نہیں چونکہ قدرت تامہ کی مالک بجز ذات باری کی کوئی اور چیز نہیں اسلئے حقیقی طور پر انسان کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا لہذا ملک بمعنے سلطنت صرف ذات باری ہی کا وصف ہے اور بس۔ اور چونکہ تصرف فرع ہے ملک کی اسی لئے عبد بالاستقلال مولیٰ کی مال میں کچھ تصرف نہیں کر سکتا آیہ لله الامر من قبل ومن بعد میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے ہاں عبد کو تملیک مولیٰ سے ایک عارضی تصرف کا حق حاصل ہو جاتا ہے مگر حقیقتاً اسکو مالک نہیں کہا جا سکتا۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اسم ملک اور مالک ہر دو میں وصف کا یکساں مفہوم نہیں بلکہ اسم ملک میں مبالغہ ہے کیونکہ ملک مملوکات کثیرہ کے مالک ہونے پر دال ہے یہی وجہ ہے کہ مالک الدار یا مالک الفرس وغیرہ تو بولتے ہیں مگر ملک الدار اور ملک الفرس نہیں بول سکتے نیز حضرت رب العزت اسم ملک اضافت سے اور نیز بلا اضافت دونو طرح مستعمل ہے اور مالک بجز اضافت مستعمل نہیں ہوتا اسیطرح اسم مالک اور ملیک بلحاظ مبالغہ وصف کی یکساں نہیں بلکہ بالاتفاق ان میں وہی نسبت ہی جو ناصر نصیر اور عالم علیم اور قادر و قدیر وغیرہ میں یعنی اسم ملیک میں زیادہ مبالغہ ہے اور اسم مالک الملک اسم مالک اور ملک ہر دو کی معنے پر مشتمل ہی کیونکہ اضافت ملک کی مملوک ذات باری ہونے پر دال ہی اور ملک سی قدرت تامہ اور تصرف مراد ہی مطلب یہ ہوا کہ ذات باری مالک قدرت و تصرف ہے۔ لفظ ملکوت۔ ملک بمعنے قدرت و تصرف کا مبالغہ ہی جیسے رغبت سی رغبوت اور رحمت سے رحموت

[لہ] شاعر زخم کی فراخی کا ذکر کرتا ہے کہ میں نے زخم لگانے کیلئے اپنے ہاتھ کو نیزہ پر مضبوط کیا اور اسقدر فراخ زخم لگایا کہ اس

Marfat.com

وغیرہ اور بعض محققین نے لکھا ہے کہ ملک اشارہ ہے ذات باری کی متصرف فی الاجسام ہونیکی طرف اور ملکوت سے عالم ملائکہ وارواح میں متصرف ہونا مراد ہے۔

یہ امر بذریعہ دلائل ثابت ہے کہ ذات باری مالک جمیع موجودات ہے اس لئے اگر ہم اسکے ملک کی تشریح کرنی لگیں تو ہمیں ایک ایک ذرہ کائنات کی حقیقت پر بحث کرنا ہوگی جس سے ذات باری کی تصرف کامل کا ہم علم حاصل کرسکیں مگر تمام موجودات زمینی وآسمانی کا خیال تو ہونا ہی ہے اگر ہم محض یا مکھی کے ایک پر کی تشریح کرنی لگیں تو اسکی متعلق مختلف مباحث کی طرح کرتے ہیں ہزاروں لمبی لمبی عمریں ختم ہوجائیں مگر ہم سمندر سے ایک قطرہ کی برابر بھی علم حاصل نہیں کرسکتے اسی عدم امکان کی طرف اشارہ ہے آیہ لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی میں ہاں مگر بنظر اختصار واجمال ہمیں آیہ اللھم مالک الملک الآیۃ میں غور کرنا چاہئے (ا) مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء ان الفاظ سے ذات باری کا متصرف مطلق ہونا ثابت ہے کیونکہ عطا اور منع ہر دو پر یکساں قادر ہے (ب) وتعز من تشاء وتذل من تشاء ان الفاظ سے اعزاز واذلال پر اس کا قادر ہونا ثابت ہے (ج) تولج اللیل فی النھار وتولج النھار فی اللیل اس سے تقلیب لیل ونہار پر قادر ہونا ثابت ہے (د) تخرج الحی من المیت وتخرج المیت من الحی ان الفاظ سے اسکا احیا و اماتت پر متصرف ہونا ثابت ہے (ھ) وترزق من تشاء بغیر حساب ان الفاظ سے اسکا رزاق مطلق ہونا ثابت ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ مذکورہ بالا پانچ موارد سے ذات باری کلمن کل الوجوہ قادر مطلق ہونا ثابت ہورہا ہے۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ عبد کبھی دائرہ احتیاج سے باہر نہیں جا سکتا کیونکہ وہ ممکن ہے اور ہر ایک ممکن محتاج ہے سو جس طرح وہ کبھی مستغنی نہیں ہوسکتا اسیطرح وہ کبھی کسی غیر اللہ کیطرف محتاج نہیں ہوسکتا کیونکہ غیر اللہ کو تصرف کا حق حاصل نہیں اسلئے غیر خود محتاج ہے پس محتاج کا محتاج ہونا عقلاً ممتنع ہے ہاں عارضی طور پر ہر ایک چیز غیر اللہ کیطرف محتاج ہے مگر فی الحقیقت سب کا محتاج الیہ ذات باری ہے لہذا انسان کا مستغنی ہونیکی

لہ اگر تمام روئے زمین سمندر سیاہی بن جائیں جس سے موجودات ذات باری کی حقیقت طلب کی جانے تو سیاہی ختم۔

دو صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ جب وہ غیر اللہ سے بالکلیت منقطع ہو کر محض اللہ تعالےٰ ہی کا ہو رہے اور ہر ایک کی حاجت سے مستغنی ہو جائے تو اس صورت میں ملک یا مالک مطلق ہو سکتا ہے واضح ہو کہ اس رتبہ کا مالک بجز ذات جامع کمالات جناب رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی شخص نہیں ہوا اور اسی عدم احتیاج کیطرف اشارہ ہے آیۂ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی میں۔ ایک حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں خُيِّرْتُ بَيْنَ اَنْ اَكُوْنَ عَبْدًا نَبِيًّا اَوْ مَلِكًا نَبِيًّا فَاخْتَرْتُ الْعُبُوْدِيَّةَ یعنے مجھے اس امر کا اختیار دیا گیا کہ میں عبد نبی ہو جاؤں یا ملک نبی سو میں نے عبودیت ہی کو اختیار کیا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص من کل الوجوہ اپنے مولا کا بن کر رہتا ہے تو مولےٰ خود اسی کا ہو جاتا ہے اس لئے تمام مخلوقات اس شخص کے تابع فرمان ہو جاتی ہے اور جو شخص اللہ تعالےٰ کا نہیں بنتا کوئی چیز اس کی اطاعت نہیں کرتی وجہ اس کی یہ ہے کہ اصل ہر ایک چیز کی ذات باری ہے جب اصل کسی کو حاصل ہو جائے تو فرع جمیع مخلوقات، خود اس کی تابع ہو جائے گی اور جب کوئی شخص فرع کیطرف رجوع کرے گا۔ تو اصل سے محروم رہے گا اور جب اصل سے محروم رہا تو فرع بھی اس سے زائل ہوگی اسی نکتہ کو حضور علیہ السلام نے اس حدیث میں ظاہر فرمایا ہے اِذَا سَاَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ یعنے جب سوال کرو تو اللہ تعالےٰ سے اور جب مدد مانگو تو اسی سے۔

دوم یہ کہ قلب جو ایک سلطنت کی طرح ہے جس میں سلطان روح حکومت کرتا ہے اور نفس اس کا دشمن ہے اور ان دونوں میں ہمیشہ مقابلہ رہتا ہے وزیر عقل سلطان روح کی طرف سے اور وزیر جہل سلطان النفس کیطرف سے باہم مقابلہ کرتے ہیں۔ سلطان روح مملکت قلب میں اخلاق حسنہ اور نیکی کا لشکر

پھیلانا چاہتا ہے۔ اور سلطان نفس عاداتِ قبیحہ ظلمانیہ کا اور ہر دو کو بیرونی امداد بھی ہوتی رہتی ہے۔ یعنی سلطان روح کی امداد کے لئے ملائکہ اور سلطان نفس کی امداد کے لئے شیاطین علیحدہ علیحدہ اپنا کام کرتے ہیں۔ ان دونوں لشکروں میں خوب مقابلہ ہوتا ہے۔ اس موقع پر اگر عنایت الٰہی سلطان روح کے شامل حال ہو جائے تو سلطان نفس کا لشکر شکست پاکر مملکت سے خارج ہو جاتا ہے۔ ورنہ شیاطین کی حکومت غالب آکر مملکت قلب میں مختلف قسم کی خرابیاں ڈال دیتی ہیں۔ اور شہوت وغضب اور حرص وحسد وغیرہ کے سوا اور کسی چیز کو اس میں دخل نہیں ہوتا۔

اس مثال میں اس امر کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے۔ کہ سلاطینِ عالم میں تو اس قسم کا مقابلہ کبھی شاذو نادر ہوا کرتا ہے۔ مگر روح اور نفس میں ہر وقت یہ مخاصمہ جاری رہتا ہے۔ اکثر ایسا ہوا کرتا ہے۔ کہ کبھی سلطان روح کو غلبہ ہو جاتا ہے۔ اور کبھی سلطان نفس کو۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ایک ہی شخص کبھی تو مشابہ ملک آسمانی ہو جاتا ہے۔ اور کبھی وہی شخص ثانی شیطان۔ اور بجز عنایت الٰہی اور رحمت ازلی کے کوئی چارہ نہیں اسی خیال پر انبیاء علیہم السلام کے ادعیہ میں بحضور باری عزّ اسمہٗ التجاء رحمت مروی ہے۔ خلیل علیہ السلام کی دعا میں غور کرو۔ رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ۞ یعنی خدایا مجھے حکمت دے اور اہل صلاح کے ساتھ ملا دے۔ حکمت کی استدعا سے مراد یہ ہے کہ مقابلہ نفس کی طاقت دے جس کا نتیجہ صلاح و تقوے ہو سکتا ہے۔ کلیم علیہ السلام کی دعا کو دیکھو رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي یعنے خدایا میرے لئے میرے سینہ کو کھول دے اور میرے امر میں مجھے آسانی دے اس دعا میں شرح صدر سے مراد یہ ہے کہ میرے قلب سے آلائش جہل کو

Marfat.com

بالکل دور کر دے جس کا نتیجہ تنگی اور ظلمت ہے اور امر میں آسانی دینے سے مراد یہ ہے۔ کہ نفس اور شیطان کے مغلوب کرنے کی قوت عطا فرما جس کا نتیجہ قلب کا انوار معرفت سے منور ہونا ہے اس سے زیادہ واضح الفاظ میں حضور نبی امی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا میں غور کرنا چاہئے حیث قال اللہ تعالے تعلیماً لہ صلی اللہ علیہ وسلم وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ یعنی خدایا! میں شیاطین کی اندرونی رہ زنیوں سے تیری پناہ لیتا ہوں۔ اور نیز میں اس امر سے کہ شیاطین میرے پاس آسکیں۔ تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اس موقع پر قابل ضبط یہ امر ہے کہ جو شخص قلب کے ان حالات کا عارف ہوتا ہے وہ ہر وقت غیر اللہ سے اپنی تعلق کو قطع کرنے کے پیچھے لگا رہتا ہے اور اپنی تئیں اس مولائے حقیقی کے سپرد کر دیتا ہے اور غیر سے اپنی امید منقطع کر لیتا ہے اور آفات و علائق سے بچا رہتا ہے۔ اسی امر کی طرف بعض مشائخ نے یوں اشارہ فرمایا ہے۔ يَجْمُلُ بِالْحُرِّ الْمُرِيْدِ اَنْ يَّتَذَلَّلَ لِلْعَبِيْدِ وَهُوَ يَجِدُ مِنْ مَوْلَاهُ مَا يُرِيْدُ یعنے کسی خالص الارادت طالب کو ہرگز شایاں نہیں کہ عاجز بندوں کے سامنے فروتنی کا اظہار کرے جب کہ وہ اپنی ساری مرادیں اپنے مولی سے حاصل کر سکتا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ یہ مقام بہت اونچا ہے اور ہر ایک ہوسناک کو وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

سُفیان بن عُیینہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا کہ یکایک مجھے ایک شخص نظر پڑا۔ اُسے دیکھتے ہی میرے دل نے فیصلہ کر لیا کہ یہ شخص ضرور مخلصین میں سے ہوگا۔ میں نے اُس کے قریب جا کر عرض کیا۔ کہ آپ مجھے کچھ وصیت فرمائیں جس سے میں فائدہ اٹھاؤں۔ اُس نے مجھے جواب نہ دیا اور طواف میں لگا رہا جب طواف سے فارغ ہو چکا تو مقام

ابراہیم کے پیچھے اس نے دوگانہ ادا کیا اور پھر حجر[ل] میں داخل ہو گیا میں بھی اس کے پاس جا بیٹھا اور پھر وہی مذکورہ بالا عرض کی تب اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیا تو جانتا ہے کہ تیرے رب نے کیا حکم دیا ہے یہ کہہ کر خود ہی فرمایا کہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں حی لایموت ہوں میری اطاعت کرو میں تمہیں بھی حی لایموت بنا دونگا۔ میں مالک الملک ہوں میری اطاعت کرو میں تمہیں بھی مالک الملک بنا دونگا۔ میں وہ بادشاہ ہوں کہ جب کسی امر کو کرنا چاہتا ہوں تو وہ امر میرے ارادہ کے ساتھ ہی واقع ہو جاتا ہے میری اطاعت کرو۔ میں تمہیں بھی ایسا بنا دونگا۔ کہ جب تم کسی امر کا ارادہ کرو گے وہ امر اسی وقت موجود ہو جائیگا اتنا کہا اور وہ بزرگوار میری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ میں حیران رہ گیا۔ اور سمجھا کہ خضر علیہ السلام تھے۔

بعض حکایات میں مروی ہے کہ کسی امیر نے ایک خدادوست صالح مرد کو کہا۔ کہ اگر کوئی حاجت ہو تو مجھ سے فرمایئے انہوں نے کہا کہ میرے ہاں جو دو غلام ہیں وہ تمہارے حاکم ہیں بھلا میں اپنے غلام کے غلام سے کیوں اپنی حاجت روائی کر سکتا ہوں۔ اس امیر نے عرض کیا۔ کہ وہ کونسے دو غلام ہیں اس مرد خدا نے جواب دیا۔ کہ شہوت اور غضب یہ ہر دو تیرے تو حاکم ہیں۔ مگر میرے محکوم ہیں۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ سورہ یوسف میں اللہ تعالے نے حکایۃً آیہ رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ میں ملک سے قدرت علی النفس مراد لی ہے اور وَعَلَّمْتَنِي مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ میں تاویل احادیث سے حکمت کو باہر دو آیات علیحدہ علیحدہ قوت عملی اور قوت نظری کے کمال کیطرف اشارہ کرتے ہیں قال الشاعر

[ل] ... دگرد کعبہ اندرون حطیم از سوئے شمال ۱۲

Marfat.com

مَنْ مَلَكَ النَّفْسَ فَحُرٌّ مَا هُوَ وَالْعَبْدُ مَنْ يَمْلِكُهُ هَوَاهُ[1]

اَلْقُدُّوسُ اس اسم کے متعلق چند مسائل ضروری البیان ہیں اول یہ کہ یہ اسم لفظ قُدُس سے مشتق ہے جس کے معنے طہارت اور نزاہت کے ہیں چنانچہ البیت المقدس کی وجہ تسمیہ بھی اسی مناسبت پر مبنی ہے۔ جنّت کو حظیرۃ القدس بولتے ہیں کیونکہ آفات دنیا سے پاک ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو روح القدس کہا گیا ہے کیونکہ تبلیغ وحی میں غلطی اور عیب سے پاک ہیں۔ بعض اہل لغت نے لکھا ہے کہ کلام عرب میں بجز قُدُّوس اور سُبُّوح اور ذُرُّوح اور فُرُّوح کے سب اسماء فعّول بالفتح آئے ہیں۔ مگر یہ چاروں بالضم ہیں۔ بعض محققین کا خیال ہے۔ کہ یہ لفظ اصل میں سُریانی زبان کا ہے چنانچہ قدّیس کا لفظ جو اہل کتاب کی ادعیہ میں وارد ہے۔ اس امر پر کافی حجت ہے۔

اسماء ذات باری میں یہ اسم اس مفہوم پر مشتمل ہے کہ وہ ذات بیچون تمام نقائص وعیوب سے بری ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَلْقُدُّوسُ هُوَ الْمُنَزَّهُ عَنْ كُلِّ وَصْفٍ مِنْ اَوْصَافِ الْكَمَالِ الَّذِیْ يَظُنُّهُ اَكْثَرُ الْخَلْقِ كَمَالًا ط یعنے قدوس وہ ذات ہے۔ جو ان تمام اوصاف کمال سے بری ہو جس کو اکثر لوگ کمال خیال کیا کرتے ہیں۔ کیونکہ عوام الناس بلکہ اکثر علما وجو درجہ سیر مقامات تک رسائی نہیں رکھتے صفاتِ ذات کو انسانی صفات پر قیاس کر لیا کرتے ہیں مثلاً وہ انسانی علم وقدرت اور سمع وبصر وغیرہ کو ذات باری کے علم وقدرت وغیرہ صفات کے ادراک میں معیار قرار دے لیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ذات گرامی جہل سے جو ضد علم ہے اور عجز سے جو ضد قدرت ہے پاک ہے حالانکہ حق یہ ہے کہ وہ ذات مقدس ان صفات علم وقدرت سے بھی بالاتر ہے

[1] آزاد وہی ہے جو نفس پر قادر ہے اور غلام وہ جس پر خواہش نفس حکمران ہو ۱۲ منہ

Marfat.com

جن کو ہم انسانی ادراک کے رو سے سمجھ سکتے ہیں۔ لہذا عام لوگ ثناء ذات باری میں علیم و قدیر اور سمیع و بصیر سے وہی مفہوم سمجھا کرتے ہیں۔ جو انسان کے صفات کے لئے سمجھنا چاہئے۔

بعض مشائخ کرام نے لکھا ہے کہ قدوس وہ ذات ہے جو حاجات سے پاک ہو اور جس کی صفات آفات سے بری ہو۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے۔ کہ قدوس وہ ذات ہے۔ جو ابرار صالحین کے نفوس کو آلائش معصیت سے پاک کرتی ہے بعض دیگر اکابر نے لکھا ہے کہ قدوس وہ ذات ہے جو احتیاجِ زمان و مکان سے بالاتر ہو اور بعض حضرات نے یوں تعبیر کی ہے۔ کہ قدوس وہ ذات ہے کہ اپنے اولیاء کے قلوب کو ہر ایک قسم کے مالوفات پر مطمئن ہونے سے پاک کرتا ہے اور انوار مکاشفات سے اُن کے ارواح کو اُنس عطا فرماتا ہے۔

اس مقام پر اس امر کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ذات باری کے ماسوا تمام موجودات دو قسم پر منقسم ہے اول ذوات دوم صفات۔ پھر ذوات کی دو قسمیں ہیں اول مجردات دوم جسمانیات سو مجردات سب سے اشرف ہیں اور صفات بھی دو قسم کے ہیں۔ عقلی اور حسی ان میں سے عقلی اشرف ہیں۔ کیونکہ وہ دوام و بقا رکھتی ہیں اور حسی متغیر ہوتی رہتی ہیں۔ اس لئے انسان کا تقدس اس امر پر مبنی ہے۔ کہ لذات جسمانیہ سے منہ پھیرلے اور امور مادیہ میں مشتغل ہونے سے کنارہ کش ہو جائے بلکہ واجب یہ ہے کہ علوم حقیقیہ روحانیہ اور اخلاق حمیدہ کے حاصل کرنے پر اپنی توجہ مبذول کرے اور یہ امر تب حاصل ہو سکتا ہے جب کہ خیر و سعادت کی حقیقت کا اُسے پورا پورا علم حاصل ہو۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ قدوس وہ ذات ہے جس کو ہم تصوّر اور خیال یا وہم سے ہرگز ادراک نہیں کر سکتے وہ قدوس کے معنے یہ نہیں

Marfat.com

ہیتے کہ وہ ذات جو نقائص وعیوب سے پاک ہو۔ کیونکہ اس ذات گرامی کی نسبت یہ خیال کرنا کہ وہ نقائص وعیوب سے بری ہے۔ ایک قسم کا سوء ادب ہے مثلاً اگر ہم یوں کہیں۔ کہ بادشاہِ ملک جولاہ اور حجام نہیں تو بمقابلہ رتبۂ سلطنت یہ طرز بیان بھی ایک قسم کی بے ادبی ہے۔ خاکسار کہتا ہے کہ امام صاحب کا خیال نہائت وزنی اور قیمتی ہے اور اس کو اہل باطن کے سوا کوئی شخص کما حقہ نہیں سمجھ سکتا ادب ہی تمام ترقیات کا زینہ ہے اور بس۔

اَلسَّلَامُ سلام بمعنے سلامت ہے قال اللہ تعالیٰ وَاللّٰہُ یَدْعُوْا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ اس آئت میں دار السلام سے جنت مراد ہے۔ کیونکہ جنت میں جانے والا شخص موت اور آفات دنیا سے بچ جائیگا اسی معنی پر جملۂ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کا مفہوم قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ کلام پاک میں یحیٰی علیہ السلام کے حق میں فرماتا ہے وَسَلَامٌ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا اس آئت کے متعلق سفیان بن عُیَیْنہ رضی اللہ عنہ ایک عجیب معنے ارشاد فرماتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ انسان کے لئے تین مواقع سخت وحشت اور تشویش کے ہیں۔ اوّل جس دن پیدا ہوتا ہے بوجہ ایک غیر معمولی نقل مکانی کے نہائت متوحش ہوتا ہے معہذا شیطان ہر ایک بچہ کو پیدا ہونے پر مس کرتا ہے۔ دوم جس دن مرتا ہے اسے ایک عجیب وغریب قوم سے پالا پڑتا ہے یعنے ملائکہ جنہیں اس نے پہلے نہیں دیکھا ہوتا اس لئے وہ اس موقع پر بھی سخت پریشان ہوتا ہے سوم جس دن اس کا حشر ہوگا۔ یہ موقع بھی نہائت اضطراب وسراسیمگی کا ہوگا۔ سو اللہ تعالےٰ نے یحیےٰ علیہ السلام کی نسبت ان ہر سہ مواقع پر آفات سے باسلامت رہنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اور ارشاد فرمایا کہ وہ ان ہر سہ مواقع پر خوف اور ہراس سے محفوظ رکھے گئے ہیں۔ قول صواب کو بھی قرآن مجید میں سلام کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حیث قال اللہ تعالےٰ وَاِذَا خَاطَبَہُمُ

الجاھلون قالوا سلاما اس سے معلوم ہوا۔ کہ سلام وہ قول ہے۔ جو عیب اور گناہ سے پاک ہو۔

چونکہ مذکورہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام بمعنے سلامت ہے اس لئے اسمائے ذات باری میں اس کے معنے ذوالسلام کے ہونگے یعنی ایسی ذات جو نقائص سے محفوظ ہو اور بطریق مبالغہ مصدر کو اسم فاعل کے معنے میں لیا گیا ہے جیسے رجل عدل ای ذوعدل ورجل غیاث ای ذوغیاث

یہاں یہ خیال ہو سکتا ہے کہ سلام اور قدوس میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قدوس سے زمانہ ماضی اور حال میں بری اور عیوب ہونا پایا جاتا ہے۔ اور سلام میں یہ اشارہ ہے کہ زمانہ مستقبل میں وہ محفوظ رہے گا۔[1] اور بعض محققین نے لکھا ہے کہ اسم قدوس صفات میں نقص سے بری ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور اسم سلام افعال میں نقص سے بری ہونے پر۔ بعض مفسرین نے سلام کے معنے یہ لئے ہیں۔ کہ سلام وہ ذات ہے۔ جو دوسروں کو سلامت بخشے اور یہ امر مبدء و معاد ہر دو کو شامل ہے۔ مبدء کے متعلق تو فرمایا ما تری فی خلق الرحمن من تفاوت جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی اکثر مخلوقات کو عیوب سے بری پیدا کیا ہے اور معاد کے متعلق فرمایا وما ربک بظلام للعبید جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو ظلم سے باسلامت رکھنے کا وعدہ فرما لیا ہے بعض اہل تحقیق نے سلام بمعنے مسلم لیا ہے یعنے وہ ذات جو جنت میں اپنے بندوں پر سلام بھیج کر ان کی عزت افزائی کریگی۔ قال تعالیٰ تحیتھم یوم یلقونہ سلام

---

[1] یہ فرق صرف انسانی حالات کے رو سے بتایا گیا ہے۔ ورنہ ذات باری کی نسبت زمانہ ماضی اور حال اور استقبال یکساں ہیں۔ کیونکہ وہ ذات اقدس تعلق زمانہ سے بری ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

حضرات مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس اسم کا تقاضی انسان
کامل کے لئے یہ ہے کہ وہ نفس کی ظاہری اور باطنی مخالفت سے محفوظ ہو جاوے
قال اللہ تعالیٰ وَذَرُوا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ۔ بعض حضرات نے لکھا ہے۔ کہ
اس اسم کا مقتضے یہ ہے کہ بندہ ذنوب سے محفوظ اور عیوب سے بری ہو جاوے قال اللہ
تعالیٰ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ اس آئت میں قلب سلیم سے مراد ایسا قلب
ہے کہ جو شرک و نفاق سے بالکل خالص اور شک و شقاق سے بکلی فارغ ہو جائے
یا یوں کہو۔ کہ قلب سلیم وہ ہے جس کا نفس شہوات اور شبہات سے پاک و صاف ہو جائے
الغرض اسلام کا بہرہ اسم سلام سے یہ ہے کہ دنیا میں تو تمام موذی چیزوں سے محفوظ
ہو۔ اور اپنی حاجات میں غیر محتاج۔ اور دین میں اس کا باسلامت ہونا یوں ہے کہ تمام
شریعت میں بدعت اور شبہات اور ہوا اور شہوات سے بری ہو اور مقام الیقین میں یوں
کہ شہوات اور غضب کو قوت عاقلہ کی حکومت سے باہر نہ ہونے دے اور ہر دو کو اپنا
مغلوب رکھے اور مقام حقیقت میں یوں کہ غیر اللہ کی طرف اس کو مطلقاً التفات نہ رہے
قال اللہ تعالیٰ قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ امام غزالی
رحمہ اللہ اس اسم کے ذیل میں فرماتے ہیں وَلَنْ يُوْصَفَ بِالسَّلَامِ وَالْاِسْلَامِ
اِلَّا مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ فَكَيْفَ يُوْصَفُ بِهٖ مَنْ لَمْ
يَسْلَمْ هُوَ مِنْ نَفْسِهٖ یعنے وصف سلام اور اسلام سے صرف وہی شخص موصوف
ہو سکتا ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ اور جس شخص کو اپنی
قید نفس سے رہائی نصیب نہیں ہوئی اسکو یہ مقام کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟

اَلْمُؤْمِنُ اس اسم شریف کے متعلق لغوی تحقیق یہ ہے۔ کہ یہ اسم مصدر ایمان
سے مشتق ہے جس کے معنے یا تو تصدیق کے ہیں قال اللہ تعالیٰ وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ
لَّنَا ای بمصدق لنا یا امان دینے کے جو خوف دلانے کا ضد ہے قال اللہ تعالیٰ

Marfat.com

وَآمَنَهُم مِنْ خَوْفٍ چنانچہ اکثر محققین نے ایمان کی اصل امان ہی قرار دی ہے ان ہر دو ماخذ کے سمجھ لینے پر اسم مومن کے معنے بھی ہر دو صورت میں تحقیق کرنا ضروری ہے سو جب ہم مومن کو بمعنے مصدق (التصدیق کنندہ) لیں۔ تو اس کی چند وجوہ قرار دی جا سکتی ہیں۔ اول یہ کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات مقدس کی وحدانیت کی بابت دی ہے اس لئے اس کا یہ خبر دینا بمنزلہ تصدیق کے سمجھا گیا اور یہ تصدیق عین ایمان ہے قال اللہ تعالیٰ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں پر معجزات ظاہر کئے ہیں۔ اور اظہار معجزہ اللہ تعالیٰ کے صفات افعال میں سے ہے۔ جس تصدیق خود اس نے بالفاظ محمد رسول اللہ اپنے کلام پاک میں فرمادی۔ اس سے تصدیق ذات باری عین ایمان ٹھہری

سوم اسم مومن کے بمعنے مصدق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ان وعدوں کی تصدیق کریگا۔ جو اس نے اہل ایمان کے لئے ارشاد فرمائے ہیں قال اللہ تعالیٰ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ یہ وعدہ عالم آخرت میں پورا ہوگا اور پھر فرمایا وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا یہ وعدہ عالم دنیا میں پورا ہو رہا ہے۔

چہارم اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کے متعلق وعدہ فرمایا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ چونکہ اللہ تعالیٰ اس وعدہ کی تصدیق فرماتا ہے۔ اس لئے مومن بمعنے مصدق قرار پایا۔

اور اگر اسم مومن کو بمعنی امان دہندہ قرار دیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دنیا کے مصائب اور عالم آخرت کے عذاب سے امان دینے والا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امان دینے سے مراد خوف کا

ا ہے اور خوف کا دور کرنا تب ہی متصور ہو سکتا ہے جبکہ خوف کا کوئی موقع متوقع
اور ایسا موقع کسی قسم کے نقصان یا ہلاکت کے وقت ہو سکتا ہے اور کچھ شک
ں۔ کہ نقصان یا ہلاکت کو دور کرنے والا بجز ذات باری کے اور کوئی موجود نہیں
امن دینے والا بھی فی الحقیقت بجز ذات باری کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس کو
ل میں یوں سمجھنا چاہئے۔ کہ نابینا آدمی بوجہ عدم بصارت اپنے ہلاک ہو جانے سے
ا رہتا ہے اور اگر اس کے پاس بصارت ہوتی تو اُسے ڈر نہ ہوتا اس سے معلوم
کہ بصارت نابینا کے حق میں خوف ہلاک کے دور ہو جانے کا ذریعہ تھا اسی طرح
ہاتھ آدمی ہاتھ نہ ہونے کی وجہ سے اپنے ہلاک ہو جانے کا ڈر رکھتا ہے۔ اگر اس کا
سالم ہوتا تو خوف ہلاک سے اس کو امان حاصل ہوتی علیٰ ہذا القیاس جمیع
س اور اعضاء کی نسبت ہم ایسا ہی خیال کر سکتے ہیں۔ چونکہ حواس اور اعضاء
الق وہی ذاتِ مقدس ہے اس لئے یہ ماننا پڑیگا۔ کہ اسی ذات مقدس نے
باب پیدا کر کے ہم کو خوف سے امان دی ہے اسی طرح ممکن ہے کہ کوئی شخص دل
اپنے دشمن سے خوف رکھتا ہے مگر ضعف کی وجہ سے حرکت نہیں کر سکتا اور اگر
ت کر سکتا ہو تو ممکن ہے کہ کوئی ہتھیار اپنے پاس نہ رکھتا ہو اور اگر ہتھیار بھی اس
پاس ہو تو ممکن ہے کہ تنہا دشمن کا مقابلہ نہ کر سکتا ہو اور اگر بالفرض اس
پاس سپاہ کی جمعیت بھی ہو۔ تو پھر بھی اسکو دشمن کے آنے کا خوف دامنگیر ہو گا اس
وہ اپنے معاونین کے مشورہ سے قلعہ اور خندق کا انتظام کرنے پر مجبور ہو تو ظاہر
کہ اس صورت میں وہ اپنی کوشش کے مطابق دشمن کے خوف سے امن
یگا۔ لہٰذا وہی ذات مقدس جس نے اسباب مذکورہ بالا کو پیدا کیا ہی امان
دہ قرار پائے گی اسی طرح بھوک پیاس۔ بیماری کے لئے اس نے اغذیہ اور
دیہ پیدا کر دی ہیں جن سے ہم ہلاکت سے امان پا جاتے ہیں۔ اب عالم آخرت کی متعلق

بھی اس ذات مقدس کا امان دہندہ ہونا ظاہر ہے کیونکہ بذریعہ دلائل و براہین کے اس نے حقیقت توحید کی وجہ ثبوت پر آگاہ فرمادیا ہے سو جو شخص معرفت توحید حاصل کر لیتا ہے۔ وہ عالم آخرت کے عذاب سے امن میں ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ارشاد ہوا ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حِصْنِیْ مَنْ دَخَلَ حِصْنِیْ اٰمِنَ مِنْ عَذَابِیْ یعنے توحید میرا قلعہ ہے جو شخص میرے قلعہ میں داخل ہوگا میرے عذاب سے امن پا جائیگا۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ امن و امان درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں لہذا حقیقی مومن وہی ذات مقدس ہو درس۔

فائدہ۔ اگر کوئی شخص یہ اعتراض پیش کرے کہ خوف بھی تو بجز اللہ تعالیٰ کے حقیقتہً کسی غیر کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ پس امن جو خوف کا ضد ہے اس کی طرف سے کیسے ہوگا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا امن دہندہ ہونا ہرگز اسکے خوف دہندہ ہونے کا مانع نہیں کیونکہ وہ معز بھی ہے۔ اور مذل بھی اور محیی بھی ہے اور ممیت بھی اعتبارات علیحدہ علیحدہ ہیں۔

تنبیہ انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ مخلوق خدا کے لئے ہر ایک طرح سے موجب امن و آسائش ہو جاتا ہے خواہ دنیا کی متعلق ہو جیسے کہ کسی مصیبت زدہ کی دستگیری اور امداد خواہ عالم آخرت کی بابت جیسے خلق اللہ کو تبلیغ شریعت کر کے عذاب سے بچانا جو انبیاء علیہم السلام کا فرض ہے اور علمائے امت ان کے وارثان کہلاتے ہیں۔

بعض آثار میں وارد ہوا ہے کہ قیامت کے دن ایک پکارنے والا پکاریگا کہ جو شخص کسی نبی کے نام سے ہمنام ہے جنت میں داخل ہو جائے چنانچہ یہ سنتے ہی ایسے لوگ داخل جنت ہو جائیں گے اور جو لوگ پیچھے رہینگے اللہ تعالیٰ ان سے پوچھیگا کہ تم لوگ کون ہو؟ وہ کہیں گے کہ ہم مومنین ہیں۔ مگر ہمارے نام

Marfat.com

کسی نبی کے نام سے ہمنام نہیں تب اللہ تعالے ارشاد فرمائیگا کہ میں بھی مومن ہوں اور تم بھی مومن ہو جاؤ میری رحمت سے داخل جنّت ہو جاؤ۔

اَلْمُهَيْمِنُ اس اسم کی تفسیر میں دو قول ہیں اول یہ کہ ابوزید بلخی اس لفظ کو غیر عربی قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید کے نزول سے پہلے اہل عرب میں اس کا استعمال نہیں تھا۔ بلکہ یہ سریانی لفظ ہے جس کے آخر میں حرف مدہ ہے۔ یعنی مُهَيْمِنا لکھکر بولتے ہیں۔ جیسا کہ اس زبان کا عام قاعدہ ہے اور اس کے معنی مومن صادق الایمان کے ہیں۔ مگر یہ مذہب صحیح نہیں دوم اہل کلام کا مذہب ہے۔ جو اس کو عربی الاصل مانتے ہیں۔ اور اس کی تفسیر میں چند وجوہ بیان کیا کرتے ہیں۔ اوّل یہ کہ مہیمن بمعنے شاہد کے ہے چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

اِنَّ الْكِتٰبَ مُهَيْمِنٌ لِنَبِيِّنَا — وَالْحَقُّ يَعْرِفُهٗ اُولُوا الْاَلْبَابِ

اس تفسیر کے رو سے اس اسم کی توجیہ یہ ہوگی کہ اللہ تعالے اپنے بندوں کے اقوال افعال کا شاہد ہے چنانچہ ارشاد فرمایا کُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا۔ سو مہیمن کے یہ معنے ہوئے کہ مہیمن وہ ذات ہے۔ جو تمام معلومات پر حاوی ہو اور زمین و آسمان میں کوئی چیز اس کے احاطہ علم سے خارج نہ ہو۔ دوم یہ کہ مُهَيْمِن در اصل مومن ہے ہمزہ کو ہاء سے بدلا گیا ہے۔ جیسے کہ اکثر الفاظ میں ایسا واقع ہوا ہے مثلاً هَيْهَاتَ ايهات وهيّاك واياك سوم خلیل بن احمد کا قول ہے کہ مہیمن بمعنے رقیب و حافظ کے ہے اہل عرب بولا کرتے ہیں هَيْمَنَ فُلَانٌ عَلٰى كَذَا اِذَا كَانَ مُحَافِظًا علیہ چہارم مبرد نحوی کہتا ہے کہ عرب لوگ اپنے محاورہ میں بولا کرتے ہیں قد هيمن الطائر یعنے پرندہ نے اپنے آشیانہ کے گرد اپنے بازو اور پر پھیر ائے۔ تاکہ اپنے چوزوں پر سے کسی چیز موجب اذیت کو دفع کرے اس لئے اس لفظ کے معنے شفیق و لسوز کے ہوئے پنجم حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

Marfat.com

کہ مہیمن کے معنے مصدق (تصدیق کنندہ) کے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالے انبیاء علیہم السلام کی بوجہ معجزات کے تصدیق کرتا ہے اس لئے وہ مہیمن ہے۔
ششم امام غزالی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ مہیمن اس ذات کا نام ہے۔ جو مجموع صفات ثلاثہ کی جامع ہو۔
(۱) علم کامل باحوال شے۔
(۲) قدرت کاملہ کسی شے کے مصالح کی بابت۔
(۳) ان مصالح کا بطریق دوام جاری رکھنا جس ذات میں یہ ہر سہ صفات موجود ہوں گے۔ وہ مہیمن کہلائے گی۔ سوایسی ذات صرف ذات باری ہی ہے بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ مہیمن کتب قدیمہ سماویہ میں ذات باری کا اسم ہے۔ حضرات مشائخ کرام لکھتے ہیں۔ کہ مہیمن وہ ذات ہے جو ظاہر و باطن پر آگاہ ہو۔ اور مخلوق کے شکر و شکایت کو سنے اور بلاؤ مصیبت دفع کرے۔
انسان کامل کو اس اسم سے یہ حظ حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے قلب کے خواطر کا پاسبان اور اصلاح حالات کا نگراں رہتا ہے جب اسے خود کامل ترقی ہو جاتی ہے تو لوگوں کے ظواہر و باطن پر آگاہ ہو کر ان کی اصلاح کیطرف متوجہ ہوتا ہے۔

اَلْعَزِیْزُ اللہ تعالے نے کتاب کریم میں صفت عزت کو اپنے لئے ثابت کیا ہے۔ قال اللہ تعالے سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ اور ابلیس سے حکایۃً ارشاد ہوا فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اور اس کے اشتقاق لغوی میں چند وجوہ بیان کیا کرتے ہیں۔ اول جبکہ عزیز کے معنے بے مثل و بے نظیر ہوں تو اس کا اشتقاق عَزَّ الشَّیْئُ یَعِزُّ سے ہو گا۔ جس کے معنے کسی چیز کے کمیاب ہونے کے ہیں جب کہ اس کی تلاش کی جائے عرب

والے بولا کرتے ہیں عَزَّ الطَّعَامُ فِی الْبَلَدِ جب کہ سامان معیشت شہر میں نہ مل سکے۔ سو جب مخلوق بوجہ نایاب ہونے کے عزیز کہلا سکتا ہے۔ تو ذات باری جس کا مثل عقلاً محال ہے بدرجہ اولی عزیز کہلانیکی مستحق ہے۔

دوم عزیز بمعنے غالب۔ اس صورت میں عَزَّ یَعِزُّ سے مشتق ہوگا جس کے معنے غَلَبَ یَغْلِبُ کے ہیں۔ قال اللہ تعالے وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ اَیْ غَلَبَنِیْ اہل عرب بولا کرتے ہیں مَنْ عَزَّ بَزَّ اَیْ مَنْ غَلَبَ سَلَبَ سو جب ایک عاجز مخلوق اپنے حریف پر غالب آکر عزیز کہلا سکتا ہے۔ تو ذات باری سبحانہ و تعالے جو کبھی مغلوب نہیں ہوتی بدرجہ اولے عزیز کہلانے کی مستحق ہوگی۔

سوم عزیز بمعنے شدید قوی اس صورت میں عَزَّ یَعَزُّ سے مشتق ہوگا۔ جس کے معنے شدید و قوی ہونے کے ہیں۔ قال اللہ تعالے فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ یعنے ہم نے تیسرا رسول بھیج کر پہلے دو کو تقویت بخشی سو جب ایک عاجز مخلوق کو بلحاظ اس کی شدت و قوت کے عزیز کہہ سکتے ہیں۔ تو ذات باری جو عجز سے بالاتر ہے۔ بدرجۂ اولے عزیز ہوگی۔

چہارم عزیز بمعنے مُعِزّ جیسے اَلِیْم بمعنے مُؤلِم اور وجیع بمعنے موجع۔ اسلئے عزیز کے معنے ہوئے عزت دہندہ۔

واضح ہو کہ معنے اول کے رو سے اس اسم سے مفہوم تنزیہ ظاہر ہوتا ہے اور معنے ثانی اور ثالث کے رو سے عزیز منجملہ صفات ذات کے ہوگا اور معنے رابع کے رو سے منجملہ صفات فعل کے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ عزیز وہ ذات ہے جس کا مثل کمیاب ہو۔ اور اسی کی طرف بغایت احتیاج ہو اور اس تک رسائی دشوار ہو۔ یہ ہر سہ صفات مجموعی طور پر جب تک کسی موجود میں جمع نہ ہوں۔ عزیز

نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ کئی ایک ایسی اشیاء بھی ہوتی ہیں۔ جو کمیاب تو ہوتی ہیں مگر ان کی طرف احتیاج نہیں پڑتی۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کا شمل نہیں ہوتا۔ اور اس کی طرف سخت احتیاج ہوتی ہے مگر اس تک رسائی دشوار ہوتی ہے ایسی شے کو بھی عزیز نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً آفتاب اور جب یہ ہرسہ جمع ہو جائیں تو وہ شے عزیز کہلائے گی اور ان ہرسہ معانی میں کمال و نقصان کا اعتبار جاری ہو سکتا ہے چنانچہ کمیاب ہونے میں کمال یہ ہے کہ کوئی شے صرف ایک ہی ہو اور اس کا شمل محالات سے ہو اس صفت کا موجود بجز ذات باری کے اور کوئی نہیں کیونکہ آفتاب کا شمل محال نہیں بلکہ ممکن ہے کیونکہ وہ مخلوق ہے۔ اور کسی چیز کا نافع ہونے میں کمال یہ ہے کہ وہ تمام منافع کی منبع ہو اور یہ وصف بھی بجز ذات باری کے کسی موجود پر صادق نہیں آتی۔ کیونکہ وہ تمام موجودات کا عدم سے وجود میں لانے والا ہے اور ہر ایک شے اپنے وجود اور صفات اور بقا میں اس کی محتاج ہے اور عدم وصول میں کمال کسی شے کا یہ ہے کہ کسی چیز کو اس پر قدرت پانے کا موقع نہ مل سکے اور وہ خود تمام اشیاء پر قادر ہو۔ اور اس وصف کا موجود بھی بجز ذات حق سبحانہ و تعالیٰ کے کوئی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ ہر ایک طرح سے انسانی دائرہ عقول سے بالاتر ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عزیز مطلق بجز ذات باری عزاسمہ کے کوئی موجود نہیں ہو سکتا۔ امام ممدوح کی یہ تشریح واقعی قابل قدر ہے۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ خلقت اس کی طرف حیات اخروی اور سعادت ابدی حاصل کرنے کے لئے محتاج ہوں اور یہ رتبہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا ہے اور ان کے بعد ان کے قدم بقدم چلنے والے خلفاء راشدین کا اور پھر علماء امت کا بعدہ ان سلاطین کا جو شریعت محمدی کے

Marfat.com

مطابق سیاست کرتے ہوں۔

فائدہ۔ اس اسم کی تفسیر میں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ جس قدر کسی شخص کو دین میں درجۂ عالی حاصل ہوگا۔ اسی قدر وہ زیادہ قابلِ عزت ہوگا اور جس قدر وہ عزت دینی سے بہرہ ور ہوگا۔ اسی قدر اس کا شغل کیاب ہوگا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ یعنے عزت صرف اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کے لئے ہے۔ حضرات مشائخ کرام لکھتے ہیں۔ کہ حقیقی عزت یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالےٰ کی عزت وعظمت کے سامنے بندہ کے نزدیک ہر ایک عزت و عظمت حقیر ہو جائے اور اس کے ذکر کے سوا تمام اذکار دل سے مرتفع ہو جائیں۔ کیونکہ جب اللہ تعالےٰ کے جلال و جبروت کا بندہ کو علم ہو جاتا ہے۔ تو تمام مخلوقات نظر سے گر جاتی ہے ایک حدیث میں وارد ہوا ہے مَنْ تَوَاضَعَ لِغَنِيٍّ لِغِنَاهُ ذَهَبَ ثُلُثَا دِيْنِهٖ یعنے جو شخص کسی غنی آدمی کی غنا ر مالداری) کی وجہ سے اس کی تعظیم کرتا ہے۔ اس کا دو تہائی دین زائل ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ایمان تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ معرفت بالقلب۔ اقرار باللسان۔ عمل بالارکان سو جب زبان اور ہاتھ پاؤں سے تعظیم کسی غنی کی کرے گا۔ تو دو تہائی ایمان زائل ہو جاوے گا اور اگر قلب سے بھی معتقد ہوگا۔ تو سب کا سب زائل ہو جاوے گا بعض علماء نے لکھا ہے کہ عزیز وہ ذات ہے۔ کہ جس کو کوئی طالب نہ پا سکے۔ اور نہ کوئی ہارب اس سے اپنے تئیں بچا سکے۔

حکایت

کہتے ہیں۔ کہ ایک شخص نے خلیفہ ہارون رشید کو کسی نیکی کے کرنے کی ہدایت کی۔ خلیفہ سخت ناراض ہوا اور حکم دیا کہ اس کو سرکش اور گستاخ گھوڑے کی

دم سے باندھ کر مروا دیا جاوے۔ ملازمانِ شاہی نے فی الفور حکم کی تعمیل کی۔ مگر اس شخص کو کوئی ضرر نہ پہنچا۔ خلیفہ نے حکم دیا۔ کہ اس کو ایک مکان میں بند کر کے دروازہ کو چن دیا جائے۔ ملازموں نے ایسا ہی کیا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص ایک باغ میں ٹہلتا ہؤا نظر آیا۔ جب اُسے خلیفہ کے پاس لائے تو اس نے سوال کیا۔ کہ تم کو باغ میں کس نے داخل کیا۔ درویش نے جواب دیا۔ کہ جس نے مجھے اس تنگ و تاریک گھر سے باہر نکالا۔ خلیفہ یہ سنکر حیران رہگیا۔ اور حکم دیا کہ اس شخص کو سوار کر کے شہر میں اعلان کر دو کہ ہارون نے اس شخص کو ذلیل کرنا چاہا۔ مگر اللہ تعالےٰ نے اس کو عزت بخشی اور ہارون ناکام رہا۔

اس موقع پر اس امر کو بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ کئی ایک الفاظ نصوص قرآنیہ میں ایسے واقع ہوئے ہیں۔ جو لفظاً مشترک طور پر اللہ تعالےٰ اور اس کے بندوں پہ بولے گئے ہیں۔ مگر ان کے معانی میں وہی نسبت ہے جو اللہ تعالےٰ اور اس کے بندوں میں مثلاً قرآن مجید میں وارد ہؤا ہے لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ اس آیت میں عزت کا لفظ اللہ تعالےٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان کی نسبت بولا گیا ہے۔ مگر تینوں کی حقیقت ایک نہیں اللہ تعالےٰ کی عزت بلحاظ اس کے خالق حقیقی ہونے کے ہے اور جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت بلحاظ آپ کے نبی اللہ ہونے کے ہے اور چونکہ حضور علیہ السلام افضل الانبیاء ہیں۔ اس لئے آپ کی عزت کا مقام بھی تمام انبیاء علیہم السلام سے بالاتر ہے اور اہل ایمان کی عزت بلحاظ ان کے کمال ایمانی کے ہے۔ اور اس لئے اہل ایمان کو وہ کمالات روحانیہ حاصل ہوتے ہیں۔ جو لوازم ایمان ہیں اور چونکہ انسان کامل مظہر صفات ذات باری ہوتا ہے اس لئے اس کی عزت بطور معلول ہونے کے تمام کمالات ذات باری کا نقشہ ہوتی ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے

کہ ذات باری خالق ہے۔ انسان بھی بطور معلول خالق ہو سکتا ہے مثلاً مسیح علیہ السلام کی نسبت فرمایا تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ۔ چونکہ انسان کامل بذاتہ خالق نہیں ہو سکتا اس لئے بِاِذْنِیْ کا لفظ ارشاد فرمایا تاکہ ایک مخلوق پر خالق حقیقی ہونے کا گمان نہ پیدا ہو۔ اسی طرح ہر ایک فعل کی نسبت بندہ کی طرف ہو سکتی ہے مگر بطور معلول کے نہ بطور علت کے خلاصہ یہ ہے کہ انسان کامل خالق۔ محیی۔ ممیت۔ معز۔ مذل۔ جبار۔ غفار۔ رحمن و رحیم سب کچھ ہو سکتا ہے۔ مگر یہ صفات اس کو بذاتہ حاصل نہیں بلکہ بطور انعام ذات باری کے جبکہ وہ مظہر کامل ہو جاتا ہے۔ لہذا بعض کوتاہ اندیشوں کا یہ اعتراض کہ کسی نبی یا ولی کو یہ طاقت نہیں کہ وہ کسی کی امداد کرسکے یا کسی قسم کا فیض روحانی پہنچا سکے بالکل ساقط الاعتبار ہے۔ نبی یا ولی یا یوں کہو کہ انسان کامل محض بطور سبب اسی طرح وسیلہ ہوا کرتے ہیں جس طرح دنیا کے دیگر امور میں اسباب متعارفہ کام دے سکتے ہیں نبی یا ولی بجائے خود کچھ نہیں کرسکتے اور انہیں خدائی امور میں کچھ دخل نہیں۔ لیکن ان کا سبب بننا کسی وجہ سے منافی توحید نہیں ہو سکتا اور نہ کسی قسم کی بدعت یا شرک کا موجب ہے۔ طبیب کو اور دوا کو بطور سبب ازالہ مرض میں وسیلہ بنایا جاتا ہے۔ مگر ارواح طیبہ کو خواہ وہ اس زندگی میں ہوں یا عالم برزخ میں اس وصف سے عاری خیال کیا جاتا ہے مسئلہ شفاعت کی حقیقت میں غور کرو تو معلوم ہوگا کہ وہ بجز توسل کے اور کچھ حقیقت نہیں رکھتا معہذا اکابر مشائخ کرام کا بالاتفاق اس امر پر متفق اللفظ ہونا منکرین کے خیال کو رد کر رہا ہے اور زیادہ حیرت تو اسی امر سے پیدا ہوتی ہے کہ کوئی نص آیت یا حدیث اس مسئلہ کے برخلاف نہیں اور جن آیات کو عبادت غیر اللہ کے منع میں پیش کیا جاتا ہے۔ وہ ہرگز اس مسئلہ کی اصلیت کو باطل نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ مسئلہ زیر بحث آیات مذکورہ بالا کے عموم مفہوم میں ہرگز داخل نہیں حضرت عمرؓ

Marfat.com

بن خطاب کا طلب باراں کے لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے متوسل ہونا کافی دلیل ہے۔ جواز استمداد و توسل پر رہا یہ امر کہ بعد از مرگ بھی ایسا جائز ہے یا نہیں۔ سو خصم کو اس کے منع پر کوئی دلیل قائم کرنی چاہئے۔ ہم اس مسئلہ کو اور بھی زیادہ دلائل سے مضبوط کرتے مگر یہ مقام اس طوالت کا مقتضی نہیں اور ہمیں یقین ہے کہ منکر جو باب روحانیت سے بالکل ناآشنا ہے ہر ایک حجت کو کسی نہ کسی تاویل باطل سے ٹال دیگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ایسے امور کا اعتقاد زیادہ تر مناسبت فطری پر موقوف ہے۔ جس سے خصم بے بہرہ ہے۔ بایںہمہ ہمارا یہ خیال بھی قابل وقعت ہے کہ عوام الناس اس استمداد و توسل کی حقیقت سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں۔ اس لئے انہیں رجوع الی اللہ کی بجائے نبی یا ولی پر اعتماد ہو جاتا ہے اور یہ واقعی ہولناک امر ہے۔ لہذا انہیں روکنا ضروری ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندوں میں سے عزیز وہ شخص ہے جس کی طرف لوگ سعادت اخروی کے حاصل کرنے کے لئے رجوع کریں اور ایسے اشخاص قلیل الوجود ہوتے ہیں۔ اور یہ رتبہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان بزرگواران دین کا ہے۔ جو قدم بقدم انبیاء علیہم السلام کے چلے ہوں مثلاً خلفائے راشدین اور علمائے مجتہدین رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اَلْجَبَّارُ اس اسم کے متعلق چند وجوہ قابل ذکر ہیں۔ (۱) جبار ایسی بلند چیز کو کہتے ہیں جس تک رسائی ناممکن ہے عرب بولا کرتے ہیں۔ نَخْلَةٌ جَبَّارَةٌ (کھجور کا وہ درخت جو بہت اونچا ہو) نَاقَةٌ جَبَّارَةٌ اور فَرَسٌ جَبَّارٌ (مضبوط اور قوی ناقہ یا گھوڑا) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ یعنی عظماء اس آیت میں جبارین سے وہ لوگ مراد ہیں جو قوم عاد کے بقایا تھے اور سخت سرکشی کیا کرتے۔ رَجُلٌ جَبَّارٌ ایسے شخص کو بولتے ہیں جو بڑا متکبر اور غیر متواضع ہو اور

کسی کی اطاعت نہ کرے۔

ذات باری کے حق میں اس اسم کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ ایک ایسی ذات ہے جو عقول وافکار کی رسائی سے بالاتر ہے عقلاء اور علماء اس کی کنہ ذات کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔

(ب) جبّار کے معنے مُصلح امور کے ہیں عرب بولتے ہیں جَبَرْتُ الْکَسِیر یعنی میں نے ٹوٹی ہوئی ہڈی کو باندھا جَبَرْتُ الْفَقِیْر یعنی میں نے فقیر کی حاجت کو پورا کیا۔ دعاء میں بولتے ہیں یَا جَابِرَ کُلِّ کَسِیْرٍ مگر لفظ جابر ذات باری کے لئے باضافت مستعمل ہوتا ہے اور جبّار صیغہ مبالغہ ہے جس کے معنے ہیں بڑا اصلاح کنندہ عرب کا مشہور شاعر عجاج کہتا ہے ؎

قَدْ جَبَرَ الدِّیْنَ الْاِلٰہُ فَجَبَرْ

یعنی اَصْلَحَہٗ فَصَلَحَ۔ اس لئے صحیح طور پر اصلاح کنندہ بجز ذات باری کے اور کوئی موجود نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہی امور کی اصلاح اور انتظام اور مشکل کو آسان کرتا ہے اس توجیہ کے رو سے جبّار منجملہ صفات افعال کے ہوگا۔

(ج) عرب بولتے ہیں جَبَرَہٗ عَلٰی کَذَا اَکْرَھَہٗ یعنی جبر کے معنے کسی کو اپنے حسب ارادہ کسی امر پر مجبور کرنے کے ہیں مثلاً جَبَرَ السُّلْطَانُ فُلَانًا عَلٰی کَذَا یعنی بادشاہ نے فلاں شخص کو اپنے ارادہ کے مطابق کسی امر پر مجبور کیا۔ اس لئے ذات باری کے متعلق اس اسم کی توجیہ یہ ہوگی کہ جبّار وہ ذات ہے جو اپنے ارادہ پر مخلوقات کو مجبور کرتی ہے خواہ مخلوق اس کو چاہے یا نہ چاہے اور یہی معنے ذات باری کے متعلق صحیح ہو سکتے ہیں کیونکہ سلسلۂ کائنات میں بجز اس کے ارادہ کے کوئی چیز موثر نہیں وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے نہ کچھ اور

[1] جَبَرَ لازم ومتعدی آتا ہے ۱۲ منہ

اس ہٹنے کے رد سے بجلی جبار منجملہ صفات افعال کے ہے۔

یہاں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ جبروت اور تکبر تو مخلوق کے حق میں صفات مذمومہ میں سے سمجھے گئے ہیں۔ ذات باری کے حق میں کیسے محمود ہوسکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالےٰ کی جباریت کے یہ معنٰی ہیں کہ وہ اپنے جبروت سے بڑے بڑے سرکشوں کو مقہور کرتا ہے اور اپنی عظمت سے ان کو مغلوب کرکے ذلیل بنا دیتا ہے وہ آمر ہے مامور نہیں وہ قاہر ہے مقہور نہیں اس کی وصف ہے لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ یعنی جو کچھ وہ کرتا ہے اس کی بات پوچھا نہیں جا سکتا اور مخلوقات کو یہ نسب حاصل نہیں۔ کیونکہ مخلوقات صفات نقص سے موصوف ہے عاجز ہے اور مقہور۔ ایک ناچیز مکھی اور مچھر انہیں تنگ کر سکتے ہیں اور بھوک پیاس کی مصیبت انہیں مغلوب بنا دیتی ہے اس لئے جبروت وتکبر مخلوق عاجز کی شایان شان نہیں۔ حضرات مشائخ لکھتے ہیں۔ کہ جبار وہ ذات ہے جو وہم اور فہم سے بالاتر ہو۔ بعض یوں لکھتے ہیں۔ کہ جبار وہ ذات ہے جو فہم سے بالاتر ہو۔ اور زمانہ اُس کا نالق نہ ہو۔ بعض لکھتے ہیں کہ جبار وہ ذات ہے جو اشیاء کی اصلاح بلاکسی چارہ جوئی کے کرے اور دوسروں کو طاعت کا حکم دے۔ اور وہ اس حکم میں کچھ احتیاج نہ رکھتا ہو۔ امام غزالی قدس اللہ روحہ لکھتے ہیں۔ کہ بندوں میں سے جبار وہ شخص ہوسکتا ہے جو اتباع کے دائرہ سے نکل کر اس قابل ہو گیا ہو کہ دوسرے لوگ اس کا اتباع کرنے لگیں۔ اور اس کی علامت یہ ہے کہ حُب مال وجاہ کی قید سے رہائی پا گیا ہو۔ کیونکہ مال وجاہ کا محب درحقیقت اللہ تعالےٰ کا طالب نہیں ہوسکتا۔ مگر جو قوی النفس اور عظیم الہمت ہو کر محبت مال وجاہ سے نکل گیا ہو وہ ماسوی اللہ کیطرف کبھی توجہ تک نہیں کرتا دیکھو اللہ تعالےٰ حضور علیہ السلام کی شان میں ارشاد فرماتا ہے مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى۔

Marfat.com

اَلْمُتَكَبِّرُ اس اسم کی تفسیر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت اعلیٰ طریق پر لکھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ متکبر وہ ہے جو اپنی ذات کی نسبت دوسروں کو حقیر جانتا ہو اس لئے وہ عظمت و کبریاء کو اپنا حق سمجھتا ہے اور دوسروں کو اس نظر سے دیکھتا ہے جس سے ملوک و سلاطین اپنے حواشی اور خدام کو دیکھا کرتے ہیں۔ اگر ایسی نظر نفس الامر پر مبنی ہو تو وصف تکبر اسی کے لئے صحیح ہے اور وہ ذات اس وصف میں محبوب سمجھی جائے گی۔ مگر اس تفسیر کے رو سے کوئی ذات بجز ذات باری کے اس وصف کی مستحق نہیں اور اگر ایسی نظر نفس الامر یا حقیقت پر مبنی نہ ہو بلکہ محض باطل ہو تو اس ذات کے لئے صفت تکبر صحیح نہیں بلکہ مذموم ہے۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظَمَةُ اِزَارِيْ مَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِنْهُمَا قَذَفْتُهُ فِي النَّارِ یعنی تکبر میری چادر ہے اور بزرگی میرا ازار ہے جو شخص ان ہر دو میں سے کسی کی بابت میرا شریک بننا چاہیگا تو میں اُسے جہنم میں جھونک دوں گا اس سے معلوم ہوا کہ تکبر ذات باری کے حق میں تو وصف مدح ہے اور غیر کے حق میں موجب نقص و عیب۔ مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تکبر مشتق ہے کبریاء سے جس سے مراد بادشاہت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وتکون لکما الکبریاء فی الارض اس آیت میں کبریاء سے بادشاہت مراد ہے اس لئے اور کبریاء و تکبر اسی ذات کا حق ہے جس کی سلطنت بے زوال ہے اور اس میں وہی جاری ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے سو ایسی ذات وہی مقدس ذات باری ہے جو واحد قہار ہے۔ زجاج نحوی کہتے ہیں کہ ذات باری کی [illegible] وہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے سے برتر ہے کیونکہ [illegible] سے ماخوذ ہے۔

واضح ہو کہ یہ توجیہات محض تکلف بارد ہیں صحیح وہی معنے ہیں جو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمادئے ہیں۔

Marfat.com

یہاں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ صیغہ متکبر صرفی وزن کے رو سے باب تفعل کا صیغہ ہے جس کی بناء کسی امر تو تکلف کے ساتھ کرنے پر مبنی ہے یعنی کسی ایسے امر کو کرنا جس کا کرنے والا مستحق نہیں ہوتا اس لئے ذات باری کی نسبت صیغہ متکبر کا استعمال صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر یہ وصف اس کے لئے ثابت ہے تو تکلف نہ ہوگا اور اگر ثابت نہیں تو اس کی نسبت اس کی طرف درست نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ باب تفعل غیر تکلف کے لئے بھی مستعمل ہے مثلاً تظلم کے معنے اظہار ظلم کے ہیں نہ بہ تکلف ظلم کرنے کے کبھی تظلم کے معنے زیادتی ظلم کے بھی آتے ہیں۔
بعض محققین نے اس کا یہ بھی جواب دیا ہے کہ متکبر کے معنے ہیں الذی یحاول اظہار الکبر و یبالغ فی ذالک الاظہار یعنی متکبر وہ ذات ہے جو اپنی بڑائی کا اظہار کامل طور پر کرے پھر اگر یہ وصف اوس میں ثابت ہوگی تو اس کے لئے موجب مدح ہے اور اگر اظہار میں کاذب ہو تو اس کے لئے باعث مذمت سمجھی جائیگی یہ جواب واقعی متین ہے بعض حضرات مشائخ نے لکھا ہے کہ متکبر وہ ذات ہے جو بڑائی اور بادشاہت میں یگانہ اور بندگی اور غلبہ میں منفرد ہو اور بعض فرماتے ہیں کہ متکبر وہ ذات ہے جس کے ہاتھ میں احسان ہو اور غفران کا مالک ہو بعض لکھتے ہیں۔ کہ متکبر وہ ذات ہے جس کی سلطنت میں زوال اور اس کی عظمت میں تغیر ناممکن ہو۔

انسان کامل کے حق میں متکبر ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے بالکل اپنی التفات کو ہٹالے اور ذات حق کو حق کی نیت پر اپنا معبود بنائے۔ نہ کسی دنیوی یا اخروی غرض کے لئے یہ حظ ہے انسان کامل کا اس اسم سے

اَلْخَالِقُ یہ اسم مصدر خلق سے مشتق ہے۔ جس کے معنے لغت میں ایجاد اور ابداع اور عدم سے وجود کی طرف لانے کے ہیں۔ اور نیز بمعنے تقدیر (اندازہ کردن) کے مستعمل ہے۔ دیکھو اللہ تعالٰے ارشاد فرماتا ہے فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ

Marfat.com

اس آیت میں خلق بمعنے تقدیر ہے کیونکہ دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے یہ امر ثابت ہے کہ خالق (عدم سے وجود لانے والا) بجز ذات باری کے کوئی موجود نہیں ہوسکتا اگر ہم اس آیت میں خلق بمعنے تقدیر نہ لیں تو تعدد خالق لازم آئیگا اور پھر ایک دوسری آیت میں فرمایا ان مثل عیسٰی [illegible] آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون ظاہر ہے کہ اس آیت میں کن فیکون بمعنے ایجاد و ابداع ہے کیونکہ جملہ خلقہ من تراب سے مقدم واقع ہوا ہے اگر اس میں بھی خلق بمعنے ایجاد و ابداع ہو تو تکرار اور حشو لازم آئیگا لیکن اگر بمعنے تقدیر لیں تو معنے صاف ہوجاتے ہیں کیونکہ فعل تقدیر ایجاد و ابداع سے مقدم ہوا کرتا ہے اور اسی معنے کی تائید ہے آیہ الا لہ الخلق والامر میں کیونکہ اس میں بھی امر بمعنے کن فیکون ہے اور آیہ اذ تخلق من الطین میں بھی خلق بمعنے تقدیر و تصویر ہے ورنہ بمعنے ایجاد و ابداع صحیح نہیں۔ اہل عرب اپنے محاورہ میں بولتے ہیں خلق الادیم جب کفش دوز جوتا بنانے وقت چمڑہ کو ایک خاص پیمانہ پر کاٹتا ہے قال الشاعر ؎

ولانت تفری ما خلقت و بعض القوم یخلق ثم لا یفری[1]

اس تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ خلق بمعنے تقدیر مستعمل [illegible] معنے ہر کسی چیز کا ایک مقدار معین پر واقع کرنا۔

اسی طرح خلق بمعنے ایجاد و ابداع مستعمل ہے [illegible]

اول خلق نعیدہ میں خلق بمعنے ایجاد [illegible]

---

[1] شاعر مدح کرتا ہے کہ تو جس چیز کا [illegible] اور بعض لوگ اندازہ تو کاٹتے ہیں مگر [illegible]

Marfat.com

هٰذا خلق الله فارونی ما ذا خلق الذین من دونه میں بھی
خلق بمعنے ایجاد مستعمل ہوا ہے کیونکہ بر سبیل انکار وارد کرنا اس امر پر
صریح دلیل ہے کہ بجز ذات باری کے کوئی موجود خالق نہیں ہو سکتا آیہ
ھو الله الخالق البارئ المصوّر میں غور کرو کہ کس حسن ترتیب کیساتھ
اسماء کو منتظم کیا ہے اسم جلالت کو مقدم ذکر کیا اور بعد ازاں خالق ۔
باری ۔ مصور کو بہ ترتیب ذکر کیا ہے کیونکہ خالق بمعنے مقدر کا مفہوم
علم کی طرف رجوع کرتا ہے اور باری کا عدم سے وجود میں لانے کی
طرف اور مصور کا عوارض از قسم لون ۔ شکل وضع کی طرف ۔ ان اسماء
اور ان کی ترتیب میں غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ ذات باری ہی مادہ
اور عوارض کو عدم سے وجود میں لانے والی ہے اس لئے بعض حکماء
کا یہ مذہب کہ مادہ قدیم ہے اور ذات باری صرف منصرف ہے
بالکل مردود ہو گیا ۔ ان ہر سہ اسماء کی حسن ترتیب کے سمجھنے کیلئے
کیفیت خلق انسان میں غور کرو کہ اللہ تعالےٰ نے جب انسان کو
صاحب عقل و فہم اور مخاطب مکلف پیدا کرنا چاہا تو ضروری تھا کہ
پہلے علم کامل سے اس کی ترکیب مخصوص اور اعضاء ضروریہ کو
مقرر کرتا اور جب یہ مرحلہ پورا ہوا تو اس کو وجود ظاہری میں لانے
کیلئے مادہ معینہ کی ضرورت داعی ہوئی جس سے اجسام وجود پذیر
ہوئے اور چونکہ ان اجسام کے لئے صورت اور ہیئت مخصوصہ کی
ضرورت تھی جس کو مزاج و قویٰ کی شکل میں ظاہر کیا اس لئے
اس مرتبہ ترتیب کو اس کے ساتھ مخصوص کر دیا پس وہ ذات اقدس
چونکہ اسی نے اپنے علم کامل سے اشیاء کو مقدار مخصوصہ

Marfat.com

مناسبہ میں مقدر کیا اور وہ باری ہے کیونکہ اجسام کو عدم سے وجود میں لایا اور وہ مصوّر ہے کیونکہ اس نے مزاج اور قویٰ کی ترکیب کو اجسام سے تعلق دیا اسی کیفیت خلق کے ساتھ عالم کائنات کی ایک ایک چیز پر نگاہ کرو تاکہ تم اس ذات اقدس کے لاتناہی اسرار حِکَم کا مشاہدہ کر کے اس کے وحدہ لاشریک اور کامل الصفات ہونیکا یقین حاصل کر سکو۔

البارئ عام طور پر اس اسم کے معنے خالق کے کیا کرتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں گذشتہ سطور میں واضح ہو چکا ہے کہ خلق بمعنے ایجاد و ابداع کے مستعمل ہے اگر اس اسم کا مفہوم بھی وہی خالق کا مفہوم ہو تو کلام الٰہی میں حشو لازم آئیگا کما مرّ اور خود ہر دو اسم کی بناوٹ کا بالکل علیٰحدہ ہونا ہر دو کے مفہوم میں کسی امتیاز کو چاہتا ہے۔ علمائے عربیت اس اشکال کے رفع کرنے میں مختلف اقوال پیش کئے ہیں چنانچہ ان میں سے تین مشہور قول حسب ذیل ہیں۔

(۱) باری بمعنے موجد و مبدع یقال بَرَأَ اللّٰہُ الخَلْقَ (اللہ تعالیٰ نے خلقت کو پیدا کیا) چنانچہ بریّۃ خلقت یا موجودات کو بولتے ہیں فعیلۃ بمعنے مفعولۃ ہے اور اس کی اصل مہموز اللام ہے مگر استعمال ہمزہ کو حذف کر دیا کرتے ہیں ابو عبیدہ ہروی کہتے ہیں کہ [illegible] پانچ الفاظ ہیں ہمزہ کو حذف کر کے استعمال ہیں [illegible] یہ ہیں بریّۃ - روبۃ - خابیۃ - نبوۃ - [illegible] خالق اور باری میں کچھ فرق نہیں۔

(ب) باری مشتق ہے بَرْءٌ یا بریٌ سے [illegible]

Marfat.com

بری وت السہم وبریت السہم یعنی میں نے تیر کو تراشا یا قطع کیا یا درست کیا اس صورت میں باری کے معنے ہونگے ایسی ذات جس نے بعض اشیاء کو بعض سے جدا کیا۔ بعض اہل عربیت نے اس کو بری من المرض سے مشتق کیا ہے اور نیز اہل عرب بولتے ہیں برء الرجل من امرأتہ جب کہ وہ اپنی عورت سے قطع تعلق کرے اس صورت میں بھی مذکورہ بالا توجیہ صحیح ہو سکتی ہے۔

(ج) باری مشتق ہے بری بروزن رحی سے جس کے معنے خاک کے ہیں ابن درید کا یہی مذہب ہے اہل عرب بولتے ہیں بفیہ التراب یعنی خاک بدہن۔ اس توجیہ کے مطابق خالق کے معنے ہونگے وہ ذات جس نے انسان کو عدم سے وجود بخشا اور باری وہ ذات جس نے اس کو خاک سے مرکب کیا کما قال اللہ تعالےٰ منہا خلقناکم وفیہا نعیدکم۔ اہل لغت لکھتے ہیں کہ لفظ باری کا استعمال دیگر اشیاء کی نسبت حیوان کے پیدا کرنے کے ساتھ زیادہ خصوصیت رکھتا ہے چنانچہ برأ اللہ الانسان توصحیح ہے مگر برأ اللہ السماء والارض صحیح نہیں یہی وجہ ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ قسم کے موقعہ پر اکثر یوں فرمایا کرتے والذی خلق الحبۃ وبرأ النسمۃ یعنی اس ذات کی قسم ہے جس نے دانہ کو پھاڑا اور جان کو پیدا کیا۔ اس سے ابن درید کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں فہو باعتبار تقدیر ہذہ الامور وباعتبار الایجاد علی وفق التقدیر خالق وباعتبار مجرد الایجاد والاخراج من العدم الی الوجود بارئ والایجاد المجرد شیئ و

الایجاد علی وفق التقدیر شیئ آخر یعنی خالق کا مفہوم ایک ایسی ذات ہے جو کسی شئے کو تقدیر معین کے مطابق وجود میں لائے اور باری صرف عدم سے وجود میں لانے والی ذات کو بولتے ہیں۔

المصور - اسم مصور کے متعلق صرف یہی کافی ہے کہ یہ لفظ صورت سے مشتق ہے جس کی توجیہ میں دو قول ہیں اول یہ کہ صار یصور سے مشتق ہے جس کے معنے اِمالہ (جھکانے) کے ہیں دوم یہ کہ صار یصیر سے مشتق ہے۔ کچھ مادہ اور صورت دو مفہوم علیٰحدہ علیحدہ ہیں کیونکہ مادہ سے جسم کا وہ جزء مراد ہے جس سے وہ جسم ممکن الحصول ہوتا ہے اور صورت سے وہ جزء جس سے وہ جسم بالفعل موجود ہو جاتا ہے یعنی صورت کسی شئے کے جزء اخیر کا نام ہے جس سے وہ وجود پذیر ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہر سہ اسما کی ترتیب میں اس کو اخیر رکھا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کے اجسام کو مختلف صورتیں دی ہیں یہ تمام صورتیں صُور نوعیہ کہلاتی ہیں۔ انسان کی صورت نوعی تمام اشیاء کی صور نوعیہ سے اشرف و اقوم ہے قال اللہ تعالےٰ وصورکم فاحسن صورکم۔ حضرات مشائخ نے لکھا ہے کہ خالق وہ ذات ہے جس نے اشیاء عالم کو بلا مشیر پیدا کیا اور بعض نے لکھا ہے کہ خالق وہ ذات ہے جس نے موجودات کو اپنی قدرت کاملہ سے وجود بخشا اور اپنے ارادہ سے ہر ایک چیز کا اندازہ مقرر کیا بعض لکھتے ہیں کہ خالق وہ ذات ہے جس نے مخلوقات کو بلا سبب و علت پیدا کیا۔ اور ان کو بغیر جلب منفعت اور دفع مضرت کے وجود عطا فرمایا۔ اسم باری کے متعلق حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو یہ یقین ہو کہ وہی

Marfat.com

ذات اقدس باری ہے تو اس کے قلب پر حوادث کا اثر نہیں ہوتا بعض لکھتے ہیں کہ اس یقین کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ عارف اپنی قوت وسطوت سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور اپنی عبودیت اور طاعت کو نظر سے ساقط کر دیتا ہے اور اظہار احسان نہیں کرتا۔ اسی طرح اسم مصور کی نسبت یوں فرماتے ہیں کہ مصور وہ ذات ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں یوں آیا ہے الذی خلقک فسوٰک فی ای صورۃ ماشاء رکبک۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح اللہ تعالےٰ نے ظواہر کو صورت حسنہ سے مزین فرمایا ہے اسی طرح بواطن کو سیرت حسنہ سے زینت بخشی ہے قال اللہ تعالےٰ انک لعلی خلق عظیم۔

انسان کامل کو ان اسماء سے یہ بہرہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ معرفت حقائق سے قوت نظری کی تکمیل کرتا ہے اور محاسن اخلاق سے قوت عملی کو مکمل بناتا ہے جب انسان ان ہر دو قوت کی تکمیل کر لیتا ہے تب وہ اپنی تلقین سے لوگوں کے عقول میں حق کی تصویر قائم کر دیتا ہے اور یہی اسم مصور کا مقتضےٰ ہے۔

الغفّار مغفرت مصدر سے ذات باری کے متعلق قرآن مجید میں تین اسم مستعمل ہوئے ہیں غافر۔ غفور۔ غفار بعض محققین نے لکھا ہے کہ بندہ کے لئے بھی معصیت کے قوت وضعف کے لحاظ سے تین مدارج ہیں ظالم اس صورت میں ذات باری اس کے لئے غافر ہے ظلوم اس جہت سے ذات باری اس کے لئے غفور ہے ظلام اس صورت میں اس کی مغفرت کے لئے ذات باری غفار ہے اور چونکہ بندہ کے صفات متناہی ہیں اور ذات

باری کے صفات غیر متناہی اس لئے ضروری ہے کہ غیر متناہی متناہی پر غالب آئے اس بناء پر رحمت کو عذاب پر راجح ظاہر کیا گیا ہے۔

واضح ہو کہ مغفرت کے متعلق بہت سے آیات قرآن مجید میں وارد ہوئے ہیں بعض تو بلفظ ماضی ہیں اور بعض بصیغہ مستقبل اور بعض بصیغہ امر اور بعض بصیغہ مصدر اور ان سب کا مآل ایک ہی ہے۔

یہ لفظ لغت میں بمعنے ستر (پوشیدن) کے مستعمل ہے اسی سے مغفر (خود آہنی) مشتق ہے اسی خیال پر جمہور کا مذہب ہے کہ مغفرت الہی سے مراد ہے اللہ تعالے کا اپنے بندوں کے معاصی کو مستور کر کے انہیں ان معاصی پر مطلع نہ کرنا۔

امام رازی لکھتے ہیں کہ مغفرت کی یہ تفسیر صحیح نہیں کیونکہ آدم اور موسے اور داؤد انبیاء علیہم السلام کی لغزشوں کا قرآن مجید میں ذکر آیا ہے اور ان پر مغفرت کے نازل ہونے کا بھی بیان فرما یا ہے پھر معصیت کا مستور رکھنا کیسے ہوا؟ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ مغفرت سے عفو و صفح بر سبیل مجاز مراد ہے۔ خاکسار کا خیال ہے کہ جمہور کی رائے کی توجیہ یوں ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالے قیامت کے دن اپنے بندوں کے گناہوں کو مستور فرما دے گا دنیا میں اگر بغرض عبرت اس کا ذکر کر دیا گیا ہے تو یہ امر بجائے خود ایک مصلحت عامہ پر مبنی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالے اپنے بندہ کی معصیت کو دنیا میں کبھی تو مستور کر دیتا ہے جیسے

Marfat.com

دعا مشہورہ میں وارد ہوا ہے یا من اظہر الجمیل وستر القبیح اور کبھی بغرض مصلحت ظاہر فرمادیتا ہے مگر عام حالات قبیحہ میں جو انسان کے قلب اور بدن سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ستر واخفا فرماتا ہے مثلاً دل کے وساوس اور برے خیالات جن پر بجز عالم الغیب کے کوئی مطلع نہیں ہو سکتا اور بدن کے وہ حصص جن کا ظاہر ہونا موجب قباحت ہے ہمیشہ مستور رہتے ہیں۔ مغفرت آخرت کے متعلق تو صرف ستر واخفا ہی ہوگا بلکہ خود مغفور لہ سے بھی اس کے معاصی کو مستور رکھا جائیگا تاکہ وہ نادم نہ ہو۔

آیۂ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا میں ہر سہ الفاظ عفو مغفرت اور رحمت کی ترتیب میں غور کرو کہ کس خوبی کے ساتھ جمع کئے گئے ہیں عفو سے مراد ہے گناہوں کا محو کردینا اور مغفرت سے اشارہ ہے اغیار اور خود اہل معصیت سے گناہوں کے مخفی رکھنے کی طرف کیونکہ جسطرح اطلاع غیر گنہگار کے لئے موجب ندامت ہے اسیطرح گناہ کا یاد بھی اسکے حق میں باعث خجالت ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ لطف واحسان یعنی نعمائے جنت کی بھی استدعا کا حکم دیا ہے اور یہ مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی استدعا کا حکم نہ دیگا جسے پورا کرنے پر وہ راضی نہ ہو۔ آیات مغفرت میں بعض لطائف و نکات اکابر کے کلام میں آچکے ہیں ہم انہیں ذیل میں بطور اختصار قلمبند کرتے ہیں چنانچہ آیۂ غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب ذی الطول کی تشریح میں مختلف اقوال وارد ہوئے ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ غافر الذنب ہے بطور اکرام کے اور قابل التوب ہے بطور انعام کے شدید العقاب ہے بطور عدل کے ذی الطول ہے بطور احسان کے اور بعض

Marfat.com

لکھتے ہیں کہ ان الفاظ کی تفسیر یوں ہے غَافِرِ ذَنْبِ الْمُذْنِبِیْنَ یعنی گناہگاروں
کے گناہ بخشنے والا۔ قَابِلِ التَّوْبِ ای تَوْبَۃِ التَّائِبِیْنَ یعنے رجوع کرنے والوں کی توبہ کو
قبول فرمانے والا شَدِیْدِ الْعِقَابِ لِلْکَافِرِیْنَ یعنی کفار کو سخت عذاب کرنے والا۔
ذِی الطَّوْلِ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی اہل ایمان کے حق میں احسان و انعام کرنے والا
اور بعض نے ان الفاظ کی یوں تفسیر کی ہے کہ وہ غافر الذنب ہے ظالمین کے لئے اور
قابل التوب ہے مقتصدین (متوسطین) کے لئے اور شدید العقاب ہے کافرین کے لئے
اور ذی الطول ہے سابقین کے لئے۔ ابوبکر واسطی فرماتے ہیں کہ وہ غافر الذنب ہے
اس شخص کے لئے جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے اور قابل التوب ہے اس شخص کے لئے
جو کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی معرفت پر ثابت قدم رہے اور شدید العقاب ہے اس شخص کے
حق میں جو حقیقت لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا منکر ہو اور ذی الطول ہے اس سعادت مند
کے حق میں جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے سعادت و اسرار کا مشاہدہ کرے۔

اس آیت شریف میں اللہ تعالیٰ نے اپنی چار صفات کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے
تین یعنی مغفرت، قبول توبہ، ذو الطول تو اہل ایمان کے لئے ہیں اور ایک یعنی شدید العقاب
کفار کے لئے اور اس میں اشارہ ہے۔ اس امر کی طرف کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر
غالب ہے چنانچہ فرمایا سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ اور نیز اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اہل ایمان
کے تین مدارج ہیں۔ ظالم النفس، مقتصد، سابق بالخیرات اور ان ہر سہ اہل ایمان کے لئے
علی وجہ حدہ صفات مذکورہ بالا ثابت ہیں۔ مگر کفر کے مختلف اقسام ایک ہی حقیقت انکار پر
مشتمل ہوتے ہیں۔ پس ہر ایک قسم کے کافر کے لئے ایک ہی صفت شدید العقاب کافی ہے
اسی وجہ سے کہ اہل جنت کے لئے تین قسم کے پینے کی چیزوں کا ذکر کیا حیث قال اللہ عَیْنًا
یَّشْرَبُ بِہَا عِبَادُ اللّٰہِ (۲) یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ خِتٰمُہٗ مِسْکٌ ۔ وَسَقٰىهُمْ
رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا اور کفار کے حق میں فرمایا وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا

اس نکتہ کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ہر چہار صفات کے بیان میں صفت شدید العقاب کو صفت مغفرت قبول توبہ کے بعد ذکر فرمایا ہے اشارہ یہ ہے کہ توبہ ایک فرد بشر کے لئے ضروری ہے کیونکہ مشرک کو شرک سے اور کافر کو کفر سے اور مومن عاصی کو فسق سے توبہ کی ضرورت ہے اور مومن جو جرم غفلت یا صغائر کے مرتکب ہوتے ہیں انہیں غفلت اور صغائر سے توبہ کرنا ضروری ہے اور بصورت توبہ نہ کرنے کے بندہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستوجب ہو جاتا ہے اسی طرح صفت غافر الذنب کو قابل التوب پر مقدم کیا اشارہ یہ ہے کہ مغفرت الٰہی بندہ کے حق میں توبہ سے پہلے ہی مقدر ہو چکی ہے اور ان ہر دو صفت کو واؤ عاطفہ سے بیان فرمایا فقال غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ اشارہ یہ ہے کہ مغفرت توبہ کے ساتھ مشروط نہیں کیونکہ واؤ عاطفہ معطوف اور معطوف الیہ کی مغایرت کا پتہ دیتی ہے۔

کشاف اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک شخص کو شراب پینے کی عادت تھی آپ نے یہی آیت لکھ کر اپنے قاصد کے ہاتھ اس کی طرف ارسال کی اور لوگوں سے کہا کہ اس کے حق میں دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کو توبہ نصیب کرے اور قاصد کو ہدایت کی کہ جب وہ شخص ہوش کی حالت میں ہو تو اسے رقعہ دینا چنانچہ قاصد اس کے پاس پہنچا اور اس نے رقعہ حوالہ کیا وہ شخص پڑھتا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اس فرمان واجب الاذعان کا اس کے دل پر ایسا اثر پڑا کہ اسی وقت میخواری سے توبہ کر لی۔

اس آیت کے ذیل میں مناسب نظر آتا ہے کہ آیہ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا کی تفسیر بھی لکھی جائے بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ جب وحشی نے حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو غزوہ احد میں قتل کر ڈالا تو بھاگ کر طائف میں چلا گیا وہاں پہنچکر اپنے کئے پر سخت پشیمان ہوا اور جناب نبوی میں بدیں مضمون ایک عریضہ ارسال کیا کہ آیا میرے لئے توبہ کی گنجائش باقی ہے اس پر یہ آیت نازل

ہوئی اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ
یعنی اللہ تعالیٰ شرک نہیں بخشیگا۔ اور اس کے سوا باقی جس قدر گناہ ہیں جسے چاہے
بخش دیگا۔ وحشی نے دوبارہ عرض کی کہ شاید میرے لئے مشیت الٰہی مغفرت کی مقتضی
نہ ہو اور میں لِمَنْ یَّشَآءُ کا مصداق نہ ہوں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی وَالَّذِیْنَ لَا
یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـهًا ... اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا یعنی جو
شخص توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور اعمال صالح بجا لائے عذاب دوزخ سے محفوظ رہیگا
اس پر وحشی نے پھر عرض کی کہ ممکن ہے کہ میں بجا نہ لا سکوں اعمال صالح کی شرط اس پر یہ
آیت نازل ہوئی قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ ...
اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا۔ اس آیت میں چند امور قابل غور ہیں اول لفظ
اسرفوا کے مفہوم میں ہر ایک قسم کا صغیرہ و کبیرہ گناہ داخل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے
کہ اسراف کسی خاص گناہ مثلاً زنا، شراب خواری، کذب، غیبت وغیرہ سے مخصوص نہیں
کیونکہ مطلقاً ہر قسم کے گناہ جو کہ نا بیحد و بیشمار ہیں اس لئے کلام میں بجائے سود دلالت پیدا
ہو جاتی نیز اس سے مسلمانوں کی پردہ دری لازم آتی لہذا اس ذات ارحم الراحمین نے
[illegible] لفظ اسراف کہہ دیا جس سے [illegible] نہیں [illegible] حسب
وعدہ [illegible] دنیا میں اپنے بندوں کی پردہ پوشی [illegible] قیامت کے دن بھی کرے
گی۔

دوم [illegible]
[illegible]
اپنے [illegible]

سوم لفظ یا عبادی میں عباد کو اپنی ذات کی طرف اضافت کیا ہے جس سے اس
[illegible] کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ وہ ذات ارحم الراحمین باوجود بندوں کے مجرم ہونے کے انہیں

Marfat.com

اپنی طرف نسبت کرنے سے عار نہیں کرتی گو بندے گناہ سے باز نہ آئیں مگر پھر بھی وہ اس کے عاجز بندے ہیں۔

چہارم لفظ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ بندوں کا اسراف یعنی ارتکاب جرم درحقیقت انہیں کے حق میں مضر ہے نہ ذات باری کے حق میں سوان کے لیے یہی ضرر کافی ہے اس لئے دوسری عقوبت یعنی عذاب ان پر عائد نہیں کیا گیا

پنجم صیغۂ لَا تَقْنَطُوْا سے صریح طور پر نہی فرمائی اور نہ صرف نہی فرمائی بلکہ اس نہی کی مخالفت کرنے والے کے حق میں وعید بھی کی حیث قال اِنَّهٗ لَا يَايْــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ یعنی اللہ تعالٰے کی رحمت سے صرف کافر ہی ناامید ہو سکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ امید رحمت کو منقطع کر دینا بھی منجملہ کفر کے شمار کیا گیا ہے۔

ششم اس آیت میں لفظ جَمِيْعًا سے بجز شرک کے ہر ایک قسم کے گناہ کی مغفرت کا وعدہ ہے اور یہی صحیح مذہب بھی ہے بعض مفسرین نے اس مغفرت کو توبہ سے مشروط قرار دیا ہے مگر حق یہ ہے کہ مغفرت مومن کے لئے ہرگز مشروط بہ توبہ نہیں چنانچہ آثار صحیحہ میں اس کی پوری پوری تائید موجود ہے۔

ہفتم آیت کے اخیر پر فرمایا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ یہ جملہ گذشتہ مضمون کے لئے بمنزلۂ دلیل کے ہے جس کی صورت یوں ہے کہ مغفرت ورحمت کچھ تمہارے لئے شروع نہیں ہوئی بلکہ یہ تو اس ذات مقدس کا قانون ہے اور جملہ اسمیہ اور حرف تحقیق اور ضمیر مرفوع منفصل کا لانا اس مضمون کو اور بھی مؤکد کرتا ہے

اس آیت کے ذیل میں آیۂ نبی عبادی انی انا الغفور الرحیم بھی قابل غور ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ چند صحابہ آپس میں بیٹھے ہنس رہے تھے حضور علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ آیا تم لوگ ہنس رہے ہو حالانکہ تمہارے سامنے آتش دوزخ کا

ایک مرتبہ آسمان دا ہے۔ یہ لوگ اس بات کو سنکر سخت محزون ہوئے [illegible] تھوڑی دیر گزری تھی کہ حضور علیہ السلام پھر تشریف لائے اور فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے ہیں اور بارگاہ رب العزت سے مذکورہ بالا آیات لائے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ میرے بندوں کو آگاہ کر دو کہ بیشک میں بڑا بخشنے والا مہربان ہوں۔ اس آیت میں چند نکات قابل بیان ہیں۔

(۱) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ قرآن مجید کے حروف کی تعداد تین لاکھ پچیس ہزار اٹھتر (۳۲۵۰۷۸) ہے اگر امت محمدیہ کے لئے قرآن مجید میں سوا حرف یاء کے جو عبادی کا مضاف الیہ ہے اور کوئی بشارت نہ ہوتی تو ان کے لئے کافی تھی کیونکہ جس طرح لفظ عبادی کے حرف دال اور حرف یاء میں کچھ فاصلہ نہیں اسی طرح اللہ تعالےٰ کی رحمت اور اس کے گنہگار بندوں کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔

(۲) لفظ نبّئ سے جناب نبوی کو خطاب کیا گیا ہے اور یاء متکلم سے خود ذات باری عز اسمہ مراد ہے اور ہر دو کے درمیان لفظ عباد واقع ہوا ہے جس سے عاصیانِ امت محمدیہ مراد ہیں اشارہ یہ ہے کہ گنہگارانِ امت کے آگے آگے تیری شفاعت ہے اور ہماری رحمت ان کے پیچھے پیچھے اور وہ ہر دو کے درمیان ہیں سو کیسے ہو سکتا ہے کہ انہیں کسی قسم کا صدمہ یا ضرر پہنچے۔

(۳) بندگانِ گنہگار کا اپنے مولےٰ کی طرف منسوب ہونا ان کے لئے موجب فخر و مباہات ہے اور یہی نسبت ان کے لئے کافی ہے کہ وہ اس کے بندے ہیں خلیفہ [illegible] کی نسبت مروی ہے کہ ایک دفعہ اس کا پوتا اور دوہتا اس کے پاس موجود تھے خلیفہ نے ان سے پوچھا کہ تم اپنا اپنا نسب بیان کرو پوتے نے اپنا نسب بیان کیا اور دوہتے نے اپنا۔ خلیفہ نے پوتے کا منہ جواہرات سے پر کیا اور دوہتے کے منہ میں شکر بھر دی اور فرمایا کہ پوتا ہماری طرف منسوب ہے اور دوہتا اغیار کی طرف سو جب سلاطین دنیا کی طرف

Marfat.com

منسوب ہونا موجب امتیاز ہے تو اس سلطان السلاطین کی طرف منسوب ہونا کیا کچھ
موجب عزت و افتخار نہ ہوگا۔ اور یہی نسبت استحقاق رحمت کے لئے علت ہے

(۴) اس آیت میں یہ نکتہ نہایت قابل غور ہے کہ جملہ اِنِّیٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ میں تکرار ضمیر متکلم نے جملہ کو کس طرح مؤکد بنا دیا ہے۔ اس کی مثال خود قرآن مجید میں موجود ہے اِنِّیٓ اَنَا رَبُّكَ میں اس تکرار ضمیر نے موسیٰ علیہ السلام کے خوف اور وحشت کو دور کیا اور اِنِّیٓ اَنَا اَخُوْكَ میں یوسف علیہ السلام کے بھائی کی وحشت کو انس کے ساتھ بدل دیا جس کی تقریر یوں ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو دستر خوان پر بٹھایا تو سب بھائی دو دو ہو کر بیٹھ گئے اور بنیامین (جو یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے) اکیلے رہ گئے اور انہیں یوسف کی یاد سے دل پر سخت چوٹ لگی اور رونا شروع کیا یوسف علیہ السلام نے پوچھا کہ تم کیوں روتے ہو۔ بنیامین نے کہا کہ میرا بھی ماں باپ کا حقیقی بھائی تھا اگر آج ہوتا تو وہ بھی میرے ساتھ بیٹھتا۔ یوسف علیہ السلام نے ان کی اس حالت زار کو دیکھ کر کہا اِنِّیٓ اَنَا اَخُوْكَ یعنی تم غم مت کرو میں تمہارا بھائی ہوں اس جملہ سے بنیامین کے دل کو تسلی اور اطمینان حاصل ہوا اور اس کی وحشت انس سے بدل گئی یہی صورت اس آیت میں متحقق ہے جب کہ گنہگار اپنے گناہوں کو دیکھ کر حسرت و یاس میں مبتلا ہوتا ہے تو اس ارحم الراحمین کا وعدہ اِنِّیٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ اس کی وحشت کو انس سے بدل دیتا ہے اور اس کو پورا پورا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے

اس امر کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اسماء غافر، غفور، غفار میں بلحاظ معنی کے بہت تفاوت ہے یعنی غفور بہ نسبت غافر کے اور غفار بہ نسبت غفور کے بدرجہ کمال غفر کے مفہوم پر مشتمل ہے بعض حضرات مشائخ نے لکھا ہے کہ وہ ذات مقدس غافر ہے۔ کیونکہ نامہ اعمال سے معصیت کو دور کر دیتا ہے اور وہ غفور ہے کیونکہ ملائکہ جو کاتبان

Marfat.com

اعمال سے بندہ کے گناہ فراموش کرا دیتا ہے اور [illegible] کی اس کے معاصی حفظۃً فراموش کرا کے ایسا ارشاد ہوتا ہے کہ [illegible] مغفرت سے اگر گناہ [illegible] بعض [illegible] میں ندامت پیدا ہو کر حسرت کو [illegible]

الذی نمافی الدنیا [illegible] القبر او غفار فی یوم [illegible]

جس کا ایمان علم الیقین کے درجہ پر ہو اس کے حق میں غافر ہے اور [illegible] عین الیقین کے رتبہ پر ہو اس کے حق میں غفور ہے [illegible] حق الیقین کے مقام پر ہو اس کے لئے غفار ہے۔

انسان کامل کا بہرہ اس اسم سے یہ ہے کہ وہ دوسروں کے عیب اور مقابح پر اسی طرح پردہ پوشی کرتا ہے قال علیہ الصلوٰۃ والسلام من ستر علی مؤمن عورتہ ستر اللہ علیہ عورتہ یوم القیامۃ یعنی جو شخص کسی مومن کے عیب پر پردہ ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب پر پردہ ڈال دیگا وجہ اس کی یہ ہے کہ کوئی شخص کمال و نقصان اور صواب و خطاسے خالی نہیں سو جو شخص کسی کی برائیوں سے اغماض کر کے اس کی خوبیوں کا ذکر کرے وہ اس اسم سے کامل بہرہ رکھتا ہے چنانچہ مسیح علیہ السلام کی نسبت مروی ہے کہ اپنے حواریوں کے ساتھ ایک مرے ہوئے کتے کی لاش پر گذرے ساتھیوں نے کہا کیسی ناگوار بو آرہی ہے آپ نے فرمایا کہ اس کتے کے دانتوں کی سفیدی کیسی بھلی معلوم ہوتی ہے گویا آپ نے ان لوگوں کو نہایت عمدہ طریق سے تعلیم فرمائی کہ کسی کے عیب کو نظر انداز کر کے اس کی خوبی کو دیکھنا چاہئے۔

القہّار قال اللہ تعالیٰ وھو القاھر فوق عبادہ اور نیز فرمایا لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار یہ اسم [illegible] مشتق ہے جس کے معنی

غلبہ کے ہیں اور کسی چیز کو اس کے اقتضاء طبعی سے بیچ میں روک دینے کے ہیں اور قہار مبالغہ کا صیغہ ہے جس سے کثرت قہر کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے علماء نے اس کی توجیہ میں مختلف اقوال بیان کیے ہیں بعض لکھتے ہیں کہ قہر ایک خاص وصف پر قدرت رکھنے کا نام ہے جس طرح رحمت ایک وصف مخصوص کے ارادہ کو کہتے ہیں تو قہار اس شخص کو بولتے ہیں جو کسی دوسری چیز کو کسی امر سے روک کر اس کے برخلاف پہلو پر چلا سکے اس توجیہ کے رو سے یہ اسم منجملہ صفات ذات کے سمجھا جائیگا اور بعض لکھتے ہیں کہ قہار اس ذات کو بولتے ہیں جو غیر کو اس کے ارادہ کے مطابق جاری ہونے سے روک سکے اس صورت میں یہ اسم منجملہ صفات فعل کے ہوگا۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ قہر ذات باری کی مختلف صورتیں ہیں

اوّل یہ کہ تمام موجودات ممکن حادث ہے اگر اللہ تعالیٰ کے دائرہ قہر سے باہر ہو جائے تو کوئی چیز دائرہ وجود میں قائم نہ رہ سکے جس کا مطلب یہ ہے کہ عدم اور وجود ہر دو تابع قہر الٰہی ہیں جس سے ممکنات کے عدم کو وجود سے بدل دیا ہے اور اس کی حکمت کاملہ کے مطابق بوجہ اس کے ظاہر ہونے کے عدم ان پر طاری نہیں ہوتا کیونکہ اس کے قہر نے اس کو روک رکھا ہے۔

دوم یہ کہ بموجب تحقیق اہل ہیئت ثابت ہو چکا ہے کہ شمس و قمر اور اکثر سیارے کرہ ارض سے کئی گنا بڑی جسامت رکھتے ہیں اور افلاک کی جسامت کا تو اندازہ کون کر سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور صفت قہر نے ان سب کو بلا کسی سہارے کے اپنی اپنی جگہ قائم رکھا ہوا ہے اور وہ ہرگز اپنے مرکزوں سے ادھر ادھر نہیں ہوتے۔ قال اللہ تعالیٰ إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو بلا کسی سہارے کے ان کی جگہ پر قائم رکھا ہے کیا مجال کہ وہ اپنے مرکزوں سے ادھر ادھر ہو جائیں

Marfat.com

سوم یہ کہ تمام مادی جسم عناصر اربعہ کی ترکیب سے بنتے ہیں اور عناصر اربعہ اپنی اپنی طبعی خاصیت کی وجہ سے امتزاج اور ترکیب کے مقتضی نہیں مگر اس کی قدرت کاملہ نے ان کو ایسا امتزاج بخشا ہے کہ ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہوتے یہ سب اس کی صفت قہر کا نتیجہ ہے۔

چہارم یہ کہ روح ایک لطیفہ نورانیہ ہے جو مادہ اور لوازم مادہ سے بالکل بری ہے مگر غور کرو کہ اس کی قدرت کاملہ نے کس طرح اس ہیکل عنصری کے ساتھ اس کو تعلق بخشا ہے جو بالکل ظلمانی اور کثیف ہے مگر اس کی صفت قہر ان ہر دو کے تعلق کو زائل نہیں ہونے دیتی۔

پنجم یہ کہ دنیا میں کس قدر عظیم الشان اور جبار و متکبر سلاطین و ملوک گذرے ہیں مگر اس کی صفت قہر انہیں امراض موت وغیرہ حوادث سے کس طرح مغلوب اور عاجز بنا دیتی ہے اور وہ باوجودیکہ ہزاروں تدابیر اور کوششیں ان حوادث کے روکنے کے لئے عمل میں لاتے ہیں۔ مگر کچھ پیش نہیں چلتی ہیں سے اس کی قہاریت کا اقرار کرنا پڑتا ہے

ششم عقول بشری تحقیق اشیاء میں کس قدر باریک بین ہیں۔ مگر اس ذات اقدس کی حقیقت کے ادراک میں عاجز محض ہیں اور اس کے انوار جلال و جبروت کے احاطہ کرنے سے نگاہیں خیرہ ہیں اور یہی اس کی صفت قہر کا ثبوت ہے۔

ہفتم ہم چشم بصیرت کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ تمام ذات کائنات اس ذات اقدس کی مشیت کے تابع ہیں اور خود انسان ہزارہا امور میں اپنے ارادہ کے برخلاف ناکام رہتا ہے الغرض کوئی چیز اس ذات بیچگون کے ارادہ سے باہر نہیں جا سکتی نہ وجود اللہ عز شانہ الاسم تعالٰی وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ اور پھر فرمایا وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ

حضرات مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ وہ ذات اقدس قاہر ہے اس لئے کہ نفوس عابدین پر غالب آکر ان کو اپنی طاعت پر محدود رکھتی ہے اور وہ قہار ہے اس لئے کہ نفوب

Marfat.com

طالبین پر غالب آکر ان کو اپنا انیس بناتی ہے اور لطف مشاہدہ جمال سے عزت بخشتی ہے
بعض اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ قہار وہ ذات جو اپنے بندوں سے بشریت کے
آثار اور رسوم کے مٹا دینے اور علم و عزت کے کھو دینے کی طالب ہو۔ بعض نے اس کی یوں
توجیہ کی ہے کہ قہار وہ ذات ہے جس کی صولت و حشمت کے سامنے کسی کی صولت و حشمت
کا ظہور نہ ہو بلکہ اس کے سامنے محو ہو جائیں اور جس کی سطوت کے سامنے تمام مخلوق
عاجز ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (یعنی قیامت
کے دن جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے وصف قہاریت کا اظہار فرماویگا۔ تو اہل محشر کو جہاں گروہا
گروہ خلائق جمع ہوگی یہ آواز سنائی جائیگی کہ آج کے دن سلطنت کا مالک کون ہے؟
چونکہ تمام مخلوق اپنے اپنے حال بد میں مبتلا ہوگی اس لئے کسی کو وہاں دم مارنے کی مجال
نہیں ہوگی تب خود ہی دوسری آواز سنائیں گے کہ آج بڑے بڑے مدعیان کے تمام
دعاوی خاک میں مل گئے اور وہی حقیقی مالک الملک آج کے دن کی سلطنت کا مالک ہے
جو اپنے کمال صفات میں یگانہ اور سب اشیاء پر غالب آنے والا ہے بتلاؤ آج بڑے بڑے جبارین
کہاں ہیں! سلاطین نامدار اور ملوک کا مکار کو کیا ہوا؟ اور انبیاء و مرسلین کس حال میں ہیں؟
اور کفار و مشرکین اور فساق و ملحدین کیوں اپنے تئیں ظاہر نہیں کرتے؟ ایک بے نیازی کا
عالم ہو گا جہاں انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین اور ارواح و اجسام سب کے سب بے حقیقت
ہو جائیں گے اور وہی ایک ذات اقدس جو تمام کمالات کی جامع ہے اپنی بے نیازی کے
ساتھ تمام موجودات محشر پر جلوہ افروز ہوگی اور بس
عبد کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے تمام اعداء پر غالب آتا ہے چونکہ سب
بڑھ کر دشمن انسان کا اپنا نفس ہے اس لئے جو شخص شہوت و غضب اور حرص و وہم و خیال
پر غلبہ پالیتا ہے وہ درحقیقت تمام اعداء کو مغلوب کر لیتا ہے اور کسی غیر کو اس پر غلبہ پانے کا
موقع نہیں مل سکتا رہا یہ امر کہ غضب و شہوت وغیرہ پر انسان کیونکر غالب آسکتا ہے؟

سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امر کبھی تو بذریعہ مجاہدت و ریاضت کے حاصل ہوتا ہے۔ کما قال اللہ تعالےٰ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا اور کبھی بذریعہ جذبات حق کے چنانچہ بعض آثار میں حضور علیہ السلام سے مروی ہے جَذْبَۃٌ مِنْ جَذَبَاتِ الْحَقِّ تُوَازِیْ عَمَلَ الثَّقَلَیْنِ یعنی ایک جذبہ منجملہ جذبات حق کے جن و انس کے عمل کے برابر درجہ رکھتا ہے مگر یہ محض اللہ تعالےٰ کی عنایت ازلی پر موقوف ہے

اَلْوَھَّابُ قال اللہ تعالےٰ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ۔ یہ اسم مصدر وَھَبَ یَھَبُ ھِبَۃً سے مشتق ہے اور ہبہ کسی شخص کو کسی چیز کے بلا معاوضہ مالک کر دینے کو کہتے ہیں اور ہبہ حقیقۃً بجز ذات باری کے کوئی غیر نہیں کر سکتا کیونکہ ہبہ میں دو رکن ضروری ہیں اوّل کسی کو کسی چیز کا مالک بنا دینا دوم بلا معاوضہ مالک بنانا سو یہ امر بندگان عاجز سے ناممکن ہے کیونکہ (۱) جب تک اللہ تعالےٰ بندہ کے دل میں کسی امر کے بجا لانیکا ارادہ اور نیت مستحکم پیدا نہ کرے بندہ خود بخود کچھ نہیں کر سکتا اس لئے حقیقی فاعل وہی ذات اقدس ہوگی (۲) عاجز بندہ تو اپنے افعال کی حقیقت کے سمجھنے سے بھی عاجز ہے اس لئے وہ اپنے افعال کا خود موجد نہیں ہو سکتا بل موجد درحقیقت ذات باری ہے اس لئے واہب درحقیقت بھی وہی ذات اقدس ہے (۳) اگر اللہ تعالےٰ ازل میں بندہ کے عمل ہبہ کو مقدر نہ کرتا تو بندہ اس عمل کو کبھی بجا نہ لا سکتا کیونکہ اس کے علم و ارادہ کے بدوں کوئی امر واقع نہیں ہو سکتا اس لئے فی الحقیقت وہی ذات جامع کمالات واہب ہوگی نہ کوئی اور (۴) عاجز بندہ تو اللہ تعالےٰ کا مملوک ہے اور مملوک تو کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا قال اللہ تعالےٰ ضَرَبَ اللّٰہُ عَبْدًا مَّمْلُوْکًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ اور جب بندہ خود کسی چیز کا مالک نہیں تو وہ کسی غیر کو کیونکر کسی چیز کا مالک بنا سکتا ہے؟

علاوہ ازیں دوسرا رکن سو یہ مسلمہ ہے کہ عاجز بندہ کبھی کوئی عمل بلا کسی مدا و غرض

دنیوی یا اُخروی کے بجا نہیں لاتا دنیوی معاوضہ میں ہر ایک قسم کا معاوضہ شامل ہے۔ خواہ مدح و آفرین ہی سننا مقصود ہو اور اگر معاوضہ کا خیال انسان کے دل میں نہ ہوتا تو اس سے کبھی کوئی عمل بھی صادر نہ ہو سکتا۔ حتیٰ کہ عارفانِ خدا کے اعمال بھی معاوضہ رضائے ہونے پر مبنی ہیں جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ ہبہ کے ہر دو رکن عاجز بندہ سے صادر نہیں ہو سکتے تو وہ عمل ہبہ کا حقیقۃً عامل نہیں کہلا سکتا مگر ذات باری کی نسبت ہبہ کے ہر دو رکن صحیح طور پر ثابت ہیں۔

(۱) تملیک تو اس لئے کہ وہ خود تمام اشیاء کا خالق و مالک ہے اس لئے دوسروں کو کسی شے کا مالک بنا سکتا ہے۔

(۲) اور بلا معاوضہ اس لئے کہ اس کی ذات ہر ایک چیز سے مستغنی ہے کمی اور بیشی کو اس کی ذات سے کچھ تعلق نہیں لہٰذا ہبہ درحقیقت اسی ذات بے نیاز کا فعل ہو سکتا ہے نہ کسی غیر کا۔ اور اگر مجازاً انسان کو بعض اشیاء کا واہب مان بھی لیں تو پھر بھی اس کا عمل ہبہ محدود بلکہ نہائت ہی مختصر ہوگا اشیاء کو عدم سے وجود میں لانا بیمار کو شفا دینا۔ بے فرزند کو فرزند عطا فرمانا گمراہ کو مہندی بنانا وغیرہ ایسے امور ہیں جو بجز اس واہب حقیقی کے کوئی دوسرا نہیں کر سکتا بلکہ اس ذات اقدس کے عطایا اس قدر وسیع ہیں کہ کوئی شخص ان کا احاطہ نہیں کر سکتا قال اللہ تعالے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا یعنی تم اللہ تعالے کی نعمتوں کا کبھی حصر نہیں کر سکتے اور پھر فرمایا وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ یعنی جو نعمتیں تمہیں حاصل ہیں سب کی سب اللہ تعالے کی طرف سے ہیں ان ہر دو آئت سے ثابت ہوتا ہے کہ منعم حقیقی وہی ذات ہے اور یہ کہ ہم اس کی نعمتوں کا حصر کرنے سے عاجز ہیں۔

حضرات مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ وہاب وہ ذات ہے جس کی عطا اور جود کی کوئی حد نہ ہو اور بلا سوال انعام کرے اور کسی حال میں کسی کو اپنی نعمت سے محروم نہ رکھے بعض

لکھتے ہیں کہ وہّاب وہ ذات ہے جو بلا وسیلہ انعام کرے اور بلا سبب وحیلہ عطا فرمائے۔
انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ہوتا ہے کہ وہ سب کچھ اللہ تعالےٰ کی راہ میں صرف کر دیتا ہے اور تمام حالات میں اپنے مولےٰ کی خدمت پر مجبور رہتا ہے

اَلرَّزَّاقُ قال اللہ تعالےٰ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ داؤد علیہ السلام کی ایک دعا میں یوں مروی ہے یا رازق النعاب فی عشہ یعنی اے ناتواں جانوروں کو ان کے آشیانہ میں روزی پہنچانے والے اس جملہ کی توجیہ میں بعض اہل تحقیق نے یوں لکھا ہے کہ کوا جب اپنے انڈوں کو توڑ کر بچے نکالتا ہے تو بچہ کی رنگت سفید ہوتی ہے جس سے کوا کراہت کرتا ہے اور بچہ کو یوں ہی چھوڑ کر اڑ جاتا ہے مچھر اور مکھیاں اس کے بدن پر آکر بیٹھتی ہیں۔ اور انہیں کو وہ اپنی غذا بناتا ہے رفتہ رفتہ جب اس کے پر و بال نکل آتے ہیں اور سیاہ نظر آنے لگتے ہیں تب کوّا بھی آموجود ہوجاتا ہے اور اس سے انس پکڑتا اور اس کی تربیت کرتا ہے
یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس طرح جسم انسانی بذریعہ مادی اشیاء کے جو غذا کی صورت میں ہوتی ہیں تربیت پاتا ہے اسی طرح روح انسانی معارف و اسرار سے تربیت حاصل کرتی ہے اور ہر دو کو رزق کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے مگر رزق روحانی یعنی معارف حقہ انسان کے لئے بہترین رزق سمجھا گیا ہے کیونکہ ان سے روح انسانی قوت پاتی ہے یہ امر مسلم ہے کہ معارف و اسرار حقہ کے انکشاف کا سب سے اعلےٰ ذریعہ نماز ہے اس لئے روحانی تربیت کے لئے ضروری ہے کہ نماز پنجگانہ مع شروط و آداب مواظبت کی جائے نماز جس طرح روحانی انکشافات کا ذریعہ ہے اسی طرح جسمانی غذا یعنی روزی کی وسعت کا اعلےٰ ذریعہ ہے دیکھو اللہ تعالےٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ یعنی اپنے گھر والوں کا نماز کا حکم دو اور اس پر مداومت کرو ہم تمہاری روزی کے متکفل ہیں حضرات اہل باطن لکھتے ہیں کہ انسان لازم ہے کہ اپنی تمام حاجات میں اپنے مالک حقیقی کی طرف رجوع کرے دیکھو جب موسےٰ علیہ السلام

نے طلب دیدار کی جو ایک اہم مطلوب اور اعلےٰ مقام تھا تو رَبِّ اَرِنِی اَنْظُرْ اِلَیْکَ کہ بارگاہ رب العزت میں التجا کی اور جب بھوک لگی تو طلب طعام کے لیئے جو ایک ادنی اور اخس امر ہے بالفاظ رَبِّ اِنِّی لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ اسی بارگاہ معلے کی طرف رجوع کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے تمہاری روزی کو تمہاری طلب میں لگا دیا ہے اور تمہیں طلب جنت کا حکم دیا ہے مگر تمہارا حال اس کے برعکس ہے کیونکہ تم روزی کو طلب کرتے پھرتے ہو اور طلب جنت کو بھلائے بیٹھے ہو حضرت عیسےٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض ارشادات میں یوں وارد ہوا ہے کہ تم اپنے پیٹ کی فکر میں ست کرتا ہو پرندوں کی طرف دیکھو کہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو اپنے آشیانہ میں سیر ہو کر واپس آتے ہیں اور وہ تمہاری طرح نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے ہیں اگر تمہیں یہ خیال ہو کہ ہم پرندوں کی نسبت بڑے پیٹ رکھتے ہیں تو جنگل کے وحشیوں کی حالت میں غور کرو کہ تم سے زیادہ پُرخوار ہیں اور وہ نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے ہیں مگر اللہ تعالےٰ انہیں ان کی روزی پہنچا دیتا ہے۔

اسم رزاق کی توجیہ میں مختلف اقوال ہیں بعض حضرات نے لکھا ہے کہ رزّاق وہ ذات ہے جو ابدان کو توفیق کی غذا دیتا ہے اور ارواح کو تصدیق کی نعمت عطا فرماتا ہے بعض لکھتے ہیں کہ رزّاق وہ ہے جو اغنیاء کو تو وجود رزق کے ساتھ مخصوص کرتا ہے اور فقراء کو شہود رزاق کا درجہ عطا فرماتا ہے یعنی اغنیاء کی نظر نعمت پر ہوتی ہے اور اولیاء کی منعم پر بعض لکھتے ہیں کہ رزّاق وہ ہے جو اشباح (اجسام) کو فوائد لطف اور ارواح کو عوائد کشف سے عزت بخشتا ہے بعض یوں کہتے ہیں کہ رزّاق وہ ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے قناعت عطا فرما کر اسے وجہ معاش کے اسباب سے روک دیتا ہے۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ملتا ہے کہ وہ رزاق حقیقی کے مقدّر پر راضی رہتا ہے اور جو کچھ پاتا ہے اللہ تعالےٰ کی راہ میں صرف کر دیتا ہے کَمَا اَمَرَ اللّٰہُ بِهٖ وَالَّذِیْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا اور وہ حتی الامکان

بصیرت سے وصف رقیبت کو دیکھ لیتا ہے اور اس لئے کسی غیر سے روزی کا متقاضی نہیں رہتا چنانچہ حاتم اصم رحمۃ اللہ کی نسبت مروی ہے کسی نے پوچھا کہ آپ کہاں سے کھایا کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے خزانہ سے اس شخص نے کہا کیا آسمان پر سے روٹی تم پر گرائی جاتی ہے آپ نے جواب دیا کہ ایسا تب ہوتا جبکہ زمین پر اس کے خزائن موجود نہ ہوتے اس شخص نے کہا کہ تم لوگ الفاظ کی تاویل کر لیتے ہو آپ نے فرمایا ہاں اس لئے کہ آسمان پر سے کلام ہی نازل ہوا ہے اس شخص نے کہا کہ میں آپ سے مقابلہ نہیں کر سکتا آپ نے فرمایا کہ واقعی باطل حق کے سامنے عاجز ہے۔

الفتاح قال اللہ تعالےٰ وانت خیر الفاتحین اور پھر فرمایا وھو الفتاح العلیم

یہ اسم مصدر فتح سے مشتق ہیں جس کے معنے لغت میں دروازہ کھولنے کے ہیں چنانچہ قفل کی چابی کو مفتاح کہتے ہیں قال اللہ تعالےٰ ففتحنا ابواب السماء اور لڑائی میں فتح پانے سے مراد ظفریاب ہونا لیا کرتے ہیں قال اللہ تعالےٰ انا فتحنا لک فتحا مبینا اس آیت میں فتح سے فتح مکہ مراد ہے ممکن ہے کہ فتح سے ظفر مراد لینا اس خیال پر مبنی ہو کہ عموماً دشمن پر کامیاب ہونے کا یہ معیار تھا کہ فاتح کی سپاہ قلعہ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو جاتی تھی اور جب یہ صورت ہوا کرتی تو سمجھ لیا جاتا کہ دشمن مغلوب ہو گیا۔

اس اسم کی توجیہ دو طرح پر کی گئی ہے اول تو یہ کہ فتاح وہ ذات ہے جو اپنی مخلوقات کے درمیان فیصلہ کرے اللہ تعالےٰ کے فیصلہ سے مراد یہ ہے کہ اس نے حق کو باطل سے علیحدہ کر دیا ہے اور اس لئے وہ فتاح ہے دوم یہ کہ فتاح وہ ذات ہے جو اپنے بندوں پر سعادت کے دروازے کھول دیتی ہے اور ان کی مشکلات کو آسان کر دیتی ہے یہ آسانی یا تو امور دین کے متعلق ہو گی جیسے علوم شرائع و دیانات کا عطا فرمانا یا امور دنیا میں جیسے فقیر کو غنی بنانا یا کسی مصیبت زدہ کی مصیبت کو دور کرنا

حضرات مشائخ لکھتے ہیں کہ فتاح وہ ذات ہے جو قلوب اہل ایمان پر اپنی معرفت

کے اور اہل معصیت پر اپنی مغفرت کے دروازے کھول دے اور بعض لکھتے ہیں کہ فتاح وہ ذات ہے جو مصائب میں اعانت کرے اور وجوہ احسان کو آسان بنائے بعض نے یوں توجیہ کی ہے کہ فتاح وہ ذات ہے جو باب توفیق کو نفوس پر کھول دے اور اسرار و معارف کی تحقیق عطا فرما دے۔ بعض نے لکھا ہے کہ فتاح وہ ذات ہے جو بندوں کے عصیان پر عطاء نعمت کو بند نہیں کر لیتی اور ان کے نسیان پر اپنی رحمت کو موقوف نہیں کرتی بعض نے کہا ہے کہ فتاح وہ ہے جس کا حکم قطعی اور اس کی مشیت شامل ہو۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ہے کہ وہ مجاہدت کو ایسا کامل کرے کہ ابواب مکاشفات اس پر مفتوح ہو جائیں اور لوگوں کو خیر و سعادت کا افاضہ کرے۔

اَلْعَلِیْمُ مصدر علم سے کئی ایک صیغے ذات باری نے اپنے لئے قرآن مجید میں استعمال کئے ہیں اول وہ صیغے جن سے صفت علم کا ذات باری کے لئے اثبات ہوتا ہے قال اللہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَةِ پھر فرمایا وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اور پھر فرمایا اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ دوم صیغہ عالم ہے چنانچہ فرمایا عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ اور نیز فرمایا عَالِمُ غَیْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سوم صیغہ علام چنانچہ فرمایا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ چہارم صیغہ اعلم چنانچہ فرمایا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ اور پھر فرمایا اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ پنجم صیغہ علّم باب تفعیل سے چنانچہ فرمایا اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ اور پھر فرمایا وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ مگر جمیع علماء امت نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ گو باب تفعیل سے کئی ایک صیغے ذات باری کیلئے قرآن مجید میں آچکے ہیں مگر ہم اس ذات اقدس کو معلّم بصیغہ اسم فاعل تعبیر نہیں کر سکتے اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اسماء ذات باری شرعی ہیں نہ قیاسی۔ شروع کتاب میں اس مسئلہ پر بحث کی گئی ہے اس مسئلہ پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کی نسبت بعض مقامات میں بعض الفاظ ایسے وارد ہوئے ہیں جن سے

Marfat.com

ان کے حق میں معصیت کا گمان پیدا ہوتا ہے اور اس لئے ہم ان پر عاصی یا مُذنِب کا لفظ اطلاق کر سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً عَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی سو کیا ہم آدم علیہ السلام کو عاصی کہہ سکتے ہیں یا دختر شعیب علیہ السلام سے موسے علیہ السلام کی نسبت قرآن مجید میں وارد ہوا ہے یَا اَبَتِ اسْتَاْجِرْہُ (اے باپ موسیٰ کو اجرت پر رکھ لو) کیا ہم موسے علیہ السلام کی نسبت اجیر (مزدور) کا لفظ بول سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں کیونکہ جس طرح معنے کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے اسی طرح ادب کا ملحوظ رکھنا بھی لابد ہے۔

ششم صیغہ علیم ہے قال اللہ تعالےٰ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ یہ امر بالکل واضح ہے کہ ان مختلف صیغوں کا مفہوم بھی مختلف ہے اور ان کی بناء کا مختلف ہونا ان کے مختلف المفہوم ہونے پر کافی دلیل ہے چنانچہ علیم جو وزن فعیل پر ہے مبالغہ کے لیے موضوع ہے اور بمقابلہ عالم اپنے ماخذ (علم) پر قوی طور پر دلالت کرتا ہے اور اس کی مثال بعینہ سامع اور سمیع اور راحم اور رحیم کی سی ہے علاوہ فعیل کا وزن ثبوت اور استمرار پر دلالت کرتا ہے اور آیۂ وَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ سے ظاہر ہوتا ہے کہ صیغہ عَلِیْمٌ صیغہ ذی عِلْم سے زیادہ مبالغہ پر مشتمل ہے۔

واضح ہو کہ مصدر علم سے صیغہ عَلَّامَۃٌ بھی مشتق ہوتا ہے اور یہ لفظاً گو مبالغہ کے لئے ہے مگر ذات باری پر اس کا اطلاق نہیں ہوا اور نہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے چنانچہ کسی بڑے عالم کی نسبت تو یہ کہہ سکتے ہیں ھُوَ عَلَّامَۃٌ مگر ذات باری کی نسبت نہیں بول سکتے اس صیغہ کے آخر میں حرف ۃ مبالغہ کے لئے استعمال کیا گیا ہے ... اور ذات باری کی نسبت اس کے عدم استعمال کی وجہ یہ ہے کہ یہ صیغہ ایسے شخص کے حق میں بولا جاتا ہے جس نے حالت نقصان سے حالت کمال تک ترقی کی ہو اور یہ امر ذات باری کی نسبت متصور نہیں۔ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ذات باری کے علم کی حقیقت انسانی علم کی سی نہیں اور ان ہر دو میں بوجوہ چند اختلاف ہے اوّل یہ کہ ذات باری کا

علم ایک ہی علم ہے جس سے وہ تمام جزئیات عالم کا علم رکھتا ہے مگر انسان کا علم ایسا نہیں کیونکہ اس کو ہر ایک چیز کی نسبت علیحدہ علم کی ضرورت پڑتی ہے دوم ذات باری کا علم غیر متبدل ہے اور انسانی علم متغیر ہو جاتا ہے سوم ذات باری کا علم بذریعہ حواس اکتساب نہیں کیا جاتا بلکہ اس کا علم ذاتی ہے اور انسان کا علم بذریعہ حواس اکتساب کیا جاتا ہے۔ چہارم ذات باری کا علم ممتنع الزوال ہے اور انسان کا علم ممکن الزوال۔ پنجم ذات باری کا ایک علم اس کو کسی دوسرے علم سے روک نہیں سکتا مگر انسان کو یہ بات حاصل نہیں ششم ذات باری کا علم غیر متناہی ہے اور انسان کا علم متناہی ہے

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ علیم وہ ذات ہے جس پر کوئی امر مخفی نہ رہ سکے اور کوئی قریب و بعید امر اس پر مستور نہ ہو۔ اس لئے جو شخص اس ذات کی نسبت ایسا یقین رکھتا ہے وہ کبھی مصیبت سے دل آزردہ اور شاکی نہیں ہو سکتا بلکہ وہ ہمیشہ اس کے احسان کا شکر گذار اور اپنے گناہوں کی بابت عذر خواہ رہتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم ذات باری کا کمال یہ ہے کہ وہ ہر ایک چیز پر ظاہر ہو یا باطن صغیر ہو یا کبیر اول ہو یا آخر الغرض تمام اشیاء پر محیط ہے اور وہ مکتسب نہیں بلکہ دیگر علوم اس کے علم سے مستفاد ہیں کیونکہ انسان کا علم اشیاء خارجیہ سے اخذ کیا جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ تو تمام اشیاء کا خالق ہے اور وہ انہیں ان کے وجود سے پہلے سے جانتا ہے کیونکہ اس کا خالق الاشیاء ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ قبل از وجود ان کا علم رکھتا تھا اور اس کی مثال یوں سمجھو کہ شطرنج کا واضع وضع شطرنج سے پہلے اس کا علم رکھتا تھا کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ وضع نہ کر سکتا مگر ہمارا علم شطرنج کی نسبت شطرنج کے وجود سے اخذ کیا گیا ہے اس لئے ہمارا اور واضع کا علم ایک نہیں ہو سکتے۔

پھر لکھتے ہیں کہ انسان کا شرف علم ہی سے ہے اور علم اشرف وہ ہے۔ جس کا

Marfat.com

موضوع یا معلوم اشرف ہو اور جس قدر کوئی معلوم شریف ہوگا اسی قدر اس کا علم بھی دیگر علوم کی نسبت شریف سمجھا جائیگا۔ چونکہ ذات باری اشرف المعلومات ہے اس لئے ذات باری کا علم حاصل کرنا جس کو معرفت الٰہی کہتے ہیں تمام علوم کی نسبت اشرف ہے اور دیگر اسماء کے علوم بھی اس لئے شریف سمجھے جاتے ہیں کہ وہ معرفت الٰہی کا ذریعہ بنتے ہیں کیونکہ اشیاء کا وجود افعال ذات باری کا نتیجہ ہے اس لئے افعال ذات باری کی معرفت درحقیقت ذات باری کی معرفت ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز واسطہ معرفت الٰہی ہو اس کا علم بھی شریف ہوگا اسی خیال سے علم تصوف و حدیث تمام دیگر علوم کی نسبت اشرف سمجھے جاتے ہیں۔

اَلْقَابِضُ اَلْبَاسِطُ قال اللہ تعالےٰ وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْسُطُ۔ ان ہر دو اسماء کا ذکر یکجا لانا ضروری ہے کیونکہ کمال قدرت اس امر کا مقتضی ہے کہ ہر دو متضاد پہلو پر حاوی ہو مثلاً اگر صرف اَلْقَابِضُ کا ذکر بدوں اَلْبَاسِطُ کے کریں تو اللہ تعالےٰ کو صرف صفت منع وحرمان کے ساتھ ذکر کرنا لازم آئیگا اور یہ جائز نہیں۔

قبض وبسط کے لغوی معنے علی الترتیب سکیڑنے اور فراخ کرنے کے ہیں اور یہ معنے تمام اشیاء موجودات کو احاطہ کئے ہوئے ہیں چنانچہ موارد ذیل قابل غور ہیں

(۱) اللہ تعالےٰ رزق میں قبض وبسط پیدا کرتا ہے قال اللہ تعالےٰ اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَاءُ وَیَقْدِرُ۔ یعنی اللہ تعالےٰ جس کے لئے چاہتا ہے روزی کو فراخ کردیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کردیتا ہے اور اس فراخی اور تنگی میں اس کی مصلحتیں ہیں جن کو وہی بہتر جانتا ہے قال اللہ تعالےٰ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰہُ الرِّزْقَ لِعِبَادِہٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ یعنی اگر اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کے لئے روزی کو فراخ کردیتا تو زمین میں ظلم کرنے لگ جاتے مگر وہ اپنی حکمت کاملہ سے اسی قدر عطا فرماتا ہے جس قدر مناسب ہوتا ہے۔

Marfat.com

(۲) بادلوں میں قبض وبسط پیدا کرتا ہے چنانچہ فرمایا اللہُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیَاحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُہٗ فِی السَّمَاءِ کَیْفَ یَشَاءُ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہواؤں کو چھوڑتا ہے پھر وہ ہوائیں بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر انہیں آسمان میں (خلاء میں) جس طرح چاہتا ہے پھیلاتا ہے

(۳) سایہ و نور میں قبض وبسط پیدا کرتا ہے قال اللہ تعالیٰ ثُمَّ قَبَضْنَاہُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا یعنی پھر ہم اس سایہ کو تھوڑا تھوڑا اپنی طرف سمیٹتے چلے آتے ہیں۔

(۴) ارواح میں قبض وبسط پیدا کرتا ہے قبض تو موت کے وقت اور بسط حیات کے وقت۔

(۵) زمین میں قبض وبسط قال اللہ تعالیٰ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُہٗ اور نیز فرمایا اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِہَادًا ای بساطًا

(۶) قبض صدقات قال اللہ تعالیٰ یَاْخُذُ الصَّدَقَاتِ والاخذ بمعنے القبض

(۷) قبض وبسط قلوب

واضح ہو کہ قلوب میں قبض وبسط کی حالت بعینہٖ خوف ورجا کی حالت سے مشابہ ہوتی ہے کیونکہ خوف کسی امر ناگوار کے زمانہ مستقبل میں وقوع کے متعلق ہوتا ہے اور رجا کسی امر مطلوب کے حصول کے متعلق۔ البتہ قبض وبسط میں ماضی و مستقبل نہیں ہوتا اور خوف ورجا میں زمانہ مستقبل کا تعلق ضروری ہے جس طرح خوف ورجا میں قوت وضعف کے لحاظ سے مدارج ہوتے ہیں اسی طرح قبض وبسط کے بھی مدارج مختلفہ ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ موجب قبض بعض اوقات تو معلوم ہوتا ہے اور بعض اوقات نامعلوم ایسی حالت میں بجز تسلیم کچھ چارہ نہیں کیونکہ حضرات مشائخ نے لکھا ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اگر سالک قبض کے دور کرنے میں کوشش کرے تو قبض اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اور جب تسلیم اختیار کرلے۔ تو

Marfat.com

اللہ تعالیٰ فی الفور زائل کر دیتا ہے قال اللہ تعالیٰ وَاللّٰہُ یَقۡبِضُ وَیَبۡسُطُ حضرت جنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اَلۡخَوۡفُ یَقۡبِضُنِیۡ وَالرَّجَاءُ یَبۡسُطُنِیۡ فَاِذَا قَبَضَنِیۡ الۡخَوۡفُ اَفۡنَانِیۡ وَاِذَا بَسَطَنِیۡ الرَّجَاءُ اَحۡیَانِیۡ یعنی خوف میرے لئے موجب قبض ہے اور رجا موجب بسط سو بحالت قبض میں مرجاتا ہوں اور بحالت بسط زندہ ہو جاتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس ذات اقدس کا جلال موجب قبض اور جمال موجب بسط ہے ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آدم علیہ السلام کو حکم دیگا کہ اہل جہنم کو جہنم کی طرف چلاؤ۔ آدم علیہ السلام عرض کرینگے خدایا کس قدر افراد کو جہنم کی طرف چلاؤں۔ حکم ہوگا کہ ہزار میں سے نوسے ننانوے اہل جہنم ہیں۔ حضور علیہ السلام کا یہ کلام سنکر صحابہ سخت پریشان ہوئے اور جب صبح ہوئی اور حضور انور نے انہیں مغموم پایا تو فرمایا کہ تمہاری تعداد تمام گذشتہ امتوں کے مقابلہ میں وہی نسبت رکھتی ہے جو سفید بیل کے جسم پر سیاہ خال کو اس کی سفیدی جسم سے ہوتی ہے اس ارشاد نبوی کے پہلے حصہ سے صحابہ کے قلوب میں قبض پیدا ہو گئی تھی اور دوسرے حصہ سے بسط کیونکہ پہلے حصہ میں جلال اور دوسرے میں جمال کی طرف اشارہ ہے

حضرات مشائخ لکھتے ہیں کہ قابض وہ ذات ہے جو اپنے جلال کو قلب سالک پر تسلط کرے اور باسط وہ ذات ہے جو اپنے جمال کو قلب سالک پر منکشف کرے بعض لکھتے ہیں کہ قابض وہ ذات ہے جو اپنے فراق کا بندہ کو خوف دلائے اور باسط وہ ذات ہے جو اپنے عفو سے اس کو امن بخشے۔

امام غزالی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں بندگان خدا میں سے قابض و باسط وہ شخص ہوتا ہے جس کے قلب پر حکمت کے عجائبات منکشف ہوں اور اسے ایسا کلام عطا کیا جاوے جو باوجود اختصار کے نہایت جامع ہو ایسے کلام کو جوامع الکلم بولتے ہیں

Marfat.com

سو کبھی تو ایسا شخص عباد اللہ کو دلائل رجاء سے بسط اور کبھی دلائل خوف سے قبض کا افاضہ کرتا ہے۔

الخافض الرافع خفض کے معنی لغت میں پست کرنے اور رفع کے معنی بلند کرنے کے ہیں قال اللہ تعالیٰ یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ اور قیامت کی صفت میں فرمایا خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ دین میں خفض و رفع سے اضلال و ارشاد مراد ہے خواہ معرفت ذات باری کے متعلق ہو یا طاعت کے متعلق۔ اور دنیا میں رفع و خفض سے درجات بلند کرنا و ساقط کرنا مراد ہوا کرتی ہے اور قیامت کو خافضہ رافعہ اس لئے کہا گیا ہے کہ کفار کو اسفل درکات جہنم میں اور ابرار کو اعلیٰ درجات جنت میں لے جائے گی اس لئے یہ دونوں اسماء ذات باری کے صفات افعال میں سے شمار کئے گئے ہیں۔

حضرت مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں ایک قوم کے لئے اہانت مقدر کر دی اور دوسری کے لئے اعانت اس لئے وہ ایک کے لئے خافض اور دوسری کے لئے رافع ہے انسان کامل کو ان سے یہ بہرہ ہے کہ وہ جانب روح کو جانب نفس پر بلند رکھتا ہے اور اولیاء اللہ کی نصرت اور اعداء اللہ کی مخالفت کرتا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رافع وہ ذات ہے جو اولیاء کو اعلیٰ درجات عطا فرما کر انہیں اپنا مقرب بنالے اور اعداء کو اپنی بارگاہ سے دور رکھے۔ یا یوں کہو کہ اولیاء کو محسوسات اور شہوات سے بالاتر لے جا کر گروہ ملائکہ میں داخل کرے اور اعداء کو لذات حیوانیہ دنیویہ میں مبتلا رکھے۔

المعز المذل یہ دونوں اسم بھی ایک جا کئے جاتے ہیں ایک کا بدوں دوسرے کے ذکر کرنا ذات باری کے حق میں موجب نقص ہے قال اللہ تعالیٰ تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ ان دونوں اسماء کی توضیح کے لئے اس امر میں غور کرنا چاہئے کہ

Marfat.com

انسان کا کمال اس امر میں ہے کہ ذات حق کی معرفت محض ذات حق کے لئے حاصل کرے۔ اور امر خیر کی حقیقت کو اس لئے سمجھے کہ اس پر عامل ہو۔ سو جب بندہ صبر کو یہاں تک لازم پکڑ لے کہ انوار ربوبیت کے مشاہدہ میں مستغرق ہو جائے اور ما سوی اللہ سے اس کی التفات منقطع ہو جائے تو اس کو حقیقی اعزاز کا مقام حاصل ہو جاتا ہے اور اگر اس کی حالت اس کے برخلاف ہو تو مقام اذلال میں آ ٹھہرتا ہے اور ان ہر دو میں بہت سے مدارج ہیں جو مشاہدہ انوار ربوبیت کی نسبت کے رو سے مختلف ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ عزت مطلق کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ تمام ما سوے اللہ سے احتیاج کو منقطع کر لے اور چونکہ عدم احتیاج مخصوص بذات باری ہے اس لئے حقیقی عزت کا مالک بھی وہی ہے قال اللہ تعالےٰ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معز مذل سے وہ ذات اقدس مراد ہے جو اپنی مشیت ازلی کے مطابق جس کو چاہتا ہے ملک حقیقی کا مالک بنا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے محروم رکھتا ہے اور ملک حقیقی سے مراد ذلت احتیاج اور غلبہ شہوت سے نجات پانا ہے ایسے شخص کو اللہ تعالےٰ حضیض جہل سے نکال کر اوج معرفت پر ترقی عطا فرماتا ہے سو جس کے قلب پر سے اللہ تعالےٰ حجاب اٹھا دیتا ہے اور جمال حضرت باری کا مشاہدہ کر لیتا ہے اور مقام قناعت میں اس کو استقامت حاصل ہو جاتی ہے اور تمام مخلوقات سے بے نیاز ہو کر خداوندی تائید سے صفات نفس پر غالب آ جاتا ہے وہ درحقیقت حقیقی عزت کا مالک ہے اس عالم دنیا میں بھی اور عالم آخرت میں بھی ایسے ہی شخص کو دنیا سے رخصت ہوتے وقت یوں خطاب کیا جاتا ہے یَآ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ یعنی اے نفس مطمئنہ (جس کی اوپر تعریف ہو چکی ہے) اپنے رب کی طرف لوٹ اس حال میں کہ تو اللہ تعالےٰ سے راضی ہے اور اللہ تعالےٰ تجھ سے راضی

Marfat.com

سو آج تو میرے مقبول بندوں میں شامل اور میری جنت میں داخل ہو جا برخلاف اس کے ذلیل وہ شخص ہے جو عاجز مخلوق کا محتاج رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دئے پر قناعت نہ کرکے حرص کا کتا بن جاتا ہے اور در بدر مارا پھرتا ہے سو ایسا شخص ہمیشہ ظلمت جہل میں گرفتار رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے سلطنت عزت کو چھین لیتا ہے اور یہی حقیقی ذلت ہے اور اس ذلت کا مارا وہی شخص ہے جس کو یوں خطاب کیا جائیگا وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ الآیۃ یعنی تم لوگ نفس امارہ کی خواہشات میں مبتلا رہے اور ناپائدار لذتوں کے پیچھے پڑے رہے ہو۔

ہر کو دو آں کش ز در خویش براند — وآنرا کہ بخواند بدر کس ندواند

یہاں تک تو اس عزت و ذلت کا ذکر تھا جس کو روح انسانی سے تعلق ہے جسمانی عزت و ذلت کا معیار یہ ہے کہ جس شخص کو صحت و عافیت۔ مال و جاہ۔ شرف نسب۔ کثرت انصار حاصل ہو وہ عزت کا مالک ہے اور جس کو یہ باتیں نصیب نہوں ذلیل ہے اس توجیہ کے مطابق اعزاز و اذلال صفات افعال میں داخل ہیں۔

حضرات مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ معز وہ ذات ہے جو اپنے اولیاء کو عزت عصمت سے امتیاز بخشے اور پھر اپنی رحمت سے انہیں مغفرت عطا فرماوے اور دار آخرت میں اپنے مشاہدہ جمال سے محظوظ و مسرور کرے اور مذل وہ ذات ہے جو اپنی معرفت سے اپنے اعداء کو محروم رکھے اور انہیں اپنی معصیت کی طرف لگا کر انہیں مستحق لعنت بنائے اور بالآخر جہنم میں جھونک دے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ معز وہ ذات ہے جو بندہ کو ذلت نفس پر آگاہ کرکے اس کو عزت بخشے اور مذل وہ ذات ہے جو بندہ کو عزت نفس کے غرور میں مبتلا کرکے اس کو

ذلیل کرے۔

السمیع آیۃ فَاِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ہر دو اسم کا مفہوم ایک نہیں کیونکہ ایک ہونے کی صورت میں تکرار بے فائدہ لازم آتا ہے سمع کی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ایک علمی انکشاف ہے جو کسی سامع کو بذریعہ صوت کے حاصل ہو مگر یہ حقیقت ذات باری کی نسبت صحیح نہیں کیونکہ اس کا علم امر سے مکتسب نہیں بلکہ ذاتی ہے اور یہ امر کچھ حقیقت سمع ہی سے مخصوص نہیں بلکہ دیگر معلومات کی نسبت بھی ایسا ہی خیال کیا جا سکتا ہے مثلاً ہماری [illegible] کا علم بذریعہ قوت باصرہ یا بصر کے آتا ہے اور ذات باری کے لئے ایسا قیاس کرنا غلط ہے بلکہ ذات باری کے معلومات کو ہمارے معلومات سے وہی نسبت ہے جو خود ذات باری کو ہماری ذات سے نسبت ہے الغرض سمیع اور بصیر وغیرہ صفات صرف بطور اشتراک لفظی ہمارے اور ذات باری کی نسبت بولے جاتے ہیں ورنہ ان کی حقیقت ایک نہیں ہمارے صفات ناقص و علت معلول ہیں اور ذات باری کے صفات ان عیوب سے بری ہیں جو لوگ مادی اشیاء سے بالاتر حقائق کا ادراک نہیں کر سکتے ان کا علم صفات باری کی نسبت نہایت ضعیف ہے حالانکہ وہ ذات مقدس اپنی مخلوق اشیاء اور ان کے صفات کی مشابہت سے بالاتر ہے اور لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ اس کا وصف ذاتی ہے

سماع بمعنے قبول واجابت بھی مستعمل ہے چنانچہ [illegible] میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ [illegible] وَمِنْ دُعَاءٍ لَا یُسْمَعُ [illegible] نماز میں کہا جاتا ہے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ [illegible] ای قبل اللہ

حضرت مشائخ کرام کہتے ہیں کہ سمیع ذات باری کو اس لئے [illegible]

Marfat.com

کہ وہ اپنے بندوں کی پکار کو سنتا ہے اور ان کی عاجزی اور فروتنی پر متوجہ ہوتا ہے اس کو ایک بندہ کی پکار دوسرے بندہ کی پکار سننے سے نہیں روک سکتی

بعض لکھتے ہیں کہ اس اسم کی توجیہ یوں ہے کہ ذات باری عین اضطرار کے وقت اپنے بندوں کی پکار کو سنتا ہے اور ان کی مصیبت کو دور کرتا ہے۔ اور طالب مغفرت کو مغفرت عطا فرماتا ہے اور عذر کرنے والے کا عذر مانتا ہے

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کامل کو اس اسم سے یہ حصہ ملتا ہے کہ اس کو جب سمیع ذات باری کی حقیقت کا پتہ لگ جاتا ہے تو وہ اپنی زبان کی محافظت کرتا ہے اور کبھی کوئی کلمہ ناجائز یا عبث منہ سے نہیں نکالتا اور وہ اپنی سمع کو کلام الہی کے سننے میں مشغول رکھ کے ہدایت کا ذخیرہ جمع کرتا ہے

البصیر یہ فعیل کا وزن ہے جس کے معنے بصر کے ہیں جیسے الیم بمعنے مؤلم ہے اور بصیر دانا۔ ذات باری کی حقیقت بصر کو حقیقت سمع پر قیاس کرنا چاہیئے جس طرح سمع ذات باری انسانی سمع سے بالاتر ہے اور محض بطور اشتراک اسمی ہر دو پر سمع کا لفظ اطلاق کیا جاتا ہے اسی طرح اس کی حقیقت بصر انسانی بصر سے بالکل علیحدہ ہے کیونکہ انسانی بصر تو حدقہ حلقہ چشم اور الوان و صور متشکل و مرئیات کی محتاج ہے مگر ذات باری ان اشیاء کی محتاج نہیں۔ اس لئے بصر ذات باری کی حقیقت ایک ایسی صفت ہے جس سے ذات باری کے سامنے ایک ایک ذرہ کا نشان کیا بلکہ اس سے بھی زیادہ دقیق اشیاء از خود منکشف ہیں اور یہ انکشاف اس درجہ کمال پر پہنچا ہے کہ اس سے زیادہ ناممکن اور غیر متصور ہے

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ جو شخص ذات باری کی حقیقت بصر سے آگاہ ہو جاتا ہے وہ اپنے باطن کو مراقبہ اور محاسبہ سے آراستہ کرتا ہے یہی وجہ ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی معصیت کرنا چاہو تو ایسی جگہ

کرو کہ جہاں وہ تمہیں نہ دیکھتا ہو اور بعض یوں لکھتے ہیں کہ سمیع وہ ذات ہے۔ جو باطن کے راز اور خفی منصوبوں سے مطلع ہو اور بصیر وہ ذات ہے جو تحت الثریٰ سے عرش بریں تک کے اشیاء کو دیکھتا ہو۔

انسان کامل کو اس سے دو قسم کا بہرہ ہوتا ہے اوّل حسّ ظاہری کے لحاظ سے جس میں وہ دیگر حیوانات کے ساتھ شریک ہے اور یہ بہرہ بہت کم درجہ کا ہے کیونکہ محسوسات کے ادراک سے زیادہ کچھ مفید نہیں دوم نور بصیرت جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ اس بات کا یقین کرے کہ بصارت عجائبات کائنات میں جو زمین و آسمان میں موجود ہیں غور کر کے عبرت حاصل کرنے کے لئے دی گئی ہے چنانچہ مسیح علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ مخلوقات میں کوئی آپ کا مثل ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جس شخص کی نظر عبرت اور کلام ذکر الٰہی ہو وہ میرا مثل ہے

اسم بصیر کا ایک حظ یہ بھی ہے کہ عبد کو یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے اس لئے اس سے کوئی معصیت سرزد نہیں ہوتی اور جو شخص لوگوں سے معصیت کو چھپاتا ہے اور اس کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے وہ حقیقتاً یقین سخت گستاخ اور زیاں کار ہے اور اگر اسے یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے نہیں دیکھتا تو وہ کافر ہے مراقبہ جو ثمرۂ ایمان ہے اسم بصیر ہی کی حقیقت پر مطلع ہونے کا نتیجہ ہے اور احسان بھی اسی اسم کی حقیقت کا نتیجہ ہے جس کی نسبت حدیث میں یوں وارد ہوا ہے کہ احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح پر عبادت کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اتنا تو ہو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے

اَلحَکَم زجاج نحوی کہتے ہیں کہ حاکم اور حکم کا مفہوم ایک ہی ہے۔ جیسے واسط اور وسط اور حکم لغت میں بمعنے منع یعنی کسی کو کسی امر سے روکنے کے لئے مستعمل ہے چنانچہ حکمہ لگام کو بولتے ہیں کیونکہ گھوڑے کو روکتی ہے اور حکمت بمعنی دانش ہے

Marfat.com

کیونکہ مدعی کو سنتا ہے مستند دو فریق سے اور یہی معنی حکم میں ملحوظ ہیں کیونکہ مدعی اور
مدعا علیہ کو فریق کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے وصف حکم کو ثابت کیا ہے
چنانچہ احکم الحاکمین اور الا لہ الحکم اور لہ الحکم وغیرہ الفاظ قرآن مجید میں
وارد ہوئے ہیں اس لئے حاکم اور حکم کے معنے ایسی ذات کے ہیں جس کا فیصلہ
قطعی ہو اور اس کو کوئی رد نہ کر سکے اللہ تعالیٰ کے حکم کی حقیقت کو سمجھنا چاہئے
کہ کس طرح اس نے سعادت و شقاوت کے اسباب کا سلسلہ دنیا میں قائم کردیا
ہے قضا و قدر حقیقت حکم ذات باری پر مرتب ہیں اور انہیں پر یہ تمام سلسلہ
کائنات کا چل رہا ہے اس لئے حکم ازلی سے اسباب کلیہ کو وضع کرکے ان کے
مسببات کو ان سے متعلق کر دیا ہے اور مسببات کو اسباب سے متعلق کرنے سے مطلب
یہ ہے کہ وہ اپنی مشیت ازلی کے مطابق تعدد و مقادیر منسوب متناسب کر کے ان
حوادث کے متعلق آناً فاناً پیدا کرتا رہتا ہے اس لئے سعادت و شقاوت کے متعلق
بھی ایک ایک آن میں مناسب اسباب ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں اور ان میں
سے ایک ایک کی تاثیر ہے کسی شئے کو دخل نہیں یہی وجہ ہے کہ کوئی امر حائل
قضا و قدر سے فارغ نہیں جب اللہ تعالیٰ کسی کے حق میں سعادت کا حکم نافذ کرنا
چاہتا ہے تو اس کے اسباب مناسبہ کو متوجہ کر دیتا ہے علیٰ ہذا شقاوت کے اسباب
مناسبہ کو بھی اسی طرح ظہور میں لاتا ہے اسباب سعادت قلب بسط و انشراح
اور اسباب شقاوت تنگی و انقباض کا موجب ہو کر حکم ازلی کو پورا کر دیتے ہیں نظر
تحقیق اس امر کا فیصلہ کر دیتی ہے کہ تمام امور عالم کا انتظام سلسلہ اسباب و مسببات
سے وابستہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کا ایک اندازہ مقرر فرما رکھا ہے اور
تمام عالم بمنزلہ ایک کل کے ہے جس کے پرزے اپنی اپنی جگہ حرکت کر رہے ہیں
... پیدا کر رکھا ہے زمین و آسمان چاند اور سورج عناصر اربعہ

Marfat.com

کی کل کے لئے بمنزلہ پرزوں کے ہیں مثلاً غور کرو کہ آفتاب جب اپنی حرکت میں افق
مشرق پر نمودار ہو تو دنیا میں روشنی پھیل جاتی ہے اور لوگ اس کی روشنی میں
اپنے کاروبار کو سرانجام دیتے ہیں اور اس کی حرارت سے نباتات و جمادات تربیت
پاتے ہیں اور جب مغرب میں چلا جاتا ہے تو لوگ اپنا کاروبار چھوڑ کر آرام لینے پر
مجبور ہوتے ہیں اور جب وسط آسمان یعنی خط استواء کے قریب آجاتا ہے تو
موسم گرما میں ضروری پیداواریں تیار ہوتی ہیں اور جب خط استواء سے دور
چلا جاتا ہے تو موسم زمستان میں سردی پڑنے لگتی ہے اور اس موسم کے متعلق نباتات
نشوونما پاتی ہیں اور جب خط استواء اور قطب شمالی یا قطب جنوبی کے درمیان
ہوتا ہے تو اعتدال کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر دو موسم بہار یعنی ربیع و خریف
کا دورہ ہوتا ہے فصول اربعہ کے یہ تغیرات گو ایسے واضح امور ہیں جن سے ہر ایک
شخص واقف ہے مگر ان کے ذیل میں ہزاروں عجائبات کا مخفی خزانہ دبا
رکھا گیا ہے جن سے ذات باری کے اعلیٰ سے اعلیٰ نظام کائنات کا ثبوت ملتا
ہے اور یہ سب کچھ مشیت ازلی پر مبنی ہے قال اللہ تعالیٰ والشمس والقمر
بحسبان یعنی شمس و قمر کے حرکات ایک اندازہ معین پر رکھے گئے ہیں جس کے
مطابق عالم کائنات میں لاکھوں حوادث ضروریہ کا وقوع ہوتا رہتا ہے اور اس
حسبان میں اشارہ ہے اسی مشیت ازلی کی طرف جس پر قضا و قدر کے احکام
مترتب ہوتے رہتے ہیں اسی کو تقدیر ازلی بولتے ہیں اگر [illegible] مسئلہ
جبر و اختیار کی صورت بھی واضح ہو سکتی ہے وہ لوگ جو [illegible]
ہیں انسان کو مختار مطلق مانتے ہیں ان کی یہ دلیل ہے کہ انسان کو اپنے ارادہ
کے مطابق کسی امر کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے ہم دیکھتے ہیں کہ
ہمیں کوئی کسی امر کے کرنے یا نہ کرنے پر مجبور نہیں کرتا اور قرآن [illegible]

یوں وارد ہوا ہے مَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ یعنی جو شخص چاہے ایمان لائے اور جو شخص چاہے انکار کردے اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسان خود مختار ہے اللہ تعالے کی طرف سے اس پر کوئی جبر نہیں ہم کہتے ہیں کہ اگر ہم مان لیں کہ کسی امر کے کرنے یا نہ کرنے کا انسان کو اختیار ہے اور وہ آزاد محض ہے تو اس ارادہ کی علت کیا ہے جس پر اس کا کرنا یا نہ کرنا مبنی ہے کیا اس ارادہ کا پیدا کرنا بھی انسان کے اختیار میں ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس ارادہ کا پیدا کرنا بھی انسان کا فعل مانا جاوے تو اس ارادہ کے لئے بھی ارادہ کی ضرورت ہوگی علے ہذا القیاس تسلسل لازم آئے گا جس کے مان لینے پر لازم آئے گا کہ انسان سے کبھی کوئی فعل ہی وقوع میں نہ آسکے لہذا ہمیں تسلیم کرنا پڑا کہ انسان اپنے افعال میں مختار مطلق نہیں۔ بلکہ تابع مشیت الٰہی ہے رہا مذکورہ بالا آیت سے استدلال سو وہ نہایت استحکام کے ساتھ مشیت الٰہی کو ثابت کر رہی ہے چونکہ اس میں گو بظاہر مشیت انسان کو مطلق ثابت کیا ہے مگر دوسری آیات سے اس کا مقید ہونا خود ثابت ہو رہا ہے قال اللہ تعالے وَمَا تَشَاؤُنَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ ط اس لئے مذہب صحیح یہی ہے کہ انسان اضطرار و اختیار کے مابین رکھا گیا ہے یعنی ہم فاعل ہیں مگر ہمارا فعل مشیت ذات باری پر موقوف رکھا گیا ہے کیونکہ ہماری مشیت معلول ہے مشیت باری کا اور بس۔ ایک حدیث تو اس کی ہے یوں ہے قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ یعنی مومن کا قلب اللہ تعالے کی دو انگلیوں کے درمیان رکھا ہے۔ جس طرح چاہتا ہے اسے پھیر دیتا ہے گو یہ حدیث منجملہ متشابہات کے ہے مگر محققین متأخرین نے اس کی توجیہ یوں کی ہے کہ دو انگلیوں سے خیر و شر کے دو سبب مراد

Marfat.com

ہیں جو ارتکاب فعل یا ترک فعل کا موجب ہوتے ہیں اور قلب ان ہر دو سبب
کے درمیان رکھا گیا ہے۔ اگر سبب فعل مشیت باری سے حاصل ہو جائے تو
ارتکاب فعل ہو جاتا ہے اور اگر سبب ترک موجود ہو تو فعل ظہور میں نہیں آ سکتا
یہی وجہ ہے کہ ایک دعائے نبوی میں یہ الفاظ مروی ہیں یا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ
ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ اور اگر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ قلب (دل) کو قلب
کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اسباب مختلفہ کے پیش آنے پر ایک حال سے
دوسرے حال کی طرف منقلب ہوتا رہتا ہے۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ حظ حاصل ہوتا ہے کہ چشم بصیرت
سے دیکھ لیتا ہے کہ تمام امور مقدرہ حسب مشیت ازلی جاری ہیں۔ جن میں
کمیت و کیفیت کے رو سے کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ سو جب
اس کو کامل یقین ہو جاتا ہے کہ مقدر ازلی اٹل ہے تو اس کو مستقبل سے کچھ
سروکار نہیں ہوتا۔ بلکہ جو حالت اس پر گذرتی ہے اس کو سابقہ ازلی کا نتیجہ
سمجھ کر مطمئن رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَنْ عَرَفَ
سِرَّ اللّٰهِ فِی الْقَدَرِ هَانَتْ عَلَیْهِ الْمَصَائِبُ جو شخص اللہ تعالیٰ کے راز
قضا و قدر کو جان لیتا ہے اس پر مصائب آسان ہو جاتے ہیں اور پھر فرمایا
المقدور کائن والھم فضل یعنی امر مقدر کا وقوع ضروری ہے اور کوشش
و محنت امر زائد ہے اس جملہ کا یہ مطلب نہیں کہ کوشش و محنت مقدر سے کوئی
خارج امر ہے نہیں بلکہ یہ بھی مقدر ہی ہے مگر اس کو کسی امر کے وقوع کرنے میں
کچھ دخل نہیں کیونکہ اگر اس کو دخل ہو تو لازم آتا ہے کہ فرع
(کوشش و محنت) اپنے اصل (مشیت ازلی) کو باطل کر دے اور یہ محال
ہے۔

Marfat.com

بعض محققین اہل باطن کا قول ہے کہ ہر ایک شخص اپنے خاتمہ سے ڈرا
کرتا ہے میں سابقہ ازلی سے ڈرتا رہتا ہوں کیونکہ خاتمہ کا اچھا یا برا ہونا
سابقہ ازلی پر مبنی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مقدرات ناممکن ہے کہ
خارق عادت کے حیلے سے ٹل جائیں ہم کبھی باغ یا زراعت کو ہرا بھرا دیکھتے
ہیں یکایک آسمان کی آفت کے نازل ہونے پر بے نام ونشان ہو جاتے ہیں،
قال اللہ تعالیٰ اَتَاهَا اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا
كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ اسی طرح عبد کا حال ہے کہ وہ عمر بھر عبادات
میں مجاہدت وریاضت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اس کو قعر جہنم
میں لے جاتی ہے فاعاذنا اللہ تعالیٰ

ایک وہ لوگ جنہیں اپنے خاتمہ کی فکر ہے اور ایک وہ جنہیں سابقہ ازلی پر
نظر ہے اور ایک وہ حضرات ہیں جنہیں غایت استغراق کی وجہ سے حال کی
طرف بھی توجہ نہیں یہی لوگ ہیں جو سب سے بڑھ کر مقرب بارگاہ ہونے کا
استحقاق رکھتے ہیں۔ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ

اَلْعَدْلُ عدل مصدر ہے اور بطور مبالغہ فی الوصف اس سے عادل مراد لیا
کرتے ہیں جیسے رَبٌّ سے رَابٌّ بِرٌّ سے بَارٌّ مراد ہے یعنی مصدر بمعنے صیغہ صفت
واسم فاعل اکثر مستعمل ہے یقال عَدَلْتُ الشَّیْءَ اَعْدِلُہٗ اِذَا قَوَّمْتَہٗ
یعنی عدل کے معنے راست کرنے کے ہیں جو کج کرنے کی ضد ہے اعتدال فی الامور
اسی سے مشتق ہے جس کے معنے استقامت کے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کے
عدل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ذات باری تمام نقائص سے جو افراط وتفریط کا نتیجہ ہیں
بالکل پاک ہے مثلاً وہ تنزیہ وتشبیہ ہر دو سے بالاتر ہے یعنی نہ صرف تنزیہ جس سے
معطلین کی طرح الزام آسکے اور نہ صرف تشبیہ جس سے اس کا مجسم ہونا لازم آئے۔ بلکہ

Marfat.com

وہ ذات مقدس تنزیہ اور تشبیہ ہر دو کے درمیان ہے اور یہی مسلک جمہور حضرات ائمہ اہل السنت والجماعۃ کا ہے چونکہ ذات باری ہر ایک قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہے اس لئے وہ جور و ظلم سے منزہ ہے معتزلہ اور بعض دیگر اہل کفر و بدعت نے اس اسم پر اپنے ایک اعتراض کی بنا قائم کی ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ جب خالق کفر ذات باری ہے اور کفر پر عذاب بھی وہی ذات کریگی اور یہ عذاب بھی ابدی ہوگا تو یہ کہاں کا عدل ہے؟ اس لئے ضروری ہوا کہ خالق کفر ذات باری نہیں بلکہ خود انسان ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ ذات باری کا وصف خلق اس کے علم اور ارادہ پر مبنی ہے اور وہ کبھی باہم مخالف نہیں ہو سکتے لہٰذا وہی ذات خالق اشیاء ہے اس معارضہ کا جواب یقیناً معترضین کے پاس کچھ نہیں۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وصف عدل کا ادراک ظلم و جور کی حقیقت کے ادراک پر مبنی ہے اور ظلم کے معنے ہیں وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَوْضِعِہٖ یعنی کسی چیز کو ایسے محل پر رکھنا جو در حقیقت اس کا محل نہیں اور اس امر کی حقیقت کا پتہ ذات باری کے افعال میں غور کرنے سے لگتا ہے اس لئے حقیقت عدل کا ادراک افعال ذات باری میں غور کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے اور افعال ذات باری کی حقیقت کا پتہ اس شخص کو لگ سکتا ہے جو ملکوت السموات والارض کی موجودات اور ان کے روابط کی حقیقت سے آگاہ ہو اور سلسلہ نظام کائنات کو اسباب و مسببات کی صورت میں مشاہدہ کر سکتا ہو۔

بعض اوقات عام لوگ یہ سمجھا کرتے ہیں کہ ایذا ظلم ہے اور کسی کو نفع [illegible] عدل مگر در حقیقت یہ صحیح نہیں کیونکہ ایک واعظ کو تنخواہ اور ایک سپاہی کو علم حدیث کی کوئی کتاب بطور انعام دینا ایصال نفع تو ہے مگر اس کو عدل نہیں کہیں گے کیونکہ عدل وہی ہے جس کی تفسیر وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ مَوْضِعِہٖ سے [illegible]

ایذا الرسانی میں اس خیال کے روسے کسی مجرم کو عقوبت کرنا یا کسی مریض کو کڑوی دوائی پلانا یا اس کے زخم کا چیرپھاڑ کرنا عین عدل ہے۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے افعال کو عین عدل سمجھتا ہے اور خواہ وہ اس کے مخالف ہوں یا موافق ان پر اعتراض نہ کرے اور اسی حظ کا نتیجہ ہے کہ وہ زمانہ یا فلک کو بھی برا بھلا نہیں کہتا جب کہ عام شعراء کا قاعدہ ہے کیونکہ اس سے حوادث کو غیر اللہ کی طرف نسبت کرنا پایا جاتا ہے۔ بلکہ اسے یقین کلی ہوتا ہے کہ تمام حوادث ارادہ ذات باری پر مبنی ہیں اور تمام اسباب زمانہ نجوم وغیرہ اس کے ارادہ ازلی کے تابع ہیں الغرض انسان کامل کو اس اسم سے جو بہرہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ افراط و تفریط سے محفوظ ہو کر غضب و شہوت کو قوت عاقلہ کے تابع رکھتا ہے اور جب وہ اپنی ذات میں وصف عدل سے موصوف ہو جاتا ہے تو اصلاح نفس کے بعد دیگر بنی نوع کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہوا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ یعنی ہر ایک شخص اپنی اپنی رعایا کی بابت قیامت کو پوچھا جائیگا انسان کے اعضاء اور قوی بھی اس کی رعایا ہیں۔

اَللَّطِیْفُ قال اللہ تعالیٰ اَللّٰہُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِہٖ اور پھر فرمایا اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ اس اسم کی حقیقت کا ادراک بھی ذات باری کے افعال کی حقیقت پر مطلع ہونے کی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے اور اس کی تفسیر میں چار قول مذکور ہیں۔

(۱) اس چھوٹی سی چھوٹی چیز کو بھی لطیف کہدیا کرتے ہیں جو بدرجہ غائت صغیر ہونے کی وجہ سے محسوس نہ ہو سکتی ہو چونکہ اللہ تبارک و تعالےٰ کی ذات جسم اور جسمانیت سے پاک و منزہ ہے اور اس کا احساس ناممکن ہے اس لئے یہاں لفظ مزدوم سے

اس کا لازم معنے یعنی ذات غیر محسوس مراد ہے۔

(ب) لطیف اس شخص کو بولتے ہیں جو باریک سے باریک امور کا علم رکھتا ہو چنانچہ لطیف الید ایسے شخص کو بولتے ہیں جو اپنی صنعت میں اعلیٰ مہارت اور نزاکت کا استعمال کر جانتا ہو جس کو کوئی دوسرا آسانی نہ بجا لا سکے اس تفسیر کی رو سے لطیف سے وصف علم کا اشارہ مفہوم ہوتا ہے چونکہ ذات باری کے افعال میں اعلیٰ سے اعلیٰ لطافت پائی جاتی ہے اس لئے وہ لطیف ہے۔

(ج) لطیف وہ ذات ہے جو اپنے بندوں پر اس طرح مہربان ہو کہ ان کو اس کے طریق لطف کا نہ تو علم ہو اور نہ ان وجوہ مصالح سے جو ان کی بہبودی کے لئے تیار کرتا ہے کوئی آگاہ ہو قال اللہ تعالیٰ لَطِیْفٌ بِعِبَادِہٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَاءُ

(د) امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسم لطیف کا استحقاق اس ذات کو حاصل ہے جو دقیق سے دقیق مصالح کا علم رکھنے کے ساتھ ان مصالح کو ان کے مناسب مواقع تک نہایت نرمی کے ساتھ پہنچائے اور جب یہ علم اور عمل ہر دو کسی ذات کو حاصل ہوں تو وہ بدرجہ کمال لطیف ہے سو یہ کمال بجز ذات باری کے کسی کو حاصل نہیں کمال علم تو ظاہر ہے کیونکہ کوئی امر ظاہر ہو یا باطن ذات باری پر مخفی نہیں بلکہ ہر دو اس کے نزدیک یکساں ہیں اور افعال میں اس کے رفق یعنی نرمی کا یہ حال ہے کہ عقل انسانی اس کے حصر سے عاجز ہے دیکھو انسان کے ہیکل عنصری میں کس قدر قوتیں عمل کر رہی ہیں مگر انسان کو ان کے عمل کا کچھ علم نہیں ہوتا عالم کائنات میں جو کچھ ہے اگر ہم اس میں سے صرف ایک قسم کی تشریح کرنے لگیں جس کو انسان اپنے منہ میں رکھتا ہے تو اس کی ابتداء سے انتہا تک کے اسباب کو بیان کرنے کے لئے تمام دفاتر کائنات کے آسمانی اور زمینی ورق الٹنے پڑیں گے اور ہم پھر بھی تمام اسباب کا احاطہ نہ کر سکیں گے اسباب سے بے خبر رہیں گے اور ان اسباب ضروریہ کے عمل کے بعد سے ذات باری خود

اسماء سے تعبیر کریں گے چنانچہ دو گہتے جواد ہے مصور ہے عدل ہے لطیف ہے۔ اور اس شرح کی حقیقت سے وہی شخص آگاہ ہو سکتا ہے جو افعال ذات باری کی حقیقت کا ادراک کر سکتا ہے۔

واضح ہو کہ ذات باری کے لطف کا نتیجہ ہے کہ اس نے ہمیں حصول سعادت کے اسباب پیدا کر کے ان کے استعمال کی توفیق دی جبکہ ایک مختصر مدت العمر میں اس نے اپنے دائمی اور ابدی انعامات سے بہرہ یاب ہونے کا موقع دے رکھا ہے

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ لطیف وہ ذات ہے جو ہر ایک مشکل کو آسان بنا کے اور ہر ایک کی مشکل کا حل کرے اور بعض فرماتے ہیں کہ لطیف وہ ذات ہے جو ابتداء میں توفیق عمل صالح عطا فرمائے اور انتہا میں اس کو پایۂ قبول بخشے اور بعض نے یوں تفسیر کی ہے کہ لطیف وہ ذات ہے کہ بار بار [illegible] ہونے کے ستر عیوب کرے اور اپنی عطا سے غنی بنا دے۔

انسان کامل کو اس سے یہ بہرہ ملتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر شفقت و رأفت کا اظہار کرتا رہے جس کی اعلیٰ صورت یہ ہے کہ وہ بندگان خدا کو دعوت الی الحق کرے بعض محققین نے لکھا ہے کہ عارف کا نشان یہ ہے کہ وہ جب کسی شخص کو امر بالمعروف کرتا ہے تو طریق انبیاء علیہم السلام کے مطابق نرمی کا استعمال کرتا ہے اور درشتی سے ہرگز کام نہیں لیتا اور [illegible] کی وجہ یہ ہے کہ وہ سر قضا و قدر کو چشم بصیرت سے دیکھ رہا ہوتا ہے

الخبیر (الانعام ع) قال اللہ تعالیٰ وھو اللطیف الخبیر اور پھر فرمایا واللہ بما تعملون خبیر۔ یہ اسم مصدر خبرت سے مشتق ہے جس کے معنے آگہی کے ہیں اور علماء نے اس کی تفسیر دو طرح پر کی ہے اول یہ کہ خبیر وہ ذات ہے جو اشیاء کی کنہ اور حقیقت پر مطلع ہو قال فلانٌ خبیرٌ ببطن الامر ولہ بہ خبرۃٌ وھو المخبر بہ من قولہ ای اعلم دوسرے یہ کہ [illegible] انسان کے لئے اس اسم کا استعمال کیا جاتا ہے تو اس

Marfat.com

مراد ایسے علم سے ہوا کرتی ہے جو بذریعہ امتحان حاصل ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا علم امتحان یا یوں کہو کہ تجربہ و مشاہدہ پر موقوف نہیں بلکہ اس کا علم ذاتی ہے دوم عبد الملک لبری لکھتے ہیں کہ فعیل بمعنے مفعل مستعمل ہے چنانچہ یہاں بھی خبیر بمعنے مخبر یعنے خبر دہندہ ہے جیسے بدیع بمعنے مبدع اس صورت میں خبیر سے کلام ذات باری مراد ہوگا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خبیر وہ ذات ہے جو تمام اخبار باطنہ سے آگاہ ہو اور ملکوت السموات والارض میں کوئی ایک ذرہ بدون اس کے علم کے سکون وحرکت نہ کرسکے اس لئے اسم علیم کا مترادف ہے فرق صرف یہ ہے کہ علم ذات باری کو جب خفایائے باطن کی طرف نسبت کی جاتی ہے تو اس کو خبرۃ بولتے ہیں گویا اسم خبیر خاص ہے اور اسم علیم عام۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے عالم صغیر یعنی قلب کے تمام اندرونی حالات سے بروجہ کمال آگاہ ہوتا ہے اور محاسن اخلاق اور قبائح صفات سے پوری واقفیت رکھتا ہے اور اس بارے میں شیطان اور نفس کے نہایت باریک تسویلات باطلہ پر مطلع ہوکر ان سے محترز رہتا ہے۔

حضرات مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس اسم کی حقیقت سے واقف ہوجاتا ہے وہ تقویٰ کی صراط مستقیم سے کبھی منحرف نہیں ہوتا اور خواہشات نفس سے برطرف رہتا ہے چنانچہ امام علی زین العابدین بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص بغیر عشیرہ (قبیلہ) عزت اور بلا سلطنت ہیبت اور بلا فقر تونگری کی خواہش رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ ذلت معصیت سے نجات پاکر عزت طاعت کی بلندی پر ترقی کرے۔

اَلْحَلِیْمُ یہ اسم مصدر حلم سے مشتق ہے جس کے معنے سکون نفس کے ہیں علماء لکھتے ہیں کہ حلیم وہ ذات ہے جو باوجود گناہ اور جرم کے دیکھنے اور قدرت انتقام رکھنے

Marfat.com

کے مواخذہ کرنے میں جلدی نہ کرے کیونکہ اگر کوئی شخص انتقام میں جلدی نہ کرے مگر اس کی نیت انتقام کی ہو تو وہ حلیم نہیں کہلا سکتا بلکہ اسے حقود یعنی کینہ تو ز کہتے ہیں۔ اور اگر وہ یہ عزم رکھتا ہو کہ کبھی انتقام نہیں لیگا تو اس کو عفو و مغفرت بولتے ہیں اور یہ حلم نہیں۔ اس لئے سوال یہ عائد ہوتا ہے کہ آیا حلم میں انتقام کا خیال بھی مضمر ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں کیونکہ اگر حلم منتقم بھی ہوتا تو ذات باری کے ذوالانتقام ہونے کے کوئی معنے نہ تھے وجہ اس کی یہ ہے کہ ذوالانتقام میں جلدی یا دیر انتقام کا مفہوم شامل نہیں اس لئے صحیح یہ ہے کہ حلیم ذوالانتقام کا ضد ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ذات باری کا حلم انسانی دائرہ قیاس بالاتر ہے اور یہی وجہ ہے کہ کتاب مجید میں ارشاد فرمایا وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ یعنی اگر اللہ تعالٰے لوگوں کو ان کی بداعمالیوں پر پکڑنے لگتا تو روئے زمین پر کوئی متنفس زندہ نہ چھوڑتا۔

روایت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی نسبت مروی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو فسق و فجور میں مستغرق دیکھ کر اس کی ہلاکت کی دعاء کی وہ شخص ہلاک ہو گیا پھر ایک دوسرے شخص کو اسی حالت میں دیکھا اور دعاء کی چنانچہ وہ بھی ہلاک ہوا علی ہذا ایک تیسرے کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی جب چوتھی دفعہ آپ ایک فاسق کی نسبت دعائے ہلاکت کرنے لگے تو بذریعہ وحی آپ کو بارگاہ رب العزت سے یوں ممانعت ہوئی کہ اے ابراہیم! بس ٹھہر جاؤ، اگر ہم ہر ایک شخص کو اسی طرح گناہوں پر مواخذہ کرنے لگیں تو روئے زمین پر سوا گنتی کے چند آدمیوں کے کوئی زندہ نہیں رہیگا۔ مگر ہمارا قانون ہے کہ جب کوئی معصیت کرتا ہے تو ہم اسے مہلت دیتے ہیں اگر وہ توبہ کر لے تو ہم اسی کی توبہ کو قبول فرما لیتے اور اگر معصیت پر اصرار کرتا چلا جائے تو عذاب میں تاخیر کر دیتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ بیچارہ ہمارے

قبضۂ قدرت سے کبھی باہر نہیں جا سکتا۔

روایت۔ ایک نوجوان سخت فاسق و فاجر تھا مگر اس میں خوبی یہ تھی کہ وہ جوں ہی گناہ کرتا فی الفور توبہ کر لیا کرتا یعنی گناہ پر اصرار نہ کیا کرتا تھا ایک دفعہ ابلیس نے اس کو ایک خاص حالت میں مخاطب کر کے کہا کہ تم کب تک ایسا کرتے رہو گے۔ ابلیس کی اس سے یہ غرض تھی کہ اس کو رحمت خداوندی سے ناامید کر دے جب رات ہوئی تو وہ نوجوان اٹھا اور وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کر کے ہر دو ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور یوں مناجات کرنے لگا۔

"اے میرے پاک اور سچے خدا تو معصوموں کو عصمت عطا کرتا ہے اور صالحین کی صلاح فرماتا ہے اگر تو مجھے بچائیگا تو میں بچ جاؤنگا۔ اور اگر تو نے مجھے چھوڑ دیا تو میں ذلیل ہو جاؤں گا میں تیری مشیت ازلی کے آگے مقہور ہوں میرا جبر و شر سب کچھ تیرے ہاتھ میں ہے اے دلوں کے پھیر دینے والے خدا میرے قلب (دل) کو اپنے پاک دین ں صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھ۔ جب وہ شخص مناجات کر چکا تو اللہ تبارک وتعالے نے کل ملائکہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ "اے میرے ملائکہ! کیا تم نے میرے بندے کے کلام کو سنا ہے تم شاہد رہو کہ ہم نے اس کے گذشتہ نامۂ اعمال کو جو کثرت گناہ سے سیاہ ہو گیا تھا آب رحمت سے دھو ڈالا اب اور آئندہ کے لیے اس کو توفیق عصمت عطا فرما دی ہے۔

روایت۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے پڑوس میں ایک شخص نہایت فاسق و فاجر رہا کرتا تھا لوگ اس کی بداعمالیوں سے تنگ تھے انہوں نے مجبور ہو کر ایک دن میرے پاس شکایت کی میں نے اسے بلایا اور کہا کہ یا تو تم اپنی بدکرداریوں سے باز آ جاؤ یا اس محلہ کو چھوڑ دو اس نے جواب دیا کہ میں نہ تو اپنی عادت سے باز آؤنگا اور نہ ہی محلہ کو چھوڑونگا میں ...

Marfat.com

ہم بادشاہ کے پاس تمہاری شکایت کرینگے اس نے کہا کہ بادشاہ مجھے بخوبی جانتا ہے ہم سمجھتے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمہارے لئے دعائے بد کریں گے اس نے کہا کیا اللہ تعالیٰ تم لوگوں کی نسبت مجھ پر زیادہ مہربان ہے مجھے اس شخص کا یہ کلام سنکر سخت غصہ آیا جب رات ہوئی تو میں اٹھا اور وضو کیا اور اس کے حق میں دعائے بد کی۔ اتنے میں ایک ہاتف غیب سے آواز دی کہ دعائے بد نہ کرو کیونکہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی جماعت اولیاء میں داخل ہے۔ مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے کئے پر سخت پچھتایا اور گھر سے نکل کر اس شخص کے گھر پہنچا اس نے مجھے دیکھ کر یہ سمجھا کہ میں اسے محلہ سے نکالنے کے لئے آیا ہوں وہ مجھ سے عذر خواہی کرنے لگا میں نے کہا کہ میں اس لئے تمہارے پاس نہیں آیا بلکہ رات کو تمہاری نسبت مجھے ایک واقعہ پیش آیا ہے چنانچہ میں نے وہ واقعہ کہہ سنایا اور سنتے ہی زار زار رونے لگا اور توبہ کی اور گھر سے نکل پڑا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول کر لی پھر اس کے بعد ایک دفعہ جب مجھے حج جانے کا اتفاق ہوا تو میں نے ایک مجلس میں اس شخص کو بیمار پڑا پایا۔ اور میرے پہنچنے پر چند سانس لئے اور ملک عدم کو سدھارا انا للہ وانا الیہ راجعون

واضح ہو کہ حلم منجملہ محاسن اخلاق کے ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو جس فرزند ارجمند کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی ہے اس کو صفت حلم سے موصوف ظاہر فرمایا ہے حیث قال فبشرناہ بغلام حلیم

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ حلیم وہ ذات ہے جو بندوں سے درگذر کر جائے اور عیب پردہ پوشی کرے بعض لکھتے ہیں کہ حلیم وہ ذات ہے کہ پردہ پوشی کرنے کے بعد مغفرت عطا فرماوے اور بعض نے بول تفسیر کی ہے کہ حلیم وہ ذات ہے جو خطا سے درگذر کرے اور ذات ہے حسن عہد اور لقائے وعدہ سے متصف ہو بعض لکھتے ہیں کہ حلیم وہ ذات ہے ... الذنوب کو معاف کرے اور بعض نے تفسیر کی ہے کہ حلیم وہ ذات

ہے جس کو کسی عاصی کی معصیت غضب میں نہ لائے۔

انسان کامل کو اس اسم سے جو بہرہ ہوتا ہے وہ ظاہر ہے اور حق یہ ہے کہ حلم انسان کے لئے زینت باطنی ہے یہی وجہ ہے کہ بعض آثار میں وارد ہوا ہے کہ حلیم اپنے حلم سے درجۂ نبوت کے قریب پہنچ جاتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ غضب کو روکنا ایک بھاری جہادِ نفس ہے جس کے ضمن میں کئی ایک اخلاقی خوبیاں مندرج ہیں۔

اَلعَظِیْمُ قال اللہ تعالیٰ وَھُوَ العَلِیُّ العَظِیْمُ مصدر عظمت سے مشتق ہے واضح ہو کہ وصف عظیم از روئے لغت ایسے جسم پر اطلاق کیا جاتا ہے جو کسی دوسرے جسم کی نسبت مساحت میں زیادہ ہو اس لئے جب دو چیزیں ایسی ہوں کہ ایک دوسری کی نسبت طول و عرض و عمق میں بڑی ہو تو اس کو عظیم بولیں گے اور جو کئی چیزیں ایسی ہوں کہ ان میں ایک دوسری کی نسبت اور دوسری تیسری کی نسبت اور تیسری چوتھی کی نسبت علیٰ ہذا القیاس بڑی ہو تو جو چیز سب سے بڑی ہوگی وہ اعظم کہلائے گی اس لئے ہر ایک چیز اپنے سے نچلی چیز کی نسبت عظیم ہوتی ہے اور ایسی چیز کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں اول یہ کہ دیکھ کر آنکھیں اس کی ہیبت سے پُر ہو جائیں دوم جس کے اطراف کو آنکھ احاطہ نہیں کر سکتی جیسے زمین و آسمان کیونکہ ہاتھی اور پہاڑ بھی عظیم الجثہ ہیں مگر ان کے اطراف کو آنکھ احاطہ کر سکتی ہے اس لئے زمین و آسمان بہ نسبت دیگر اشیاء کائنات کی عظیم ہیں یہی وجہ ہے کہ جسمانیات میں انہیں عظیم مطلق کہا جاتا ہے۔

جس طرح جسمانی چیزوں میں ایک چیز دوسری چیز کی نسبت عظیم ہوتی ہے اسی طرح عقلی چیزوں میں بھی حقائق متفاوت ہیں جن میں سے بعض کا تو عقل انسانی احاطہ کر سکتی ہے اور بعض دائرہ عقل سے خارج ہیں اس سے معلوم ہوا کہ حقائق عقلیہ مثلاً علم قدرت سلطنت وغیرہ کے رو سے بعض چیزیں ایسی ہو سکتی ہیں جو بہ نسبت دوسری چیزوں کی بدرجہ غایت عظیم ہو سکتی ہیں چنانچہ قرآن مجید و حدیث میں کہا گیا ہے اور حدیث میں

Marfat.com

ہرقل قیصر روم کو عظیم الروم کے خطاب سے تعبیر کیا گیا ہے چونکہ ذات باری اپنی صفات علم قدرت عزت و سلطان وغیرہا میں تمام موجودات سے بدرجۂ لامتناہی برتر ہے اس لئے وہی حقیقی طور پر عظیم کہلانے کی مستحق ہے اس لئے وہ ہر ایک عظیم سے اعظم ہے کیونکہ اس کی کنہ صمدیت کو عقول بشری ہرگز احاطہ نہیں کر سکتیں۔ بلکہ تمام موجودات اس کی عظمت و صمدیت کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتی کیونکہ ماسوی اللہ جو کچھ وجود پذیر ہو چکا ہے اور آئندہ ہوگا متناہی ہے اور وہ ذات بالکل لامتناہی اور متناہی کو لامتناہی سے کچھ نسبت نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ ماسوے اللہ ذات باری کے مقابلہ میں ہیچ محض ہے قال اللہ تعالٰے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ۔ بلکہ اگر عرش بریں سے فرش زمین تک تمام افراد موجودات کا ہزار گنا موجودات وجود پذیر ہو جاوے۔ تو بھی اس کو مقابلہ ذات باری عز اسمہ کوئی نسبت نہیں ہو سکتی کیونکہ بہرصورت وہ موجودات متناہی ہی ہونگی یہی وجہ ہے کہ کتاب مجید میں ارشاد فرمایا اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ اس کی لامتناہی قدرت کے سامنے تمام سلسلہ کائنات کا درہم برہم کر دینا اور ایک ناتواں چیونٹی کے مسکن کا برباد کرنا ایک ہی بات ہے۔ فَسُبْحَانَهٗ مِنْ مَلِكٍ تَحَيَّرَتِ الْعُقُوْلُ فِي الْوَادِ صَمَدِيَّتِهٖ وَكَلَّتِ الْاَفْهَامُ فِي اِشْرَاقِ عَظَمَتِهٖ

انسان کامل کو اس اسم سے جو بہرہ ہوتا ہے اس کے موازنہ کرنے کے لئے اس اصل پر غور کرنا چاہیے کہ جب دو چیزوں میں سے ایک بدرجۂ نہایت کامل ہوتی ہے اور دوسری بہت ناقص تو ہر دو کے اتصال کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ناقص کامل کے کمال کے اثر سے فیضیاب ہو جایا کرتی ہے جیسے ایک بارش کا قطرہ جب بحر بے پایاں سے اتصال پا جاتا ہے تو بے نام و نشان ہو جاتا ہے یا آگ کا شعلہ اگر کسی ایسے غار [illegible] میں ڈال دیا جائے تو اس آگ میں پڑ کر محو ہو جاتا ہے یا ایک چھوٹے

اڑنے کی آواز جو طبل وبوق کی آواز کے سامنے بالکل غیر محسوس ہو جاتی ہے یا ایک چراغ کی روشنی جو نصف النہار میں ایک وسیع میدان میں جلا کر رکھ دیا جائے۔ الغرض محسوسات میں اس اصل کے کئی ایک نظائر موجود ہیں اسی طرح عقلیات میں بھی یہ اصل بجائے خود صحیح اور درست ہے ایک ادنے شاگرد کا علم اپنے استاد کامل کے علم کے سامنے بالکل بے سود ہوتا ہے اس لئے استاد اپنے شاگرد کی نسبت عظیم کہلانے کا مستحق ہے اسی طرح ایک شیخ اپنے مرید کی نسبت عظیم ہے اور جناب سرور کائنات تمام افراد امت سے عظیم ہیں اس اصل کے سمجھ لینے پر یہ معلوم کر لیا جاتا ہے کہ کسی شخص کا عظیم ہونا یا تو دنیوی پہلو میں ہوگا اور وہ ظاہر ہے کیونکہ جس پر [illegible] اعتبارات دنیوی از قسم مال و منصب کسی کو حاصل ہوں [illegible] سمجھا جائیگا۔ یا دینی پہلو میں جس کی نسبت ایک حدیث میں ارشاد ہوا ہے مَنْ تَعَلَّمَ وَعَلِمَ وَعَمِلَ بِمَا عَلِمَ ثُمَّ عَلَّمَ الْغَيْرَ فَذَالِكَ يُدْعَى عَظِيْمًا فِي السَّمَاءِ یعنی جو شخص علم حاصل کر کے عمل کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے گروہ ملائکہ میں اسے عظیم بولا جاتا ہے عارف کامل میں جب آثار [illegible] اور انوار توحید مملکت قلب میں ظاہر ہونے لگتے ہیں تو وہ خود بے نام و نشان [illegible] بقاء ذات واحد حقیقی کے ساتھ زندہ ہوتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بے نام و نشان ہو کر خود واحد حقیقی بنجاتا ہے عبد ہر ایک مقام میں عبد ہی رہتا ہے [illegible] ایک عقلی اور معنوی تقرب ذات حقیقی سے اس حد تک حاصل ہوتا ہے کہ ظاہر و باطن میں مظہر صفات کاملہ ہو کر ان معارف و حقائق کا مالک ہو جاتا ہے جو [illegible] بشری کے اندازے سے بالاتر ہیں اور اسی مقام پر خرق عادات ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

حضرات مشائخ لکھتے ہیں کہ عظیم وہ ذات ہے کہ جس کی عظمت [illegible] پر موقوف نہ ہو اور جس کی قدر و منزلت کا اندازہ لگانا ناممکن ہو [illegible]

کہ عظیم وہ ذات ہے جس کی عظمت کا کوئی آغاز نہ ہو اور نہ اس کے جلال کا کوئی انجام۔

اَلْغَفُوْرُ غفران مصدر سے مشتق ہے اور مبالغہ کا وزن ہے اور غفار اور غفور میں فرق یہ ہے کہ غفار کا مبالغہ کثرت فعل کے متعلق ہے یعنی باوجود بار بار گناہ کرنے کے مغفرت کرنے والا غفار ہے اور غفور کا مبالغہ کیفیت فعل کے متعلق ہے یعنی ایسی مغفرت جو اپنی خوبی و عمدگی میں غائت کمال تک پہنچ گئی ہو مزید تشریح کے لئے اسم غفار کی تفسیر کو ملاحظہ کرنا چاہئے۔

اَلشَّکُوْرُ اس اسم کی تشریح میں چند ایک مسائل قابل تحقیق ہیں اول یہ کہ اسم شکور اسم فاعل (شاکر) کا صیغۂ مبالغہ ہے جو مصدر شکر سے مشتق ہے۔ اور اصل لغت میں اس کے معنے زیادتی کے ہیں چنانچہ شکیر الشجر درخت کی ان چھوٹی چھوٹی شاخوں کو بولتے ہیں جو اس کی جڑھ میں نکل پڑتی ہیں اور ناقۃ شاکرۃ ایسی اونٹنی کو بولتے ہیں جس کا حوانہ دودھ سے پر ہو اور شکرت الارض اس وقت بولتے ہیں جب کسی زمین میں بہت سی نبات ہو قرآن مجید میں لفظ شاکر اور شکور دو ذات باری کے لئے وارد ہوئے ہیں اور امام غزالی رحمہ اللہ نے اس کی توجیہ یوں کی ہے کہ شکور وہ ذات ہے جو طاعت قلیل کے عوض میں اجر کثیر اور چند روزہ زندگی کے اعمال کے مقابلہ میں نعیم ابدی عطا فرماوے اور جو شخص اپنے محسن کے احسان پر اس کی ثنا کرتا ہے تو وہ بھی اس کا شکر گذار کہلاتا ہے چنانچہ فرمایا من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ یعنی جو شخص کسی محسن آدمی کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالے کا شکر بھی ادا نہیں کریگا۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ قرآن مجید کے اکثر مواقع پر اللہ تعالے نے اپنے نیک بندوں کی اعمال حسنہ پر ثنا کی ہے جس کو غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ بھی اس کی رحمت ہے اور درحقیقت وہ ثنا اس ذات

مقدس کی ثنا سمجھی جائے کیونکہ بندہ سے جو اعمال حسنہ صادر ہوتے ہیں وہ صرف اسی کی توفیق کا نتیجہ ہیں اسلئے فی الحقیقت وہی ذات مقدس شکر کی مستحق ہے۔ اور حق یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے عہدہ شکر سے کبھی بری نہیں ہو سکتا کیونکہ توفیق شکر بجائے خود ایک نعمت ہے جس پر ادائے شکر واجب ہے اس لئے کسی ایک ہی نعمت کا سلسلہ شکر اس قدر طویل ہو جاتا ہے کہ انسان کی ساری عمر بھی ادائے شکر کے لئے مکتفی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ آیہ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا میں یہی اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حصر نہیں ہو سکتا تو ان نعمتوں پر ادائے شکر کیسے متصور ہوگا؟ اس لئے بہترین صورت ادائے شکر کی یہ ہے کہ بندہ اپنے مالک حقیقی کی دی ہوئی نعمتوں کو خواہ بدنی ہوں یا مالی ظاہری ہوں یا باطنی معصیت میں صرف نہ کرے اور یہی شکر کے حقیقی معنے ہیں مگر یہ بات بھی توفیق خداوندی پر موقوف ہے۔

حقیقت شکر کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے حقیقت نعمت کو سمجھ لیا جائے سو واضح ہو کہ نعمت ہر ایک ایسے امر کو بولتے ہیں جس سے انسان منتفع ہو سکتا ہو اب غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ نعمت کا مفہوم اس قدر وسیع ہے کہ کوئی چیز بھی عالم کائنات میں ایسی نہیں جس سے انسان منتفع نہ ہوتا ہو اس لئے بندہ کا شکر گذار ہونا یہ ہے کہ وہ اپنے افعال و اقوال میں ایسے احکام کا پابند ہو جو رضائے الٰہی پر مبنی ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہونا یوں ہوگا کہ وہ ان افعال و اقوال پر بندہ کو جزائے خیر عطا فرماتا ہے اور چونکہ ہر ایک نعمت کا منعم صرف اللہ تعالیٰ ہی ہو سکتا ہے جیسے قال وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ اس لئے فی الحقیقت کوئی شخص مستحق شکر نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی عبد کا کسی غیر سے احسان کرنا انعام خداوندی پر موقوف ہے اگر وہ توفیق احسان نہ دیتا تو وہ کبھی احسان نہ کر سکتا اس لئے عبد ہر ایک حالت میں معزول ہے

اور اسے خیر وشر میں کچھ دخل نہیں منجملہ وہ اشیاء جن سے عبد احسان کرتا ہے وہ
بھی اللہ تعالےٰ کی مخلوق ہوتی ہیں اور اسی کی ملک بھی ہیں اس لئے انسان خود
کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا لہٰذا اس کا حقیقی احسان کرنا بھی ناممکن ہے پھر عبد
جب کسی سے احسان کرتا ہے تو اس پر معاوضہ کی امید رکھتا ہے مگر اللہ تعالےٰ کے
احسان کی یہ صورت نہیں کیونکہ وہ باوجود بندہ سے مستغنی ہونے کے اس پر احسان
کرتا ہے اس لئے بندہ اگر اللہ تعالےٰ کا جو منعم حقیقی ہے ادائے شکر کرے تو یہ شکر
اس کی نعمت کا معاوضہ نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ ابوبکر واسطی رحمہ اللہ فرماتے
ہیں کہ شکر ایک قسم کا شرک ہے یعنی اگر بندہ یہ یقین رکھتا ہو کہ اللہ تعالےٰ کی
نعمت کے مقابلہ پر ادائے شکر کرنے سے احسان کا مقابلہ احسان سے ہو جاتا ہے۔ تو
یہ خیال مشرکانہ ہے کیونکہ ذات باری تو اپنے عبد سے مستغنی ہے مگر عبد اپنے رب سے
کبھی مستغنی نہیں ہو سکتا اس لئے استغناء اور احتیاج کا کوئی مقابلہ نہیں عارف
کا مقام شکر عوام الناس کے مقام شکر سے کہیں بالاتر ہے کیونکہ عوام الناس تو
بذریعہ افعال اور اقوال کے ادائے شکر کیا کرتے ہیں اور ان کی نظر نعمت پر ہوتی
ہے مگر عارف کامل نعمت سے ہٹ کر منعم کی طرف رجوع کیا کرتا ہے یعنی نعمت کو نظر
انداز کر کے منعم کو اپنا مقصد حقیقی قرار دیتا ہے۔

یہ امر نہایت قابل غور ہے کہ اللہ تبارک وتعالےٰ نے اپنے تئیں وصف
شکر سے موصوف کیا ہے حالانکہ یہ مقام عارف کامل کا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے
کہ اس نے محض اپنی رحمت کاملہ سے باوجود استغناء ذاتی کے اپنے بندوں کے
اعمال کو پایۂ قبول بخشتا ہے حالانکہ انسان کا وجود اور تمام اسباب جو ادائے شکر
میں واسطہ بنتے ہیں اسی کے عطا کئے ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ تمام اہل تحقیق
بالاتفاق مانتے ہیں کہ انسان ضعیف البنیان ہرگز ادائے شکر کے فرائض سے

Marfat.com

عہدہ برا نہیں ہوسکتا ولنعم اقبال ؎

از دست و زبانِ کہ بر آید!! | کز عہدۂ شکرش بدر آید

کسی اور اہل دل نے کہا ہے ؎

اگر ہر موئے من گردد زبانے | زنو رانم بہر یک داستانے

نیارم گوہر شکر تو سفتن | سر موئے ز احسانِ تو گفتن

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ شکور وہ ذات ہے جو عطائے جزیل کرے اور قلیل سے قلیل اطاعت کو پایۂ قبول بخشے۔

اَلْعَلِیُّ قال اللہ وھو العلی العظیم یہ اسم مصدر علوّ سے مشتق ہے جس کی معنی بلندی کے ہیں امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ علیؔ وہ ذات ہے جس کے رتبہ کے مقابلہ میں تمام مراتب پست ہیں سو جس طرح اشیاء محسوسہ میں بعض اجسام دیگر بعض کی نسبت بالاتر ہوتے ہیں۔ اسی طرح اشیاء معقولہ (عقلیات) میں بھی مراتب ہیں یعنی بعض دیگر بعض کی نسبت اشرف اور اعلےٰ ہوتے ہیں۔ مثلاً علت اپنے معلول سے اور کامل بہ نسبت ناقص کے اشرف و اعلےٰ سمجھا جاتا ہے اور یہ علو کسی بلند یا پست مکان کے لحاظ سے ماخوذ نہیں ہوتا بلکہ اعتبار عقلی کے رو سے یہ نسبت ملحوظ ہوتی ہے۔ اس اعتبار عقلی کے رو سے اگر ہم موجودات عالم کے مراتب کمال و نقصان کا موازنہ کرنے لگیں تو یقیناً ذات باری کو سب سے اعلےٰ رتبہ میں پائیں گے کیونکہ وہ اپنے صفات کاملہ میں کسی غیر کا محتاج نہیں برخلاف دیگر افراد موجودات کے جو باہم مدارج کمال میں متفاوت ہیں مگر سب اپنے کمال وجود میں ذات باری کے محتاج ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ موجودات کی دو قسمیں ہیں ذوی العقول اور غیر ذوی العقول۔ دوسری قسم کی موجودات حس و حرکت اور قوت ارادی اور ادراک سے بے بہرہ ہیں اس لئے وہ اسفل السافلین میں شمار کئے جاتے ہیں اول

حیوانات مطلق کو حس و حرکت اور ارادہ رکھتے ہیں مگر ادراک معقولات سے عاری ہیں اس لئے پہلی قسم کی موجودات دوسری قسم سے اعلیٰ ہے مگر پہلی قسم میں پھر تقسیم عقلی جاری ہوسکتی ہے کیونکہ ذوی العقول یا تو شہوت و غضب رکھتے ہیں یا ان ہر دو سے عاری ہیں پہلی قسم حضرت انسان ہے جو ادراک معقولات کے ساتھ حیوانی لوازم مثلاً شہوت وغضب سے بھی متصف ہیں اور دوسری قسم میں پھر تقسیم جاری ہوگی کیونکہ ایسے ذوی العقول جو شہوت و غضب سے عاری ہیں اگر ان کا غضب و شہوت سے متصف ہونا ممکن ہو تو وہ ملائکہ ہیں اور اگر ناممکن ہو تو وہ ذات باری ہے اس لئے اس تقسیم در تقسیم سے یہ نتیجہ نکلا کہ تمام موجودات میں بلحاظ کمال کے جمادات اسفل السافلین ہیں ہیں اور ان سے اعلیٰ حیوانات اور حیوانات میں سب سے اعلیٰ حضرت انسان اور حضرت انسان سے اعلیٰ ملائکہ کرام اور ملائکہ کرام سے اعلیٰ ذات باری عزاسمہٗ جو کامل مطلق اور اس لئے سب سے اعلیٰ ہے اس تقسیم میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اجسام میں عرش عظیم سب سے اعلیٰ ہے کیونکہ وہ تمام اجسام کا محدد ہے اور وہ خود کسی چیز سے محدود نہیں یہی وجہ ہے کہ ذات باری تمام موجودات سے بالاتر ہے مگر قرآن مجید میں عرش سے بالاتر ہونا ظاہر فرمایا کیونکہ عرش تمام موجودات عالم سے بالاتر ہے اور یہ فوقیت ذات باری کی مکانی نہیں بلکہ عقلی ہے کیونکہ جس طرح دو شخص صدر مجلس میں ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو بیٹھیں تو یہی کہنا پڑیگا کہ ہر دو میں سے ایک دوسرے سے اعلیٰ ہے حالانکہ اعلیٰ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دوسرے کے سر پر بیٹھا ہے بلکہ یہی کہنا پڑیگا کہ ایک کا مرتبہ دوسرے سے اعلیٰ ہے یہی عقلی علو ذات باری کی نسبت سمجھنا چاہیے کیونکہ وہ بلحاظ کمالات کے تمام موجودات سے بالاتر ہے یہیں سے یہ نکتہ بھی کھل جائیگا کہ عبد کبھی عین مطلق نہیں ہوسکتا کیونکہ گو وہ دیگر موجودات سے کمالات میں بڑھ جائے جیسے ذات [illegible] رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم مگر کبھی نہیں ہوسکتا

Marfat.com

کہ کوئی مخلوق ذات باری کا رتبہ پا کر علی مطلق بنجائے آیۂ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ اور آیۂ يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ میں اسی فوقیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس تمام بحث کا ماحصل یہ ہے کہ علو ذات باری کی تین توجیہات ہوسکتی ہیں اول یہ کہ کوئی موجود شرف وعزت میں اس کا ہم پلہ نہیں ہوسکتا دوم یہ کہ وہ تمام موجودات پر قدرت تامہ رکھتا ہے اور سب کے سب اس کے مقہور و مغلوب ہیں سوم یہ کہ وہ تمام امور میں حسب مشیت ازلی متصرف ہے اور کوئی امر اس کی مشیت کا مزاحم نہیں ہوسکتا

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ہوتا ہے کہ وہ علم وقدرت وطہارت میں سب سے فائق ہوجاتا ہے یا یوں کہو کہ اس کو تمام ماسوے اللہ سے استغناء کلی حاصل ہوجاتا ہے جس سے وہ سب سے اعلیٰ سمجھا جاتا ہے مگر عوام الناس ایسے انسان کی شناخت سے عاجز ہوتے ہیں۔

حضرات مشائخ لکھتے ہیں کہ علیؒ وہ ذات ہے جو ادراک سے بالاتر ہو اور جس کے صفات احاطہ تصور سے خارج ہوں۔

اَلْكَبِيْرُ قال اللہ تعالےٰ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ اور پھر فرمایا وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس مادہ سے ذات باری کی متعلق شریعت میں تین اسم وارد ہوئے ہیں کبیر۔ متکبر۔ اکبر آخر کا اسم قرآن میں صفات الٰہی کے متعلق وارد ہوا ہے تاہم ذات باری کی نسبت البتہ احادیث سے اللہ اکبر بتواتر ثابت ہے۔

اسم کبیر کی دو توجیہ ہوسکتی ہیں اول تو یہ کہ یہ اسم صغیر کے مقابل میں واقع ہوا ہے مگر صغیر وکبیر بسا اوقات اجسام کی صفت میں واقع ہوتے ہیں لیکن ذات باری مقدار سے بالاتر ہے اس لئے اس کا کبیر ہونا بلحاظ حجم اور مقدار کے نہیں ہوسکتا

لہ قال اللہ تعالیٰ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللهِ اَكْبَرُ اور پھر فرمایا وَلَذِكْرُ اللهِ اَكْبَرُ [illegible]

Marfat.com

اور کبھی صغیر و کبیر کو عقلی مدارج کے لحاظ سے بھی اعتبار کیا کرتے ہیں چنانچہ سردار قوم کو کبیر القوم اور ایک بڑے صاحب علم کو کبیر فی الدین بولا کرتے ہیں اور ہر دو میں ان کے درجۂ عالیہ کا لحاظ کیا جاتا ہے چنانچہ قرآن مجید کی آیۃ انّہٗ لَکَبِیْرُکُمْ میں یہی معنے مراد ہیں چونکہ ذات باری عز اسمہٗ اپنے صفات ذاتیہ میں تمام موجودات سے اکمل و اشرف ہے اس لئے تمام اشیاء موجودات کی نسبت وہ کبیر ہے و تمام موجودات بمقابلہ اس کی ذات کے صغیر۔ دوم کبیر ہونا ذات باری کا اس جہت سے ہے کہ وہ مخلوقات کی مشابہت سے برتر ہے اس صورت میں بصلہ عن ماخوذ ہوگا یُقَالُ کَبُرَ عَنْہُ اس لئے توجیہ یوں ہوگی ھو کبیر عن مُتَشَابِھَۃِ الْخَلْقِ یعنی وہ موجودات کی مشابہت سے برتر ہے ہر دو توجیہ کے رو سے یہ اسم منجملہ اسماء تنزیہ کے ہے۔

اسم اکبر کی بھی دو توجیہ ہو سکتی ہیں اوّل ھُوَ اَکْبَرُ مِنْ کُلِّ مَا سِوَاہُ یہ توجیہ جملہ اللہ اکبر کے شروع نماز میں قائم کرنے کی حکمت کو واضح کر دیتی ہے۔ کیونکہ جب مصلی کو یہ علم ہو کہ وہ ذات مقدس جس کے حضور میں کھڑا ہے۔ تمام موجودات سے اکمل و اشرف ہے تو اس کی توجہ کسی غیر اللہ کی طرف مصروف نہیں ہوتی۔ مگر مبرد جو امام لغت عربیہ ہیں لکھتے ہیں کہ یہ توجیہ صحیح نہیں کیونکہ یہ لفظ اکبر جو صیغہ افعل تفضیل ہے ایسی دو چیزوں کے درمیان استعمال کیا جاتا ہے جن میں مشابہت اور مجانست ہو اور ایک دوسری کی نسبت وصف کبر میں بڑھی ہوئی ہو مگر اللہ تعالیٰ اور موجودات میں کسی قسم کی مشابہت اور مجانست نہیں لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ عام لوگ موجودات میں سے غیر اللہ کی بھی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اس لئے لفظ اکبر کا یہ مفہوم ہوگا کہ بجز ذات باری کے کوئی موجود تعظیم و تکریم حقیقی کا اہل نہیں ہو سکتا اور ابو عبیدہ کہتے ہیں اکبر اس جملہ میں معنے

کبیر کے ہے یعنی صیغۂ فعل کے معنے میں مستعمل نہیں اور ایسا استعمال اہل زبان میں جاری
ساری ہے اور وہ فرزدق کا شعر ذیل سند پیش کرتے ہیں حیث قال ؎

إِنَّ الَّذِي سَمَكَ السَّمَاءَ بَنَى لَنَا ۔۔۔ بَيْتًا دَعَائِمُهُ أَعَزُّ وَأَطْوَلُ

اس شعر میں اعزّ اور اطول بمعنے عزیز و طویل مستعمل ہوئے ہیں

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کبریاء سے مراد کمال ذات کے اور کمال ذات
سے کمال وجود مراد ہے اور کمال وجود سے دو چیزوں کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے اوّل
یہ کہ وہ وجود ازل سے ابد تک پائدار ہو اور اگر کوئی وجود ایسا نہ ہو بلکہ اس کے
اوّل و آخر میں اس کا عدم تجویز کیا جا سکے تو وہ ناقص ہوگا یہی وجہ ہے کہ کسی
بڑی عمر کے آدمی کو کبیر السن بولا کرتے ہیں نہ عظیم السن سو جب ایک محدود البقا
انسان کو کبیر بول سکتے ہیں تو غیر محدود البقا بدرجہ اولے کبیر ہوگا۔

دوم کمال وجود سے یہ مفہوم بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی وجود تمام دیگر موجودات
کا منبع قرار پا سکے سو بجز ذات باری اور کوئی موجود ایسا نہیں ہو سکتا۔

عظمت اور کبریاء گو ظاہر ایک ہی مفہوم کو ظاہر کرتے ہیں مگر ہر دو میں
فرق ہے حدیث قدسی الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعَظَمَةُ إِزَارِي میں اسی فرق کی
طرف اشارہ کیا گیا ہے کبریاء عظمت کی نسبت زیادہ عظیم الشان وصف ہے یہی وجہ
ہے کہ کبریاء کو رداء اور عظمت کو ازار سے تعبیر کیا۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ہوتا ہے کہ اس کے صفات کمال کے آثار
دوسرے لوگوں تک پہنچ جائیں اور جو اس شخص سے مجالست کرے وہ اس کے
صفات کمال سے بے بہرہ نہ رہے اور انسان کو درجہ کمال اسوقت حاصل ہوا کرتا ہے

؎ یعنی وہ ذات جس نے آسمان کو بلند کیا اس نے ہمارے لئے ایک گھر شرافت کا گھر بنا لیا ہے جس کے
ستون بڑے مضبوط اور طویل ہیں ۱۲ منہ

جب اس کی عقل پرہیزگاری۔ علم درجہ کمال تک ترقی کر جاتے ہیں لہذا نوع انسان میں ایسا وہ شخص ہُوا کرتا ہے جو عالم۔ تقی۔ صاحب ارشاد ہو۔ اور لوگ اس کے فیض علوم سے مستفیض ہوں ایک حدیث میں وارد ہُوا ہے کہ علماء سے مجالست اور حکماء سے مصاحبت اور کبراء سے مخالطت رکھو علماء علوم شرعیہ کے محافظ ہیں حکماء اسرار معرفت کے جامع ہوتے ہیں اور کبراء ہر دو منصب کی قابلیت رکھتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو آفتاب عالمتاب کیطرح خود روشن ہو کر در و بام عالم کو اپنے انوار سے روشن کر دیتے ہیں اور انکا وجود بہت نادر ہوتا ہے۔

اَلْحَفِیْظُ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حفیظ مبالغہ ہے اسم حافظ کا اور حافظ کا مفہوم حقیقت حفظ کے سمجھ لینے پر موقوف ہے سو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل وجود موجودات کو لگاتار جاری رکھنا اس کی متضاد حالت کا نام معدوم کرنا ہے چنانچہ اللہ تعالٰے تمام موجودات کا خواہ زمینی ہو یا آسمانی حافظ ہے دوم متضاد اشیاء کو اپنی اپنی حد میں محدود رکھنا اور ایک کو دوسرے پر غلبہ پانے سے روکنا مثلاً حرارت کو برودت سے اور رطوبت کو یبوست سے علیحدہ علیحدہ تعدی سے محفوظ رکھنا غور کرو کہ اللہ تعالٰے نے ترکیب بدن میں ہر چہار متضادہ کیفیات کو کس حکمت بالغہ سے جمع کیا ہے اگر ایک ان میں سے غالب آجائے تو زندگی باطل ہو جاتی ہے اور اگر ان میں سے کوئی ایک غلبہ پانے لگے تو بذریعہ غذا اور دوا کے اس کو روکا جا سکتا ہے یہ تو اندرونی سلسلہ اسباب ہے جس سے انسان کی زندگی قائم رہ سکتی ہے اب بیرونی طور پر انسان کی حفاظت کا سلسلہ سو غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ کس قدر اسباب ہمارے چاروں طرف ایسے موجود ہیں جن کے استعمال سے انسان اپنی زندگی کو محفوظ رکھ سکتا ہے اور یہ سب اس حافظ حقیقی کی عنایت ازلی کا نتیجہ ہے نباتات کو دیکھو کہ ان کے محفوظ رکھنے کے لئے کس قدر

اسباب مناسبہ پیدا کر دیئے ہیں اگر ان کی تفصیل کرنے لگیں تو انسان کی عمر ہرگز مکتفی نہیں ہو سکتی اگر ہم اس سلسلۂ اسباب کی وسعت پر غور کریں۔ جو تمام ذرات موجودات کی حفاظت کے لئے قائم کیا گیا ہے تو عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ کبھی حفظ بمعنے ضد تضییع بھی مستعمل ہوتا ہے مثلاً حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلوٰۃِ الْوُسْطٰی یعنی لا تُهْمِلُوْهَا وَلَا تُضَيِّعُوْهَا چنانچہ آیۂ وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ میں یہی معنے ملحوظ ہیں اور آیۂ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون میں بھی یہی معنے زیادہ چسپاں ہیں۔ کیونکہ کلام الٰہی کو تحریف و تبدیل سے بذریعہ اسباب مناسبہ کے محفوظ رکھنا اس کو ضائع ہونے سے بچانا ہے۔

اگر ہم اپنے دینی حالات میں غور کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک آن کے لئے بھی اللہ تعالٰے کی حفاظت سے باہر نہیں جا سکتے بڑے بڑے عقلاء روزگار جو دنیا بھر کے علوم و فنون میں یگانہ تھے دین کے معاملہ میں صرف ایک ہی شبہ یا اشکال کے پیش آنے پر گمراہ ہو جاتے رہے اور عمر بھر ورطۂ ضلالت سے نہ نکل سکے لیکن اگر کسی کو حفاظت الٰہی ایسے ورطہ میں مبتلا ہونے سے بچالے تو وہ محفوظ رہ سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ ادعیہ قرآنیہ میں وارد ہوا ہے رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۵ اس دعا میں حفاظت الٰہی کی استدعا کی گئی ہے اور آیۂ لَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ نیز آیۂ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ میں بھی اسی حفاظت کی طرف اشارہ ہے۔

علی ہذا القیاس جب ہم دنیوی حالات میں غور کرتے ہیں تو واضح ہوتا ہے کہ ہمارے چاروں طرف اسباب ہلاکت موجود ہیں مگر اس نے ہمیں ان کے دفع

Marfat.com

کے اسباب بھی عطا فرما دیئے ہیں چنانچہ ہماری حفاظت کے لئے ملائکہ متعین ہیں
قال اللہ تعالےٰ لَهٗ مُعَقِّبَاتٌ مِّنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ
مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ عقلی طور پر بھی ذات باری کا حافظ ہونا ثابت
ہے کیونکہ جس طرح تمام ممکنات عدم سے وجود میں آنے کے لئے کسی مرجح کی محتاج
ہے اسی طرح موجود ہوکر اپنے وجود کے قائم رکھنے میں بھی حفاظت کی محتاج
ہے اسلئے صرف ذات باری ہی محافظ ہوسکتی ہے چنانچہ آیۂ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا میں اس امر کیطرف اشارہ ہے۔

انسان کامل کو اس اسم سے دو طرح بہرہ حاصل ہوتا ہے اول قوت
نظری کے رو سے جس کی صورت یہ ہے کہ وہ بدعات اور شکوک واوہام سے اپنے
اعتقادات حقہ کو محفوظ رکھے دوم قوت عملی کے رو سے جس کی صورت یہ ہے کہ
شہوت وغضب کی اطاعت سے اپنے اعضاء اور قوی کی نگہداشت کرے۔ اور
اصل عظیم در بارۂ حفاظت علم وعمل کے یہ ہے کہ صراط مستقیم شریعت کی شناخت
کرے جس کی استدعا پانچ وقت نمازمیں کی جاتی ہے کیونکہ یہی صراط مستقیم
قیامت کے دن پلصراط کی صورت میں جہنم کے اوپر کھینچا جائیگا جس پر باسانی
چلنا اس موجودہ زندگی کے علم وعمل کی خوبی پر منحصر رکھا گیا ہے ہر ایک ایماندار
کا فرض ہے کہ آج حسن اعتقاد اور حسن عمل کی حقیقت میں غور کرکے اصلاح
کرے کیونکہ آج کی اصلاح درحقیقت مابعد الموت کی اصلاح ہے

امروز دراں کوشش کہ بینا باشی — حیران جمال آں دلارا باشی
حسرت بادا چو کودکان در شب عید — تا چند در انتظار فردا باشی

حضرات مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ حفیظ وہ ذات ہے جو بندہ کو مصیبت
کی حالت میں اظہار شکایت سے اور امن وعافیت کی حالت میں امتحان سے محفوظ

Marfat.com

رکھے۔ بعض لکھتے ہیں کہ حفیظ وہ ذات ہے کہ اپنے بندہ کے باطن کو ملاحظہ اغیار سے اور ظاہر کو موافقت فجار سے محفوظ رکھے

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے اعضاء اور قوی کی حفاظت کرتا ہے تو اللہ تعالے اس کے باطن کو ہر ایک قسم کے وساوس و شکوک سے محفوظ رکھتا ہے اور جب بندہ اس مقام میں استقامت حاصل کر لیتا ہے تو اللہ تعالے اس کو اہل عالم کے لئے حجۃ اللہ کا منصب عطا فرماتا ہے۔

اَلْمُقِیْتُ قال اللہ تعالے وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا اس اسم کی تشریح میں چند وجوہ بیان کئے گئے ہیں۔ اول ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مُقِیْت بمعنے مُقْتَدِر ہے اور وہ اہل زبان کے شعر ذیل کو حجت میں پیش کرتے ہیں ؎

وَذِیْ ضِغْنٍ کَفَفْتُ النَّفْسَ عَنْہُ وَکُنْتُ عَلٰی مَسَاءَتِہٖ مُقِیْتًا

یعنی کئی ایک کینہ توز دشمن ہیں جن کے مقابلہ سے میں نے اپنے تئیں روکا حالانکہ میں ان کی بدسلوکی پر پوری قدرت رکھتا تھا۔ ازہری شمر سے راوی ہیں کہ مقیت خاص لغت قریش کا لفظ ہے۔ دوم وہ ذات جو مخلوق کے قوت بہم پہنچانے کی متکفل ہے فراء نحوی کہتے ہیں کہ قاتہ اور اقاتہ ایک ہی معنے میں مستعمل ہیں۔ سوم یہ کہ مقیت مشتق ہے اقات علی الشیء سے جس کے معنے ہیں اشرف علیہ کے چہارم ابو عبیدہ معمر بن مثنی کہتے ہیں کہ مقیت بمعنے حفیظ ہے امام ... رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مقیت میں قدرت و علم ہر دو کا مفہوم شامل ہے اس لئے یہ اسم قادر اور علیم ہر ایک سے زیادہ وسیع ہے۔

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ مقیت وہ ذات ہے جو اپنے بندہ کی مناجات کی اجابت فرمائے اور مصیبت و بلا کو دفع کرے بندوں کے قوت مقدر تقسیم کرے

Marfat.com

ہیں اکثر تو مطعومات سے زندہ رہتے ہیں۔ اور بعض ذکر الٰہی سے اور خواص العباد کے لئے مکاشفات و مشاہدات بمنزلہ غذا کے ہیں حدیث اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ[۱] میں اسی غذا کی طرف اشارہ ہے۔

اَلْحَسِیْبُ قال اللہ تعالیٰ وَکَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا اس اسم کی تفسیر کے متعلق چند وجوہ بیان کئے گئے ہیں۔ اول یہ کہ حسیب بمعنے کافی ہے۔ اور چونکہ فعیل کا وزن مفعل کے معنے میں مستعمل ہے جیسے بَدِیْع بمعنے مُبْدِع اور اَلِیْم بمعنے مُؤلِم اسی طرح حَسِیْبُ بمعنے مُحْسِب سمجھنا چاہیے۔ اہل عرب بولتے ہیں۔ نَزَلْتُ بِفُلَانٍ فاکرمنی واحسبنی ای اعطانی ما کفانی حتی قلتُ حسبی ومنہ قولہ تعالیٰ یا اَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ۔ یہ امر بالخصوص قابل ذکر ہے۔ کہ ہر ایک امر میں کفایت کا منصب بجز ذات باری کے کسی غیر کو حاصل نہیں۔ اگر بذریعہ اسبابِ مناسبہ کے کفائت حاصل ہو تو اسے بھی کفائت الٰہی کہنا چاہیئے کیونکہ سلسلہ اسباب اسی کا مخلوق ہے لہذا ہر ایک قسم کی کفائت فی الحقیقت ذات باری کا حق ہے اس لئے کافی حقیقی وہی ذات واحد لاشریک ہے نہ کوئی اور۔ یہاں یہ خیال ہو سکتا ہے کہ جس صورت میں کافی صرف ذات باری ہے تو آیۂ یا ایھا النبی حسبک اللہ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ کے کیا معنے ہونگے کیونکہ اس آئت میں تحسب یعنی کافی ہونا ذات باری اور اہل ایمان ہر دو کی طرف نسبت کیا گیا ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آئت کی تفسیر میں دو مذہب ہیں اور ہر دو قواعد عربیت کے رو سے صحیح ہیں۔ اگر مَنِ اتَّبَعَکَ کا عطف لفظ اللہ پر کریں تو معنے یہ ہونگے کہ اے نبی! تجھے اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان کافی ہیں اس صورت میں مذکورہ بالا اعتراض لازم آتا ہے اور اگر اس کا عطف حرف کاف پر کریں تو پھر اعتراض

---

[۱] یعنی میں اپنے رب کے پاس رات بسر کرتا ہوں۔ وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اس صورت میں معنے یہ ہوں گے۔ کہ تجھے اور اہل ایمان کو اللہ
تعالےٰ کافی ہے۔ ان ہر دو معنے کو مفسرین نے قلمبند کیا ہے شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں
کہ عطف ضمیر کاف پر راجح اور قوی ہے امام رازی بھی اپنی کتاب لوامع میں حضرت
ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی روائت کو نقل کرتے ہیں اور حافظ ابن قیم اپنی کتاب
زاد المعاد کے شروع میں کئی ایک وجوہ اس روائت کی تقویت میں بیان کرتے ہیں
لیکن حق یہ ہے کہ ان حضرات کو صرف اس خیال نے اس توجیہ کی طرف متوجہ کیا
ہے کہ نسبت کفائت کی غیر اللہ کیطرف صحیح نہیں ورنہ عطف مَنِ اتَّبَعَكَ کا اسم
اللہ پر ہی صحیح مذہب ہے اور یہ خیال کہ نسبت کفائت کی غیر اللہ کی طرف لازم آتی ہے
قوی نہیں کیونکہ نسبت ذات باری کیطرف حقیقی ہے اور اہل ایمان کیطرف مجازی
اور قرآن مجید میں ایسی کئی ایک آیات ہیں جن میں ایک ہی فعل کی نسبت اللہ تعالےٰ
اور رسول کرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کیطرف کی گئی ہے مگر ہر ایک کی نوعیت
ایک نہیں۔ بلکہ علیحدہ علیحدہ اعتبار سے معہذا جب ہم آیہ یَا اَیُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ
وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ کے سیاق وسباق پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے
کہ ہمارا مذکورہ بالا دعوے بالکل صحیح ہے کیونکہ اس سے پہلے الفاظ هُوَ الَّذِيْ
اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ اس کی تائید کے لئے کافی شہادت ہیں۔

دوم حسیب بمعنے محاسب ہے جیسے ندیم بمعنے منادم اور جلیس بمعنے مجالس
چنانچہ آیہ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا میں حسیب بمعنے محاسب ہی
موزون ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ ہی اپنے بندوں سے قیامت کے دن حساب لے گا
جن میں سے بعض کی نسبت تو حساب یسیر آسان اور بعض کی نسبت حساب شدید
لینے کا حکم وارد ہوا ہے۔

سوم حسیب بمعنے شریف ہے اس صورت میں حسیب بمعنے شرف سے مشتق ہوگا

معنے ہوں گے کہ حسیب وہ ذات ہے جو حقیقی مجد و شرافت اور اعلے جلال و کمال
کے صفات سے متصف ہو۔

[illegible] کمال کو اس اسم سے جو بہرہ حاصل ہوتا ہے اس کی تفصیل یوں ہے
[illegible] جو اس حاجت کی
[illegible] ہو تو حسیب وہ شخص
[illegible] اپنا محاسبہ کرنا کمال نفس کی دلیل
[illegible] ایک حدیث میں یوں وارد ہے
[illegible] قیامت کو حساب لئے جانے سے پہلے
[illegible] اور اگر حسیب بمعنے شریف ہو تو اس صورت میں حسیب وہ شخص
[illegible] استقامت حاصل کرے کیونکہ اس سے بڑھ
[illegible]

[illegible] بندہ کے انفاس کا
[illegible] بعض لکھتے ہیں کہ حسیب
[illegible] سے امن حاصل ہو بعض نے یوں توجیہ کی
[illegible] فضل سے بندہ کو کافی ہو اور اپنے احسان [illegible]
[illegible] ذات ہے جو اہل حاجت کی التجا [illegible]

[illegible] نہایت استحکام کے ساتھ جاری فرمائے
[illegible] اور اس کے معنے صاحب جلال کے
[illegible] وجہ ربک ذو الجلال والاکرام
[illegible] دو قسم کے صفات کا ذکر ہے یعنی ذوالاکرام صرف
[illegible] مگر ذو الجلال [illegible] الذات والصفات ہے

اور صفات دو قسم کے ہیں۔ اوّل صفات سلبیہ [illegible] ایسی صفات [illegible] ذات

باری [illegible] مثلاً [illegible] یا [illegible] مکان و زمان وغیرہ سے [illegible] دوم [illegible]

[illegible] ذات باری [illegible] ثابت ہیں۔ مثلاً علم [illegible]

اس [illegible] کے [illegible] جلیل کی [illegible] ہیں [illegible]

[illegible] اسم فاعل [illegible] ہے اس لیے جلیل [illegible]

[illegible] کو اعزاز و اکرام بخشے اور ان [illegible] ثواب [illegible]

اس [illegible] کی توجیہ [illegible]

[illegible] جمال [illegible] موصوف [illegible] مشغول [illegible]

ہے جو اس امر کی مستحق ہو کہ عقلاء [illegible] جلال [illegible] کا اعتراف کریں [illegible]

الوہیت کا انکار نہ کریں۔

انسان کامل [illegible]

[illegible] وجہ سے [illegible]

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں [illegible]

آئے عزت پائے اور جو اس کی مخالفت [illegible]

ہے جو اہل معرفت کے دلوں میں [illegible] اور اہل محبت کے [illegible]

[illegible] بعض کہتے ہیں کہ [illegible]

غالب نہ آسکے اور جس [illegible]

[illegible] نہ کر سکے۔ اور بعض نے لکھا ہے [illegible]

[illegible] جمال سے [illegible] کا مقام عطا فرما [illegible]

اولیاء کو اپنے فضل سے عزت بخشے [illegible]

واضح ہو کہ جلال و جمال [illegible]

Marfat.com

ہیں جلوہ افروز ہیں جلال میں صفات قہر و سطوت و غلبہ اور جمال میں صفات رحمت۔ مغفرت۔ احسان داخل ہیں۔ گو ہر دو ایک ہی ذات مقدس کے آثار ہیں مگر مختلف موارد کے لحاظ سے عالم کائنات میں ان سے مختلف نتائج ظہور میں آتے رہتے ہیں جس طرح وہ ذات احدیت جلال کی مالک ہے اسی طرح جمال بھی اسی کی وصف ہے وہی قوت غالبہ کی مستحق ہے اور وہی ہر ایک قسم کے انعام کی منبع ہے اور وہ جمیل مطلق ہے۔ اور اسی لئے اس کے حسن ذاتی کا ادراک محال عقلی ہے جس طرح اہل ظاہر اشیاء کے حسن ظاہری پر دلدادہ ہوتے ہیں اسی طرح اہل بصیرت حقائق اشیاء کی خوبی پر محو حیرت ہوتے ہیں اور ان کے قلوب پر تجلیات جلال و جمال کا ہر وقت ورود ہوتا ہے تجلیات جلال کا اثر خشیت و خشوع ہے اور تجلیات جمال کا محبت و انس سے

کشتگان خنجر تسلیم را ۔۔۔۔۔۔ ہر زمان از غیب جانے دیگر است

اَلْکَرِیْمُ قال اللہ تعالی یا ایھا الانسان ما غرک بربک الکریم اور پھر فرمایا اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ۔ واضح ہو کہ اہل عرب ہر ایک صفت محمود کو کرم سے تعبیر کیا کرتے ہیں ایک حدیث میں وارد ہوا ہے یوسف اکرم الناس اس جملہ میں کرم سے کرم نسب مراد ہے اہل عرب بولتے ہیں فلاں کریم الطرفین کبھی اس لفظ کا اطلاق صورت حسینہ پر بھی آتا ہے قال اللہ تعالی اِنْ ھٰذَا اِلَّا مَلَكٌ کَرِیْمٌ اور جنت کی وصف میں فرمایا مَقَامٍ کَرِیْمٍ کبھی اس لفظ کا اطلاق بمعنے عزیز کیا کرتے ہیں چنانچہ آیۃ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ میں اکرم بمعنے اعز ہے سلیمان علیہ السلام کے مکتوب کو کِتَابٌ کَرِیْمٌ کہا گیا ہے کیونکہ ایک جلیل القدر مضمون پر مشتمل تھا جس کے منافع بیشمار تھے اسی لئے بڑی دودھیلی اونٹنی کو بھی ناقۃ کریمۃ بولا کرتے ہیں درخت انگور کو کرمہ بولنا بھی اسی خیال پر مبنی ہے کیونکہ وہ کثیر المنافع اور بآسانی درخت سے اتارا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

اس لغوی تشریح کے بعد معلوم ہونا چاہئے کہ کرم بمعنے شرف و طہارت بجز ذات باری کے کسی غیر کو حاصل نہیں کیونکہ وہی موجود حقیقی واجب الوجود عدم و دیگر نقائص سے مبرا و منزہ ہے اور اگر کرم بمعنے عزت ہو تو اس صورت میں بھی عزیز بجز ذات باری کے کوئی اور موجود نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کثیر المنافع ہونا مراد ہو تو ظاہر ہے کہ یہ وصف بھی بجز ذات باری کے کسی کو حاصل نہیں جو ہر ایک قسم کی خیرات کا مصدر ہے اور ذات باری کے کرم کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو گا۔ کہ وہ بلا استحقاق اور بلا سوال اپنے خیر و احسان سے انعام بخشتا ہے اور اگر کوئی داعی یا کریم العفو کہہ کر اسے پکارے تو وہ اس داعی کے گناہ کو مٹا کر نیکی کو اس کے نامۂ اعمال میں ثبت فرماتا ہے اور دنیا میں اپنے بندوں کے عیوب پر پردہ پوشی کرتا ہے اور مغفرت عطا فرما کر ان کے گناہوں کو انہیں یاد نہیں دلاتا اور اگر وہ تھوڑی سی طاعت بھی بجا لائیں تو انہیں ثواب جزیل عطا فرماتا ہے اور اس کے کرم پر مبنی ہے۔ کہ اس نے تمام اشیاء کو انسان کی خاطر پیدا کیا اور دار آخرت کو جس کی وصف میں وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ وارد ہوا ہے تیار کر کے گوناگوں نعمتوں کا وعدہ فرمایا

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کریم وہ ذات ہے جو صاحب قدرت ہو کر عفو کرے اور وعدہ کر کے وفا کرے اور زائد از امید عطا فرمائے اور سب سے تو اسے ہرگز یہ پروانہ ہو کہ کس قدر دیا ہے اور کس کو دیا ہے؛ اور کسی غیر کی طرف حاجت لیجانے سے ناراض ہو اور حاجتمندوں کی حاجت روائی کے لئے کسی وسیلہ یا شفیع کو جانے نہ رکھے اور اپنے ہاں پناہ لینے والے کو اپنی نصرت سے محروم نہ کرے سو جس ذات میں یہ تمام صفات مجتمعاً حاصل ہو جائیں وہ کریم کہلانے کی مستحق ہے۔ اور یہی ذات بجز ذات باری کے کوئی اور نہیں ہو سکتی اس لئے کریم مطلق صرف وہی ذات ہے بجز فرماتے ہیں کہ بندہ کو محنت و مشقت سے کسی قدر یہ صفات حاصل ہو سکتے ہیں اس لئے اسے بھی کریم بولا

Marfat.com

کرتے ہیں لیکن بمقابلہ ذات باری یہ صفات نہایت ناقص ہیں مگر انسان کریم وہی ہے جو مجرموں کے قصور کو معاف کردے اور اصناف خلائق کو ہر ایک قسم کی منفعت سے مستفید کرے۔

حضرت مشائخ فرماتے ہیں کہ کریم وہ ذات ہے جو بلا اظہار منت احسان کرے اور حضرت جنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کریم وہ ذات ہے جو بندہ کو کسی وسیلہ کا محتاج نہ ہونے دے اور بعض لکھتے ہیں کہ کریم وہ ذات ہے جو اہل عصیان کو قبول توبہ سے ناامید نہ کرے۔ حارث محاسبی کہتے ہیں کہ کریم وہ ذات ہے جو اس امر کی پروا نہ کرے کہ کس کو دیتا ہے بعض لکھتے ہیں کہ کریم وہ ذات ہے جو باوجود عصیان کے احسان کرے اور بعض نے اور بھی توجیہات لکھی ہیں

الرقیب قال اللہ تعالیٰ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم اور پھر فرمایا وکان اللہ علی کل شیء رقیبا اس اسم کی توجیہ میں دو قول بیان کئے گئے ہیں۔

قول اول رقیب کے معنے ہیں کسی چیز کو بطور حفاظت کے نظر رکھنا اور آدمیوں میں رقیب اسی شخص کو کہتے ہیں جو کسی چیز کی حفاظت پر موکل ہو اس طرح پر کہ وہ اس سے کسی حال میں بھی غفلت کو جائز نہ رکھے یقال رقبت الشیء ارقبه اذا رعيته وحفظته قال اللہ تعالیٰ ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید اس آیت میں رقیب سے وہ فرشتہ مراد ہے جو بندوں کے نامہ اعمال کو لکھتا اور ان کے الفاظ کو محفوظ رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے رقیب ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ ان کے افعال و اقوال کو محفوظ رکھتا اور ان کا علم رکھتا ہے قال اللہ تعالیٰ اننی معکما اسمع واری اور پھر فرمایا یعلم ما فی السموات والارض۔ قول دوم رقیب کے معنے انتظار ہے قال اللہ تعالیٰ فارتقب انہم مرتقبون چونکہ انتظار ذات باری کے لئے محال ہے اس لئے اس کے لازم معنے یعنی طلب مراد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ادائے حق عبودیت کا طالب ہے اس لئے وہ

Marfat.com

رقیب ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ اسم رقیب کے معنے العلیم الحفیظ کے ہیں۔ یا یوں کہو کہ اسم رقیب کا مفہوم علم و حفظ پر مشتمل ہے مگر بطریق دوام و لزوم مطلق علم و حفظ پایا جائے گا کمال وصف مراقبہ میں یہ ہے کہ وہ اس امر کا یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک امر میں اس کا پاسبان شاہد حال ہے اور نفس و شیطان مردود اس کے دشمن ہیں جو اس کی گھات میں لگے ہیں اور غفلت و مخالفت پر آمادہ کرتے رہتے ہیں انسان کامل کا فرض ہوتا ہے کہ ان کے مکائد سے کبھی غافل نہیں ہوتا بلکہ ہر وقت ان کی روک تھام کے لئے مستعد رہتا ہے

یہ امر قابل ذکر ہے کہ مراقبہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو قلب کے اندرونی حالات اور کیفیات کا علم ہو ان کیفیات و حالات کی ہمیشہ نگرانی کرتے رہنا ہی مراقبہ ہے اور یہ مراقبہ تمام کمالات خیر و سعادت کا زینہ ہے اور یہ بات اس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے تمام اقوال و افعال سے آگاہ ہے۔ اور وہ ان پر محاسبہ کرے گا۔ یقین جب غالب ہو جاتا ہے تو بندہ سے گناہ کا ارتکاب نہیں ہوتا چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی کی نسبت مروی ہے کہ انہوں نے ایک غلام کو بکریاں چراتے دیکھا آپ نے اس سے کہا کہ ایک بکری میرے پاس بیچ ڈالو اس نے کہا کہ بکریاں میری نہیں ہیں آپ نے کہا کہ تم کہہ دینا کہ بھیڑیا پھاڑ گیا ہے اس نے جواب دیا کہ خدا کہاں ہے؟ یہ قول آپ کے دل میں ایسا مؤثر ہوا کہ اس کو اس کے آقا سے خرید کر آزاد کر دیا۔ کہتے ہیں کہ آپ کو ہمیشہ غلام کا جواب یاد آیا کرتا۔

حضرات مشائخ لکھتے ہیں کہ رقیب وہ ذات ہے جو باطن کے اسرار سے واقف ہو اور عند الاضطرار مجیب ہو بعض لکھتے ہیں کہ رقیب وہ ذات ہے جو تمام ضمائر و خفیات پر مطلع و شاہد ہو بعض لکھتے ہیں کہ رقیب وہ ذات ہے جو تمام حادثات کو ان کے وجود سے پہلے ہی جانتا اور دیکھتا ہو۔

اَلْمُجِیْبُ قال اللہ تعالیٰ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ اس اسم کی دو طرح تفسیر کی گئی ہے اول تو یہ کہ اجابت بمعنے کلام ہے اس صورت میں یہ مشتق ہو گا اَجَبْتُہٗ اجابۃً وجوابًا سے دوم یہ کہ اجابت کے معنے ہیں سائل کو اس کا مطلوب دینا لفظ مجاب الدعوات انہیں معنے سے ماخوذ ہے اور آیۂ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ الخ میں بھی یہی معنے ملحوظ ہیں چنانچہ لفظ اضطرار اس معنے کی تعیین کے لئے کافی ہے اور انہیں معنی کی تفسیر میں یہ حدیث وارد ہے اِنَّ اللّٰہَ یَسْتَحْیِیْ اَنْ یَّرُدَّ یَدَ عَبْدِہٖ صِفْرًا یعنی اللہ تعالےٰ کو شرم آتی ہے کہ وہ اپنے بندہ کے ہاتھ کو خالی رد کرے

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مجیب میں صرف قبول دعاء کا ہی مفہوم نہیں بلکہ مجیب وہ ذات ہے جو قبل سوال عطاء نعمت کرے یہ امر بجز ذات باری کے کسی اور سے متصور نہیں کیونکہ قبل سوال حاجتمندوں کی حاجت کا علم اسی کو ہو سکتا ہے بلکہ اس کو ازل ہی سے یہ علم حاصل ہے اس لئے اس نے مخلوقات کی حاجت روائی کے لئے اسباب ضروریہ اور ان کے طریق استعمال کو پیدا کر دیا ہے

انسان کامل کو یہ حظ ہونا چاہئے کہ وہ سب سے پہلے اللہ تعالےٰ کے کلام کی اجابت کرے پھر بندگان خدا کے حاجات کو بقدر طاقت رفع کرے اور اگر طاقت نہ رکھتا ہو تو لطفِ کلام کے ساتھ انہیں رخصت کر دے قال اللہ تعالیٰ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ اجابت دعوت (ضیافت) بھی اسم مجیب کے حظ میں داخل ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا لَوْ دُعِیْتُ اِلٰی کُرَاعٍ لَاَجَبْتُ وَلَوْ اُھْدِیَ اِلَیَّ ذِرَاعٌ لَقَبِلْتُ یعنی اگر میں ایک پاچۂ گوسپند کی (ضیافت) پر مدعو کیا جاؤں تو میں داعی کی دعوت کی اجابت کرونگا اور اگر میری طرف ذراع (گوشت بازو) ہدیہ بھیجا جاوے تو میں قبول کرونگا یہ فرمان حضور علیہ السلام کی اعلیٰ اخلاقی حالت پر دال ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو ہرگز منظور نہ تھا کہ کوئی آپ سے ناامید یا رنجیدہ خاطر رہے برخلاف اس کے اکثر متکبرین اہل دنیا کا شیوہ ہے

Marfat.com

کہ غرباء کی دعوت پر حاضر نہیں ہوتے۔ بلکہ ایسے مواقع پر شامل ہونے کو اپنی ہتک خیال کرتے ہیں ایسے لوگوں کو اسم مجیب سے کچھ بہرہ نہیں ہوتا۔

امام رازی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے بندہ کو اپنی طاعت کی طرف دعوت کی ہے اگر بندہ اجابت کرے تو اللہ تعالےٰ ہر ایک دعا کی جو بندہ کرتا ہے اجابت فرماتا ہے حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ مجیب وہ ذات ہے جو دعائے مضطرین کی اجابت فرمائے اور سائلین کی امیدوں کو ناکام نہ رکھے۔

اَلْوَاسِعُ قال اللہ تعالیٰ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ اور پھر فرمایا وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ یہ اسم مصدر سَعَۃٌ بفتح سین وبکسر سین سے مشتق ہے جس کے معنے فراخ ہونے کے ہیں واضح ہو کہ واسع مطلق صرف ذات باری ہے کیونکہ اسی کی ذات تمام زمانوں میں بلکہ زمانہ کے وجود سے پہلے ازلاً اور ابداً موجود ہے نیز اس کا علم تمام معلومات پر حاوی ہے اور ایک چیز کا علم اس کو کسی دوسری چیز کے علم سے رک نہیں ہو سکتا اسیطرح اس کی قدرت تمام مقدورات ممکنہ پر مشتمل ہے علی ہذا القیاس اس کی سمع وبصر وغیرہ اور یہی حال اس کی رحمت اور احسان کا ہے کہ تمام ذرات کائنات کو شامل ہیں۔

اسم وسیع کا اسم مجیب کے بعد بیان کرنا اس نکتہ پر مبنی ہے کہ وہ ہر ایک محتاج کی اجابت دعا کو ایک ہی آن میں پورا کر سکتا ہے کیونکہ ایک کی اجابت دوسرے کی اجابت سے اس کو روک نہیں سکتی برخلاف انسان کے کہ اس کے صفات محدود ہیں اس لئے وہ ایک ہی آن میں مختلف امور کو سرانجام نہیں دے سکتا۔ یہ امر بالکل نفس الامر بلکہ مشاہدہ اس کی تصدیق کرتا ہے کہ بعض افراد انسانی ایسے محدود القوےٰ ہوتے ہیں۔ کہ وہ ایک ہی علم کے سیکھنے کی قدرت رکھتے ہیں ۔۔ اور بعض کئی ایک علوم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے۔ کہ ایک ہی

Marfat.com

شخص ایک آن میں کئی ایک امور کو سرانجام دے سکتا ہے اور اگر اسی وصف کو ذات باری کی نسبت بدرجۂ کمال ملحوظ رکھا جائے۔ تو یہ بلاشک قابل تسلیم ہوگا کہ وہ ایک ہی آن میں تمام کائنات عالم کا مدبر و منتظم ہے چونکہ ذات باری کے صفات غیر متناہی ہیں جن کے بیان میں سمندر اگر سیاہی بن جائیں اور درخت قلمیں تو پھر بھی ان کی غائت نامعلوم رہیگی اس لئے وہی ذات فی الحقیقت وسیع کہلانے کی مستحق ہے یعنی ماسوی اللہ جس قدر اشیاء کسی وصف میں وسیع ہوں گی۔ ان میں باہم اضافی طور پر وسعت ہوگی اور اس لئے وہ محدود الوسعت ہیں مگر ذات باری کا علم۔ قدرت۔ سمع۔ بصر۔ رحمت وغیرہ صفات کی کوئی حد یا غائت نہیں اور جب بے حد و غائت ہیں تو ان پر زیادتی ناممکن ہے۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ حظ حاصل ہوتا ہے کہ وہ علم و اخلاق میں وسعت حاصل کرے جس قدر اس کے علم و اخلاق میں وسعت ہوگی اسی قدر اس اسم کا مظہر بننے کا مستحق ہوگا۔

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ واسع وہ ذات ہے جس کی برہان کے لئے کوئی غائت اور اس کے سلطان کی کوئی نہائت نہ ہو بعض فرماتے ہیں کہ واسع وہ ذات ہے جس پر قلوب کے خواطر کا اثر مخفی نہ ہو بعض لکھتے ہیں کہ واسع وہ ذات ہے جس کی غنا کی کوئی حد نہ ہو اور جس کے عطایا لا متناہی ہوں بعض لکھتے ہیں کہ واسع وہ ذات ہے جس کا احسان شامل اور عطا کامل ہو۔

اَلْحَکِیْمُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ قبل ازیں اسم حکم کی تفسیر میں گذر چکا ہے کہ یہ لفظ مصدر حکمت سے مشتق ہے اور حکیم کے معنے ہیں صاحب حکمت + اس لئے اس اسم کی توجیہ تین طرح پر ہو سکتی ہے اول یہ کہ فعیل بمعنے مُفعل یعنی حکیم بمعنے مُحکم ہے

ل امام رازی لکھتے ہیں کہ میرے پاس بعض معتبر اشخاص نے بیان کیا کہ فضلِ شعراء میں سے ایک شخص کی یہ حالت تھی کہ اسے اگر پانچ مختلف الوزن والقافیہ شعر طرح کے طور پر پیش کئے جاتے تو وہ ایک طرف تو شطرنج بازی میں مشغول ہوتا اور دوسری طرف ہر ایک شعر کا جواب باقی کر دیدیا کرتا تھا ۱۲ منہ

Marfat.com

یعنی وہ ذات جس نے اشیاء کو نہائت استحکام اور حسن تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے اس توجیہ کے رو سے۔ مکھی، مچھر وغیرہ اگرچہ زمین و آسمان کی نسبت کوئی استحکام نہیں رکھتے مگر حسن تدبیر اور حسن صنعت کے رو سے وہ قدرت ذات باری پر اسی طرح دلالت کرتے ہیں جس طرح زمین و آسمان چنانچہ آیۂ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ اور آیۂ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا میں اسی حسن تدبیر و صنعت کیطرف اشارہ کیا گیا ہے۔

دوم حکمت سے مراد ہے افضل المعلومات کی بذریعہ افضل العلوم کے معرفت حاصل کرنا اس صورت میں حکیم بمعنے علیم ہوگا امام غزالی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ افضل المعلوم تو ذات باری ہے اور افضل العلم علم ازلی جس میں کسی قسم کے نقص یا شک و وسوسہ کو دخل نہیں چونکہ کنہ ذات باری کا علم بجز ذات باری کے کسی کو حاصل نہیں۔ اس لئے وہی ذات حکیم مطلق بھی ہے۔

سوم حکمت سے مراد ہے ذات باری کا ہر ایک امر ناشائستہ سے بری ہونا۔
قال اللہ تعالیٰ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا

واضح ہو کہ جو شخص جمیع اشیاء کا علم رکھتا ہو مگر ذات باری کی معرفت سے بے بہرہ ہو اسے حکیم نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہ افضل العلوم سے بیخبر ہوتا ہے اور حکمت اجل العلوم ہے اور کسی علم کا شرف بمقدار شرف معلوم کے ہوتا ہے چونکہ حکمت کا علوم معرفت ذات باری ہے اس لئے وہ اجل العلوم ہے سو عارف ذات باری ہی حقیقت حکیم کہلانے کا مستحق ہوتا ہے اگرچہ وہ فصاحت و بلاغت اور دیگر علوم رسمیہ میں بڑا ماہر نہ ہو اسی حکمت کی نسبت اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا یعنی جس شخص کو حکمت دی جاتی ہے وہ خیر کثیر کا مالک ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نور معرفت سے اس کا قلب حقائق اشیاء کو کما ینبغی مشاہدہ کرتا ہے اور اس کا کلام کلیات حقائق

Marfat.com

مشتمل ہوجاتا ہے نہ جزئیات پر مثلاً حضور علیہ السلام کے کلمات ذیل پر غور کرو۔
جو سراسر حکمت کا نچوڑ ہیں۔

(ا) رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ یعنی حکمت کا جزو اعظم خدا کا خوف ہے

(ب) اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ الْاَمَانِيَّ یعنی دانا وہ شخص ہے جو اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو۔ اور آخرت کے لئے عمل کرتا ہو اور عاجز وہ شخص ہے جو ہوائے نفس کے پیچھے لگا رہتا ہے اور اللہ تعالےٰ سے حسن آخرت کی آرزو رکھتا ہے

(ج) مَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَاَلْهٰى یعنی قلیل چیز جو کافی ہو کثیر سے جو اللہ تعالےٰ یا آخرت سے روک دے بہتر ہے

(د) مَنْ اَصْبَحَ مُعَافًا فِيْ بَدَنِهٖ اٰمِنًا فِيْ سِرْبِهٖ عِنْدَهٗ قُوْتُ يَوْمِهٖ فَكَاَنَّمَا حِيْزَتْ لَهُ الدُّنْيَا بِحَذَافِيْرِهَا یعنی جو شخص تندرست ہو اور اپنے جھونپڑے میں آرام سے بیٹھا ہو اور موجودہ دن کی روزی رکھتا ہو۔ یوں سمجھو۔ کہ اس کو ساری دنیا مل گئی۔

(ہ) كُنْ وَرِعًا تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ وَكُنْ قَنِعًا تَكُنْ اَشْكَرَ النَّاسِ یعنی پرہیزگار بنو تم سب سے بڑھ کر عبادت گذار ہو جاؤ گے اور قانع بنو تم سب سے بڑھ کر شکر گذار ہو جاؤ گے۔

(و) اَلْبَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالْمَنْطِقِ یعنی بلا آدمی کے کلام سے وابستہ ہے

(ز) مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ یعنی انسان کی خوبیٔ اسلام فضول چیز کو ترک کرنے میں ہے۔

(ح) اَلسَّعِيْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَيْرِهٖ یعنی سعادت مند وہ شخص ہے جو دوسرے کی حالت کا مشاہدہ کر کے نصیحت قبول کر لیتا ہے۔

(ط) اَلصَّمْتُ حِکْمَۃٌ وَقَلِیْلٌ فَاعِلُہٗ یعنی خاموشی حکمت ہے اور اس کے اختیار کرنے والے کم ہیں۔

(ی) اَلْقَنَاعَۃُ مَالٌ لَا یَنْفَدُ یعنی قناعت ایسا مال ہے جو ختم نہیں ہوتا

(ک) اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ وَالْیَقِیْنُ الْاِیْمَانُ کُلُّہٗ یعنی صبر نصف ایمان ہے اور یقین پورا ایمان ہے۔

یہ اور اس قسم کے کلمات حکمت کہلاتے ہیں اور ان کے بولنے والے کو حکیم کہتے ہیں

امام رازی لکھتے ہیں کہ حکماء نے حکمت کو علم کا مترادف قرار دیا ہے مگر خاکسار کا خیال ہے اور بعض محققین نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ علم اور حکمت ہر دو متحد المفہوم نہیں چنانچہ آیہ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ میں اگر حکمت اور علم ہر دو کو متحد المفہوم قرار دیں تو لفظ حکیم تاکید سے زیادہ کوئی فائدہ نہیں دیگا مگر علمائے عربیت تاسیس کو تاکید سے اولیٰ قرار دیتے ہیں۔ اس لئے لفظ حکیم لفظ علیم سے کسی زائد معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حکمت کمال قوت علمی اور کمال قوت عملی ہر دو کے مفہوم کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ انسان انہیں ہر دو قوت سے درجہ کمال کا مستحق ہوتا ہے اگر کسی شخص میں کمال علم ہو اور پیرایہ عمل سے عاری ہو تو اسے صاحب کمال نہیں کہہ سکتے چنانچہ علم البیان کے علماء نے بھی انہیں ہر دو قوت کے کمال پر حصول حکمت کو موقوف رکھا ہے اور وہ تقسیم حکمت میں ہر دو اقسام علوم یعنی نظری (علمی) اور عملی کو شمار کیا کرتے ہیں اور قرآن مجید نے بھی ہر دو قوت علمی و عملی

۵ تاکید میں صرف تکرار لفظ ہوتا ہے اور اس تکرار سے کلام موکد ہو جاتا ہے مگر تاسیس میں زیادت معنے ملحوظ ہوتی ہے یعنی دوسرے لفظ میں پہلے کی نسبت کوئی زیادہ بات مد نظر ہوتی ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

کے کمال ہیں درجات عالیہ اخرویہ کو محدود کیا ہے چنانچہ الفاظ آمنوا (کمال علم) وعملوا الصالحات (کمال عمل) انہیں ہر دو قوت کے کمال کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اگر کمال علم و عمل مفہوم حکمت میں ملحوظ نہ ہوتا تو حکمت کو خیر کثیر کے لفظ سے نہ تعبیر کیا جاتا اور نہ انبیاء علیہم السلام کے لئے مقام مدح و فضیلت میں اس کو لایا جاتا دیکھو داؤد علیہ السلام کی نسبت یوں وارد ہوا ہے وَاٰتَیْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ

حضرات مشائخ لکھتے ہیں کہ حکیم وہ ذات ہے جو ہر ایک امر کا صحیح اندازہ باندھے اور تدبیر امور میں عین صواب پر چلے بعض لکھتے ہیں کہ حکیم وہ ذات ہے جو اغراض سے بری ہو اور اس کے فعل پر گنجائش اعتراض نہ ہو۔

اَلْوَدُوْدُ قال اللہ تعالیٰ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ لغت میں وُدّ کے معنے محبت اور دوستی کے ہیں اس اسم کی توجیہ تین طرح پر ہوسکتی ہے اول یہ کہ فعول بمعنے فاعل لیا جائے یعنی وَدُوْدٌ بمعنے وَادٌّ ہو اس صورت میں اس کے معنے محب کے ہونگے قال اللہ تعالیٰ یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ مگر اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں سے محبت کرنے کے یہ معنے ہیں کہ وہ انہیں ہر ایک قسم کی خیرات پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے اس توجیہ کے رو سے وُدّ اور رحمت قریب المفہوم ہو جائیں گے کیونکہ رحمت الٰہی کے معنے بھی ارادۂ ایصال خیر کے ہیں۔ ہاں ان ہر دو میں ایک لطیف فرق بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ رحمت اس امر کی مستدعی ہے کہ اس کا مورد یعنی مرحوم کوئی محتاج ضعیف ہو۔ مگر وُدّ میں یہ امر ملحوظ نہیں بلکہ وُدّ ابتدائے انعام و احسان کی مقتضی ہے دوم یہ کہ وَدُوْد وہ ذات ہے جو متقین کو خلقت کے نزدیک محبوب بنا دے چنانچہ فرمایا سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ سوم یہ کہ وَدُوْد بمعنے مَوْدُوْد ہو جیسے رکوب بمعنے مرکوب مفہوم یہ ہوا کہ وہ ذات جو قلوب اولیاء میں محبوب ہے۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ہوتا ہے کہ وہ طریق مشروع پر بندگان خدا سے پورا احسان کرتا ہے بلکہ جو اپنے لئے چاہتا ہے وہی دوسروں کے لئے چاہتا ہے اور جب

اس سے زیادہ ترقی کر جاتا ہے تو وصف ایثار سے متصف ہو جاتا ہے اس حالت میں وہ اپنی ضرورتوں کو نظر انداز کر کے بنی نوع کی ضرورتوں کے پورا کرنے میں سعی کرتا ہے قال اللہ تعالیٰ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ اسی مقام پر ایک عارف کا قول ہے اُرِيْدُ اَنْ اَكُوْنَ جِسْرًا عَلَى النَّارِ يَعْبُرُ عَلَى الْخَلْقُ وَلَا يَتَاذُّوْنَ بِهَا یعنی میں چاہتا ہوں کہ دوزخ کے اوپر پل بن جاؤں جس پر لوگ گذر جائیں اور تکلیف نہ پائیں (اللہ اکبر! کس درجہ کا ترحم ہے) اس مقام پر عارف کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ رحم مجسم بن جاتا ہے اور کسی شخص کی دشمنی اور کینہ اس کو احسان اور ایثار سے نہیں روک سکتے یہی وجہ ہے کہ جب حضور علیہ السلام کے دندان مبارک غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تو مخالفین کی بدسلوکی حضور علیہ السلام کی خیر خواہی میں کچھ مزاحم نہ ہو سکی چنانچہ آپ کی زبان حقائق ترجمان پر بارگاہ رب العزت میں یہ کلمات جاری ہوئے اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ خدایا میری قوم کو ہدایت عطا فرما کیونکہ یہ لوگ حقیقت الامر سے بے خبر ہیں ایک دفعہ آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ ارشاد فرمایا اِنْ اَرَدْتَ اَنْ تَسْبِقَ الْمُقَرَّبِيْنَ فَصِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاَعْطِ مَنْ حَرَمَكَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ یعنی اگر تو یہ چاہتا ہے کہ مقربین بارگاہ سے آگے بڑھ جائے تو اس شخص سے جو تجھ سے علیحدہ ہوتا ہے مل اور جو تجھے محروم رکھتا ہے اُسے دے اور جو شخص تجھ پر تعدی کرتا ہے اسے معاف کر دے۔

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ شرط محبت یہ ہے کہ محب اپنے محبوب کی جفا پر مقام وفا میں ثابت قدم رہے چنانچہ شبلی رحمۃ اللہ کی نسبت مروی ہے کہ ایک دفعہ چند آدمی مل کر آپ کے پاس حاضر ہوئے شبلی اس وقت بیمارستان میں بیٹھے تھے آپ نے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو انہوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کے محبین ہیں آپ نے ڈھیلے اور پتھر اٹھا کر انہیں مارنا شروع کیا وہ لوگ یہ سلوک دیکھ کر بھاگ نکلے آپ نے فرمایا

Marfat.com

کہ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے تو میری تکلیف سے کبھی اعراض نہ کرتے۔

بعض اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ ودود وہ ذات ہے جو اپنے اولیاء کے نزدیک اپنی معرفت کی وجہ سے اور اہل معصیت کے نزدیک اپنی عفو ورحمت کی وجہ سے اور عوام کے نزدیک روزی اور کفائت امور کی وجہ سے محبوب سمجھا جائے اور بعض نے لکھا ہے کہ ودود وہ ذات ہے جو محبت کی وجہ سے اپنے محبّ کو اغیار سے الگ تھلگ کرلے اور رسوم و آثار بشریت کے ملاحظہ سے ہٹالے۔

اَلْمَجِیْدُ قال اللہ تعالےٰ ذُوالعَرْشِ الْمَجِیْدُ اس اسم کا صرفی وزن فعیل ہے اس لئے مجید اور ماجد میں وہی فرق ہے جو علیم اور عالم میں۔ یعنی وضع فعیل میں بہ نسبت وزن فاعل کی مبالغہ مدنظر ہے مگر مجد کی تعبیر میں دو قول بیان کیا کرتے ہیں اول یہ کہ مجد کے معنے شرف کامل کے ہیں اور یہی معنے ماخوذ ہیں آیہ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدُ میں۔ سو اس معنے کے روسے مجد و شرافت اور علو و عظمت کی مستحق صرف وہی ذات اقدس ہے اس تعبیر کے روسے اسم مجید اسم عظیم کا مترادف سمجھنا چاہئے۔

دوم لفظ مجد لغوی معنے کے روسے وسعت کے مفہوم پر مشتمل ہے چنانچہ رَجُلٌ مَاجِدٌ ایسے شخص کو بولتے ہیں جو سخی اور کثیر الاحسان ہو اہل زبان بولتے ہیں مجدت الدابۃ اذا اعلفتہا مِلْئَ بَطنِہا یعنی پیٹ بھر کر چارہ کھلایا اور قرآن کلام الٰہی کو مجید بھی اسی معنے میں بولا جاتا ہے کیونکہ وہ کثیر الفوائد ہے اس سے معلوم ہوا کہ ذات باری کو مجید اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ ذات اقدس کثیر الاحسان والافضال ہے یہ خیال ہو سکتا ہے۔ کہ جب اسم مجید کو اسماء ذات باری شمار کیا گیا تو پھر ماجد کو بلحاظ وصف کے مجید سے کم رتبہ پر کیوں شمار کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اسم ماجد اسم واجد کے بعد ذکر کیا گیا ہے جس کے معنے غنی کے ہیں اس لئے لفظ ماجد بطور تاکید لایا گیا ہے یعنی وہ ذات غنی ہونے کے ساتھ کثیر الاحسان بھی ہے

Marfat.com

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ مجید وہ ذات ہے جو بلند عزت اور جمیل الافعال

۔امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسم مجید اسماء جلیل۔ وہاب۔ کریم کے مجموع مفہوم پر مشتمل

ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اَلْبَاعِثُ قال اللہ تعالیٰ وَاِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ لغت میں بعث

کے معنے ہیں کسی چیز کو ابھارنے اور اٹھانے کے یقال بعث الناقۃ علی التیسر یعنی

اونٹنی کو سیر پر ابھارا۔ اس اسم کی تشریح میں چند وجوہ بیان کئے گئے ہیں اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ

قیامت کے دن مخلوق کو قبروں سے اٹھائیگا قال اللہ تعالیٰ وَاِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ مَنْ

فِی الْقُبُوْرِ۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ انبیاء اور رسل کو بغرض ہدایت خلقت کی صرف مبعوث

فرماتا ہے قال اللہ تعالیٰ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِہٖ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِہِمْ سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ

اپنے بندوں کے دلوں میں مختلف ارادوں کو پیدا کر کے انہیں خاص خاص افعال پر لگاتا

ہے چہارم کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو عجز کی حالت میں استمداد پر اور گناہ کے بعد توبہ کیطرف

متوجہ کرتا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعث سے نشأ آخرت یعنی ما بعد الموت کی حالت

مراد ہے اور اسم باعث کی حقیقت کا سمجھنا موقوف ہے حقیقت بعث کی معرفت پر اور حقیقت

بعث کی معرفت ایک ایسا ادق اور اصعب امر ہے کہ جس کے ادراک سے افہام عاجز ہیں

اور اکثر لوگ اس بارے میں محض توہمات و تخیلات کے تابع ہیں اور زیادہ سے زیادہ وہ

اس امر کا تخیل رکھتے کہ موت عدم ہے اور بعث بعد العدم ایک نئی پیدائش کا نام ہے

بعینہ پہلی پیدائش کیطرح سو یہ امر کہ موت عدم ہے غلط ہے کیونکہ جناب رسول اکرم صلعم

نے فرمایا کہ قبر جہنم کے گڑھوں سے ایک گڑھا ہے یا جنت کے باغوں سے ایک باغ ہے

اور مرے ہوئے لوگ یا تو اہل سعادت ہوتے ہیں جو درحقیقت مردہ نہیں ہیں قال اللہ

تعالیٰ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّہِمْ

Marfat.com

یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَا آتَاھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ یعنی جو لوگ اللہ تعالےٰ کے
راستہ میں قتل کیے گئے ہیں انہیں مرے ہوئے مت سمجھو بلکہ وہ تو زندہ ہیں اپنے پروردگار
کے پاس روزی دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی نعمتوں پر خوش زندگی کے مالک ہیں
یا اہل شقاوت ہوتے ہیں اور یہ لوگ بھی مردہ نہیں ہوتے چنانچہ غزوۂ بدر کے موقع پر
جب مشرکین کو ہلاک کر کے کنوئیں میں ڈال دیا گیا تھا جو جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے مقتولین کو یوں خطاب فرمایا اِنِّیْ وَجَدْتُ مَا وَعَدَنِیْ رَبِّیْ حَقًّا فَھَلْ وَجَدْتُّمْ
مَا وَعَدَ رَبُّکُمْ حَقًّا یعنی میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ کیا تھا میں نے تو اس کو
سچ پالیا کیا تم لوگوں نے بھی اپنے پروردگار کے وعدہ کو سچ پالیا ہے اس پر آپ سے
سوال کیا گیا کہ آپ مردوں کو کیسے خطاب فرماتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا مَا اَنْتُمْ
بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْھُمْ لٰکِنَّھُمْ لَا یَقْدِرُوْنَ اَنْ یُّجِیْبُوْا یعنی تم لوگ یہ بات
ان مقتولین سے زیادہ نہیں سن سکتے تم میں اور ان میں فرق صرف یہ ہے کہ یہ لوگ
جواب کی قدرت نہیں رکھتے اکابر اصحاب مکاشفہ اور ارباب مشاہدہ اس بات کے قائل ہوئے
ہیں کہ انسان دوام حیات کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اس پر فنا کا طاری ہونا محال ہے
کیونکہ موت صرف عدم تصرف یعنی قویٰ اور اعضاء کے معطل ہو جانے کا نام ہے۔

رہا یہ امر کہ ایجاد ثانی ایجاد اول کی طرح ہوگا سو یہ بھی صحیح نہیں بلکہ ایجاد ثانی کو
ایجاد اول سے کوئی مناسبت نہیں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ صرف یہی دو دفعہ کا ایجاد
نہیں بلکہ ہستیٔ انسان کے لئے کئی ایک ایجاد ہیں قال اللہ تعالےٰ وَنُنْشِئَکُمْ فِیْمَا لَا

[illegible] موتے نے جو جوابات اس [illegible] حدیث کے متعلق دیئے ہیں وہ اس قابل نہیں کہ ان کی طرف کچھ
توجہ کی جائے [illegible] اور بڑے بڑے ثقہ شیخ ابن تیمیہ اپنے مجموعہ رسائل میں اور ان کے
شاگرد رشید حافظ ابن قیم کتاب الروح میں سماع موتے کے بڑے زور سے قائل ہیں۔ اور
حدیث عائشہ کا جواب دیتے ہیں۔ ۱۲ منہ

تَعۡلَمُوۡنَ اسی طرح انسانی ہستی کے مختلف مراتب پیدائش کو نطفہ، علقہ، مضغہ کے بیان کرنے
کے بعد فرمایا ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰهُ خَلۡقًا اٰخَرَ اس جملہ میں خلقًا آخر ایک ورنئی پیدائش سے
مراد انسانی ہستی کی وہ حالت مراد ہے جب مضغہ کے ساتھ روح جیسی شریف و نفیس حقیقت
کو تعلق پیدا ہوتا ہے چونکہ یہ حالت ایک نہائت گرامی و عظیم الشان تھی اس لئے اس کے
بیان کرنے کے بعد فرمایا فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ اس پیدائش کے بعد ادراکات
حسیہ کا پیدا کرنا ایک علیحدہ ہستی ہے پھر قوت ممیزہ کا قریبًا سات سال کے بعد پیدا کرنا ایک
نئی ہستی ہے پھر قوت عاقلہ کا قریبًا پندرہ سال کی عمر کے بعد پیدا کرنا ایک نئی پیدائش
ہے علی ہذا القیاس مابعد کی حالتیں بھی علیحدہ علیحدہ نئی پیدائش کہلاتی ہیں یہی معنے ہیں
آیۂ وَقَدۡ خَلَقَكُمۡ اَطۡوَارًا کے پھر کمال خلقت انسانی کے بعد خاص خاص افراد کے لئے
روحانی کمالات ولائت و نبوت کے حاصل ہونے پر ایک نئی پیدائش کا آغاز ہوتا ہے
اور اس لئے ان کمالات سے متصف ہونا گویا ایک قسم کا بعث ہے اسی خیال پر انبیاء
علیہم السلام کے مامور ہونے کو بعثت کہا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ باعث ہے۔ چنانچہ
فرمایا هُوَ الَّذِيۡ بَعَثَ فِي الۡاُمِّيّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ الآیۃ اور بعثت رسل اللہ تعالیٰ
کا ویسا ہی ایک فعل ہے جیسا بعث بعد الموت۔ مگر جسطرح حصول قوۃ عاقلہ سے پہلے
عجائبات عقل کا ادراک کرنا دشوار ہے اسی طرح طور عقل کا پابند ہو کر کمالات ولائت
و نبوت کی حقیقت کا کوئی مخصوص ادراک نہیں کر سکتا یہی وجہ ہے کہ جو شخص جس طور میں زندہ
ہوتا ہے وہ اس سے اگلے طور کی حقیقت کا انکار کر دیا کرتا ہے۔ چنانچہ مادہ پرست لوگ
عموماً عجائبات روح کا انکار کر دیا کرتے ہیں بلکہ بعث بعد الموت کا انکار بھی [illegible]
خیال پر مبنی ہے سو جس طرح ایک طور ہستی کے ادراکات کسی آئندہ دوسرے طور ہستی
بالکل علیحدہ ہوتے ہیں اور [illegible] میں کوئی مناسبت نہیں ہوتی اسی طرح ایجاد بعد الموت
یعنی ایجاد ثانی کو ایجاد اول سے کوئی مناسبت نہیں ہاں اشتراک اسمی کے رو سے

ہردو ایک ہیں. مگر حقیقت ہردو کی علیحدہ علیحدہ ہے یہ مسئلہ بجائے خود بہت سے دقیق اور عمیق مباحث پر مشتمل ہے. جن کی تفصیل اس موقع پر خارج از آہنگ ہے۔

انسان کامل کو اس سے جو بہرہ ہوتا ہے اس کی صورت تفصیلی یوں ہے کہ جب انسان پہلے پیدا ہوتا ہے تو ہر ایک قسم کے ادراکات سے خالی ہوتا ہے جوں جوں مختلف اطوار میں منقلب ہوتا ہے اس کے ادراکات میں ترقی ہوتی جاتی ہے اس لئے قبل از حصول علوم روحانی پہلوؤں میں وہ مردہ شمار کیا جاتا ہے اور جوں جوں علوم حقہ کو زیادہ حاصل کرتا ہے حیات طیبہ کا مالک بنتا جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جہل موت ہے اور علم حیات۔ اور یہ معنے قرآن مجید سے ماخوذ ہیں قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ ولنعم ماقیل ؎

اَلنَّاسُ مَوْتیٰ وَاَھْلُ الْعِلْمِ اَحْیَاءُ

سو جس طرح بدن بلا روح زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح روح بلا علم مردہ ہے اس لئے جو شخص علوم حقہ کی طرف رجوع کرتا ہے وہ ایک نئی پیدائش میں منقلب ہوتا ہے اور جب دوسروں کو جہالت سے نکالکر معارف و حقائق کیطرف متوجہ کرتا ہے تو گویا مردہ روحوں کو زندہ کرتا ہے اور اس لئے وہ اسم باعث کا مظہر کامل کہلاتا ہے۔

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ باعث وہ ذات ہے جو اہل ہمت کی ہمتوں کو امور عالیہ کے اکتساب کی طرف متوجہ کرے اور قلب سے وساوس و شکوک کو اٹھائے بعض لکھتے ہیں کہ باعث وہ ذات ہے جو اسرار کو ہوس سے اور افعال کو میل کچیل سے پاک کر دے یعنی افعال بشر کو آثار بشریت سے صاف بنائے حضرت جنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ باطن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہ کر روحانی بن جاؤ۔ اور ظاہر میں خلقت کے ساتھ جسمانی زندگی بسر کرو

اَلشَّھِیْدُ قال اللہ تعالیٰ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا اور یہ فرمایا عالم الغیب

وَاللّٰہُ شَہَادَۃً۔ اسم شہید شاہد (اسم فاعل) کا مبالغہ ہے جیسے علیم بمعنے عالم اور قدیر بمعنے قادر۔ اور اس کی تفسیر میں چند وجوہ بیان کئے گئے ہیں اوّل یہ کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ عالم الغیب والشہادہ ہے اور غیب سے مراد ہر ایک مخفی امر ہے اور شہادت سے مراد ہے ہر ایک امر جو ظاہر ہے یہ ظاہر و باطن محض انسانی علم کے روسے ہے ورنہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک ظاہر و باطن میں کوئی امتیاز نہیں جب نسبت علم ذات باری کیطرف عام طور پر کی جاتی ہے تو اسے علیم بولتے ہیں۔ اور جب امور غیبیہ امور باطنہ کے روسے کی جاتی ہے تو اسے خبیر کہتے ہیں اور جب امور مخفیہ و ظاہرہ ہر دو کو ملحوظ رکھ کر کی جاتی ہے تو اسے شہید بولتے ہیں۔ دوم شہید بمعنے حاضر اور شاہد بھی مستعمل ہے قال اللہ تعالیٰ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ سوم یہ کہ شہید بمعنے گواہ ہے جو اپنے بیان سے امر متنازع فیہ کے متعلق مدعی کی صداقت کا اظہار کرتا ہے چنانچہ آیہ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ میں لفظ شہادت اسی معنے میں ماخوذ ہے۔ بعض مفسرین نے آیہ مسطورہ بالا میں شہادت سے یہ مراد لی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی توحید پر دلائل انفس و آفاق کو قائم کر دیا ہے چہارم شہید بمعنے مشہود لہ ہے یعنی چونکہ اللہ تعالےٰ کے بندے اس کی توحید کا اقرار اور شہادت کا اظہار کرتے ہیں اس لئے وہ مشہود لہ ہے قال اللہ تعالیٰ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ آدمی بھی شہید کہلا سکتا ہے اور اس سے مراد ایسا شخص لیا کرتے ہیں جو معرکہ میں مشرکین کے ہاتھ سے قتل کیا جائے اس کی وجہ تسمیہ میں چند اقوال ہیں اوّل یہ کہ ملائکہ اس کے پاس حاضر ہوتے اور اس کی روح کو منازل قدس میں لے جاتے ہیں اسلئے شہید بمعنے مشہود ہوا دوم یہ کہ شہید بمعنے شاہد ہے یعنی ایسا شخص جس نے اللہ تعالےٰ کی رافت اور اس کی رحمت کا مشاہدہ کر لیا ہوتا ہے۔ سوم نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ شہید بمعنے حی زندہ ہے کیونکہ زندہ ہی حالات کا مشاہدہ کر سکتا ہے اور شہید مقتول ہونے کے بعد زندہ

رہتا ہے قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ چہارم یہ کہ شہید بمعنے حاضر ہے یعنی ایسا شخص جو میدانِ جنگ میں حاضر ہوتا ہے۔ پنجم یہ کہ قیامت کے دن منجملہ ان لوگوں کے ہوگا۔ جو گذشتہ امتوں پر شاہد گذریں گے قال اللہ تعالیٰ لِتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ

اس امر کو بھی خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ ذات باری کا شہید ہونا اولیاء کے لئے تو موجب طرب ہے اور اعداء کے لئے باعث خوف۔ موجب طرب ہونے کے لئے اس واقعہ میں غور کرو کہ جب ایک شخص کو کسی حاکم جبار کی طرف سے تازیانہ لگائے جارہے تھے تو ایک بزرگ نے اسے کہا کہ الم ضرب پر تمہارے جزع نہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں جانتا ہوں کہ میں اپنے محبوب کی خاطر پٹ رہا ہوں اور وہ میری اس حالت کو دیکھ رہا ہے بس صرف اسی خیال نے الم ضرب کو مجھ پر آسان کردیا ہے سو جب ایک مخلوق کی نظر محبوب پر الم ضرب کو آسان کردیتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی نظر بندہ پر طاعت کو کیسے آسان نہ کردے گی قال اللہ تعالیٰ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا یعنی اپنے پروردگار کے حکم پر جمے رہو کیونکہ تم ہماری حفاظت (نگرانی) میں ہو ظاہر ہے کہ اس جملہ میں حضور علیہ السلام کو ایک اعلےٰ درجہ کی تسلی دی گئی اور یہی تسلی اذیت کفار کو حضور علیہ السلام پر آسان کردیا کرتی تھی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے اعداء (مشرکین و کفار) کے حق میں باعث خوف ہونے کا اندازہ یوں ہوسکتا ہے کہ شرک و معصیت موجب سوءادب ہیں اور سوء ادب بندہ کو مستوجب عذاب بنادیتا ہے۔

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ شہید وہ ذات ہے جو اسرار محبین کی حفاظت کرے اور ہر ایک حال میں ان سے قریب ہو بعض لکھتے ہیں کہ شہید وہ ذات ہے جو قلوب کو اپنے مشاہدہ سے منور فرمائے اور بعض نے یوں توجیہ کی ہے کہ شہید وہ ذات ہے جو دنیا و آخرت میں اپنے بندہ کے باطن اور اس کی مناجات سے آگاہ ہو۔ اور بعض نے یوں تعبیر

Marfat.com

کی ہے کہ شہید وہ ذات ہے جو اپنے محب کے حق میں بہترین جلیس ہو اور اس کے ہوتے ہوئے کسی انیس و ہمدم کی ضرورت نہ ہو سے

انیسِ خلوتِ شب زندہ داراں رفیق روز و محنت گذاراں!

اَلْحَقُّ قال اللہ تعالیٰ ثُمَّ رُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ اور پھر فرمایا ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ لفظ حق مشتق ہے حق یحق اذا ثبت سے یہی وجہ ہے کہ حق امر موجود کو بولتے ہیں اور باطل امر معدوم کو چونکہ اشیاء اپنے اضداد سے ظاہر ہوتی ہے اس لئے ہر ایک شئے جس کی بابت کسی قسم کی خبر دی جاتی ہے یا تو حق مطلق ہوگی یا باطل مطلق یا من وجہٍ حق ہوگی اور من وجہٍ باطل سو حق مطلق تو واجب بذاتہ کو کہتے ہیں اور باطل مطلق ممتنع بذاتہ کو اور من وجہٍ حق اور من وجہٍ باطل ممکن بذاتہ کو بولتے ہیں ممکن بذاتہ اپنے وجود میں کسی موجد کا محتاج ہوتا ہے چونکہ تمام موجودات بجز ذات باری کے موجد کی محتاج ہے اس لئے ضروری ہے کہ وہ ایجاد موجد پر وجود پذیر ہو ورنہ حیز عدم سے نکل کر کبھی دائرہ وجود میں نہیں آسکتی چنانچہ آیۂ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ میں اسی حقیقت امکانیہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اسی خیال پر اہل حقیقت بولا کرتے ہیں لَا مَوْجُوْدَ فِي الْحَقِيْقَةِ اِلَّا اللّٰهُ اس سے معلوم ہوا کہ واجب الوجود حقیقی بجز ذات باری کے کوئی موجود نہیں وہی ازل سے ابد تک موجود ہے اس لئے جب کوئی چیز وجود پذیر ہوتی ہے تو اسی ذات مقدس کے ایجاد سے موجود ہوتی ہے سو وہی ذات حق مطلق ہے جو اور اشیاء کو حق بناتی ہے قال اللہ تعالیٰ ویحق اللّٰہ الحق بکلماتہ چونکہ ذات باری حق ہے اس لئے جس طرح اسکا وجود ازلی و ابدی ہے اسی طرح اس کے وجود کا اعتقاد اور اسکے صفات کاملہ کا اقرار بھی حق ہے جو ازلاً و ابداً قائم اور بے زوال ہے۔ کیونکہ جب اس ذات مطلق کو فنا نہیں تو اس کے صفات کاملہ اور اس کے اعتقاد و اقرار پر بھی زوال کا عائد ہونا ناممکن ہے پس وہی ذات حق ہے اور اسی کی معرفت (اعتقاد)

Marfat.com

احق المعارف ہے اور اسی کے صفات کاملہ کا قائل ہونا اقرار احق الاقوال ہے۔ اسی حقیقت کو قرآن مجید میں اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ سے تعبیر کیا گیا ہے اور وہ کلمہ طیبہ جس کی وصف ان الفاظ میں کی گئی ہے کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے کیونکہ اسی سے اس ذات سبحانی کے موجود حقیقی ہونے اور اس کے صفات کاملہ کے اعتقاد اور اقرار کی ضرورت کا علم حاصل ہوتا ہے

تنبیہ۔ کتب سیر میں لکھا ہے کہ حسین بن منصور حلاج نے اَنَا الحق پکارا تھا جس کو علمائے دقت نے اسے واجب القتل قرار دیا چونکہ اس امر کے فہم حقیقت میں بسا اوقات لوگوں کو دھوکا لگ جاتا ہے لہذا مختصراً اسکے متعلق بحث کرنا مفید معلوم ہوتا ہے۔

یہ امر بخوبی یاد رکھنا چاہئے کہ واجب کبھی ممکن نہیں ہوسکتا اور نہ ممکن کبھی واجب ہوسکتا ہے اسلئے عبد عاجز خواہ کسی مقام عرفان تک ترقی کر جائے پھر بھی عبد ہی رہتا ہے اور یہ کہنا کہ عبد فانی ہوکر اپنی حقیقت امکانیہ سے علیحدہ ہوجاتا ہے اور واجب بالذات کا مقام حاصل کر لیتا ہے جسکو اصطلاح میں اتحاد کہتے ہیں کفر صریح ہے کیونکہ اگر ہر دو شے باوجود اتحاد کے باقی رہیں تو اتحاد ثابت نہوگا اور اگر ہر دو فانی ہوجائیں تو ایک تیسری شے موجود ہوگی اور اگر ایک باقی رہے اور دوسری فانی ہوجاوے تو اتحاد ناممکن ہے کیونکہ کوئی موجود عین معدوم نہیں ہوسکتا سو جب تینوں صورتیں باطل ہیں تو اب دیکھنا ہے کہ کوئی صحیح تاویل جملہ انا الحق کی ممکن ہوسکتی ہے یا نہیں اہل معرفت نے اسکے مختلف تاویلات کی ہیں مگر قوی تاویل یہ ہے کہ قائل کو مقام فنا کلی حاصل ہوچکا تھا جہاں اپنے نفس کا شعور اور اس عدم شعور کا بھی شعور نہیں ہوتا یعنے انوار جلال کا اسقدر غلبہ ہوجاتا ہے کہ عارف کو استغراق کلی اور محویت مطلق کی حالت میں بجز ذات واحد حقیقی کے کسی غیر کا مشاہدہ نہیں ہوتا اور اس لئے ذات احدیت کیطرف ایسے کلمات عارف کی زبان پر جاری ہوجاتے ہیں گویا ذات باری ہی اپنے تئیں انا الحق کہہ کر پکارتی ہے

نہ ہو کہ وہ عبد ضمیر انا سے اپنی ذات مراد لیتا ہے کیونکہ اسے تو اپنی ذات کا شعور ہی نہیں ہوتا اور ایسی بے شعوری میں وہ اس قسم کے کلمات زبان پر لاتا ہے کما قیل ؎

اَنَا مَنْ اَھْوٰی وَمَنْ اَھْوٰی اَنَا

انسان کامل کو اس اسم سے یہ حظ ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس کو باطل خیال کرتا ہے اور سوا ذات باری کے کسی موجود کو حق نہیں جانتا چونکہ حق مطلق وہی ذات مقدس ہے اس لئے اس کی معرفت اور عقائد صحیحہ بھی جو شریعت میں وارد ہو چکے ہیں حق ہیں

اہل تصوف عموماً اسم حق کا استعمال کرتے ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ جو شخص مقام مکاشفہ میں ہوتا ہے اسے ماسوی اللہ سب باطل نظر آتے ہیں برخلاف اس کے متکلمین اسم باری کا استعمال کرتے ہیں کیونکہ وہ مقام استدلال میں ہوتے ہیں یعنی مخلوق سے خالق کے اثبات پر استدلال کرتے ہیں

اَلْوَكِيْلُ قال اللہ تعالیٰ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اور پھر فرمایا لَا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا یہ اسم مصدر وکالت سے مشتق ہے یقال وَكَلَ اِلَيْهِ الْاَمْرَ وَكْلًا وَوُكُوْلًا کار بدو گذاشت و سپرد و بروے و توکل باللّٰہ و تکلۃ تکیہ نمود بر خدا و اعتراف کرد بعجز خود۔ وکیل وزن صرفی میں فعیل ہے جو بمعنے مفعول یعنی موکول مستعمل ہے اور مراد اس سے موکول الیہ ہے یعنی وہ ذات جس پر بندے اپنے مصالح امور کو سپرد کر کے اعتماد کرتے ہیں اور وہ ان کے امور کی متکفل ہو جاتی ہے اس تعبیر کی توجیہ یہ ہے کہ مصالح امور کو کسی غیر کی تحویل و تفویض میں دینا دو شرطوں سے مشروط ہے اول یہ کہ موکل خود اس امر کو سرانجام دینے سے عاجز ہو اور مخلوق کا اپنے مصالح امور کی سرانجام دہی سے عاجز ہونا ظاہر ہے دوم موکول الیہ (وکیل) کمال علم اور کمال قدرت اور کمال رحمت اور کمال استغناء سے موصوف ہو کیونکہ ان صفات کے عدم کی صورت میں وکیل سرانجام دہی سے عاجز ہوگا یا خود غرض یعنی جہل کی بنا پر عدم شفقت و اغراض

ایسا امور ہیں جن کی وجہ سے موکول الیہ ہرگز وکالت کے قابل نہیں ہو سکتا اور جب یہ چاروں صفات بوجہ کمال اسمیں حاصل ہوں تو مصالح امور کی تفویض کیلئے وہ موزون ہو سکتا ہے اور یہ امر مسلم ہے کہ بجز ذات باری کے کسی مخلوق کو یہ صفات بوجہ کمال حاصل نہیں اسلئے وکیل ہونا بھی اسی ذات اقدس کا منصب ہے چنانچہ آیۃ وَمَن یَتَوَکَّل عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ میں ان ہی صفات کیطرف اشارہ کیا گیا ہے چونکہ کوئی مخلوق ان صفات کا اہل نہیں ہو سکتا اس لئے اسباب ظاہری کی پابندی کرنا بطور عادۃ اللہ کے منافی توکل نہیں ہاں اسباب کو موثر جاننا عین شرک ہے جو لوگ حقیقت توحید سے آگاہ ہیں وہ اسباب کو نظر انداز کر کے مسبب کیطرف متوجہ ہوتے ہیں اور مشیت ازلی کو بلاواسطہ موثر دیکھتے ہیں جس قدر کوئی شخص اس حقیقت سے زیادہ آگاہ ہوتا ہے اسی قدر حوادث خیر و شر سے کم متاثر ہوتا ہے الغرض حقیقت توکل پر مطلع ہونا سخت دشوار امر ہے اہل تعلق کو یہ پایہ نصیب نہیں بلکہ انکے پاس مقام توکل کا ذکر کرنا انہیں حقیقت توحید سے نفرت دلاتا ہے آیۃ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاتَّخِذْہُ وَکِیْلًا کے معنے میں غور کرو کہ کس طرح اس ذات اقدس نے الفاظ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ سے اپنا متصرف کل ہونا ظاہر فرما کر جملہ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ سے اپنی توحید کا پتہ دیا ہے اور پھر حرف فاء سے جو معنی تفریع پر متضمن ہے یہ ظاہر کیا ہے کہ جب موثر حقیقی وہی ذات بے ہمتا ہے تو پھر اسکے سوا کسی غیر کیطرف مصالح امور میں رجوع کرنا منافی توحید ہے اسی کو ہر حال میں اپنا متکفل اور نگران حال سمجھو مگر یہ مقام بجز ان صاحب کمال کے جو رسوم اہل ظاہر سے آزاد ہو چکا ہو کسی کو نصیب نہیں ہو سکتا چنانچہ اس حقیقت کے متعسر الفہم ہونے کیطرف حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا لو توکلتم علی اللہ حق توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر تغدو خماصا وتروح بطانا یعنی اگر تمہیں حقیقت توکل کا کما حقہ پایہ نصیب ہوتا تو تمہیں اسیطرح

روزی دیجاتی جس طرح پرندوں کو دیجاتی ہے جو صبح سویرے اپنے گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام پیٹ بھرے واپس آتے ہیں لیکن وہ تمہاری طرح نہ تو ہل جوتتے ہیں نہ محنت کرتے ہیں مگر اللہ تعالےٰ انہیں ہر روز کا قوت پہنچادیتا ہے

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ وکیل وہ ذات ہے جو پہلے اپنے بندہ کو رجوع الی الغیر سے کافی ہوکر اس کے لئے نگراں حال ہو اور بالآخر اسے اپنی ولایت کے مقام تک ترقی دے۔

اَلْقَوِیُّ الْمَتِیْنُ قال اللہ تعالیٰ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ یہ ہر دو اسم علیحدہ علیحدہ قوت اور متانت سے مشتق ہیں قوت سے تو قدرت کاملہ مراد ہے اور متانت سے شدت قوت چونکہ قوت کسی چیز کی اس کمال کا نام ہے جس سے وہ دیگر اشیاء میں موثر ہو اور خود وہ کسی دوسری چیز سے اثر پذیر نہ ہو اس لئے ذات باری کے قوی ہونے کی توجیہ یوں ہوگی کہ قوی وہ ذات واجب الوجود ہے جو ممکنات میں حسب ارادہ موثر ہے کیونکہ وہی ایجاد اور تغیر و انقلاب کا مالک ہے اور خود کسی چیز سے کسی قسم کا اثر قبول نہیں کرسکتا اسی طرح اسم متین کی توجیہ ہوسکتی کیونکہ متانت کے معنے صلابت کے ہیں اور صلابت کسی چیز کی شدت کو بولتے ہیں متن بمعنے پشت اسی سے مشتق ہے اور اسیوجہ سے ظہر بمعنے قوت مستعمل ہے قال اللہ تعالیٰ وَلَوْ کَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۵ ویقال کلام متین اذا کان قویا

لفظ قوت بمعنے القدرة کا افادہ کرتا ہے اور متانت شدت قوت اور میں اعتباری فرق ہے اور انسان کامل کو ان ہر دو اسم سے یہ حظ حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنی ایمانی قوت کی وجہ سے ماسوی اللہ کیطرف ملتفت نہیں ہوتا اور کمال کم اس کا رتبہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے نفس کے تقاضا پر غالب آتا ہے اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتا ہے حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ جو شخص قوت ذات باری کو جان لیتا

Marfat.com

وہ اپنے عزم سے دست بردار ہو جاتا ہے۔

اَلْوَلِیُّ قال اللہ تعالیٰ اللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا اور پھر فرمایا انت وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ اسم سولے بھی بمعنے ولی مستعمل ہوتا ہے چنانچہ مختلف آیات میں اس کا استعمال آچکا ہے

واضح ہو کہ جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ اہل ایمان کا ولی ہے اسی طرح اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے اولیاء کہلاتے ہیں چنانچہ فرمایا اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ اور اس اسم کی توجیہ میں چند وجوہ بیان کئے گئے ہیں اول یہ کہ ولی بمعنے متولی ہے اور متولی اس شخص کو بولتے ہیں جو کسی امر کی نگہداشت اور سرانجام دہی کا متکفل ہو چنانچہ ولی الیتیم اس شخص کو بولتے ہیں جو یتیم کے نیک وبد حالات کا نگراں اور اس کی اصلاح کا ذمہ وار ہوتا ہے اور ولی المرأۃ وہ شخص ہوتا ہے جو عورت کے عقد نکاح کا مجاز اور متکفل ہو دوم یہ کہ ولی بمعنے ناصر و یاور کے ہے چنانچہ اولیاء السلطان ان اشخاص کو بولتے ہیں جو اس کے اعوان وانصار ہوں قال اللہ تعالیٰ نَحْنُ اَوْلِیَآؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ای انصارکم معنے اول کے رو سے اس اسم کے معنے کافر اور مومن ہر دو کو شامل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے امور کا متولی ہے اور معنی ثانی کے رو سے اسکے معنے صرف اہل ایمان کیساتھ مخصوص ہیں سوم یہ کہ ولی بمعنے محب ہے چہارم یہ کہ ولی بمعنے موالی ہے جیسے جلیس بمعنی مجالس اور موالات کے معنے باہم دوستی کرنے کے ہیں اہل لغت لکھتے ہیں کہ ولی کے معنے قرب کے ہیں کیونکہ ولی بروزن غنی مشتق ہے ولی یلی سے جس کے معنے قرب کے ہیں اسلئے لفظ ولی کے جو معنے لئے جائینگے ان میں اپنے ماخذ کے رو سے معنے قرب کا مفہوم ضرور ملحوظ ہوگا چنانچہ ذات باری بندوں سے اسقدر قریب ہے کہ کوئی اور چیز اس سے زیادہ قریب نہیں ہوسکتی اور اس قرب کا ذکر آیہ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ

Marfat.com

مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ میں محض بطور تفہیم ذکر کیا گیا ہے ورنہ ذات باری کے قرب کی حقیقت کا ادراک ناممکن ہے۔

حضرات مشائخ لکھتے ہیں کہ ولی وہ ذات ہے جو اپنے اولیاء کی نصرت اور اعداء کی ذلت کرے یعنی اس کا ولی منصور اور عدو مقہور رہتا ہے بعض لکھتے ہیں کہ ولی وہ ذات ہے جو بدا علت اپنے اولیاء سے محبت رکھے اور ارتکاب ذلت پر اپنی بارگاہ سے رد نہ کرے بعض لکھتے ہیں کہ ولی اس ذات کو بولتے ہیں جو سیاست نفوس اور تہذیب قلوب کی والی ہو بعض لکھتے ہیں کہ ولی احسان کے کامل اور وعدہ کے وفا کنندہ کو کہتے ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندوں میں سے وہ شخص ولی کہلا سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء سے محبت رکھتا اور ان کی نصرت کرتا ہو اور اعداء اللہ سے عداوت رکھتا ہو نفس و شیطان بھی منجملہ اعداء اللہ کے ہیں جن سے عداوت اور مخالفت برتنا ولی اللہ کا فرض ہے۔

اَلْحَمِیْدُ قال اللہ تعالیٰ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ حمید یا تو فعیل بمعنے فاعل یعنی حامد ہے کیونکہ وہ ذات اقدس ازل سے خود اپنی حمد کی مالک ہے چنانچہ فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یا فعیل بمعنی مفعول یعنی محمود ہے کیونکہ وہ خود اپنی حمد کا مالک ہے اور اس کے بندے بھی اس کی حمد کرتے ہیں اسلئے وہ ذات اقدس محمود ہے بعض نے لکھا ہے کہ حمید وہ ذات ہے جو مستحق حمد و ثنا ہے۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ہوتا ہے کہ اس کے عقائد شبہات سے اور اس کے اعمال شہوات سے محفوظ ہو جاتے ہیں

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ حمید وہ ذات ہے جو خیرات کی توفیق عطا فرما کر ان پر حمد کرے اور گناہوں کو محو کر کے ان کی یاد دلانے سے نادم نہ کرے

Marfat.com

تنبیہ عوام الناس تو جسمانی لذات کے حصول پر حمد کیا کرتے ہیں اور خواص انعامات روحانی کے موصول ہونے پر مگر مقربین بارگاہ صرف اس لئے حمد کیا کرتے ہیں کہ حمد کا استحقاق بجز ذات باری کے کسی غیر کو حاصل نہیں سو حمید مطلق بجز ذات باری کے اور کوئی موجود نہیں اور عباد اللہ میں سے جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سزاوار حمد ہیں کیونکہ آپ کے کمالات و فضائل کا حصر ناممکن ہے پھر دیگر حضرات انبیاء علیہم السلام اور پھر عامہ اولیاء اللہ رضی اللہ عنہم

اَلْمُحْصِیُ | قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ اَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا مصدر احصاء سے مشتق ہے جس کے معنے شمار کرنے اور نگاہ رکھنے کے ہیں احصاء درحقیقت وصف علم ہی کا نام ہے جبکہ معلومات کے شمار اور احاطہ کا مفہوم علم میں ملحوظ رکھا جائے۔

محصی مطلق بجز ذات باری کے کوئی موجود نہیں ہو سکتا کیونکہ وہی افراد موجودات اور ان کے حرکات و سکنات کا علم رکھتا ہے اور وہی قیامت کے دن بندوں کے اعمال کا حساب لیگا قال اللہ تعالی اَحْصٰهُ اللّٰہُ وَنَسُوْهُ

الشان کا حل کو اس اسم سے یہ بہرہ ہوتا ہے کہ جب وہ اللہ تعالے کے محصی ہونیکا یقین کر لیتا ہے تو وہ اپنے تمام اعمال نفس کی نگہداشت کرتا ہے۔

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ محصی وہ ذات ہے جو ظاہر پر بینا اور باطن پر آگاہ ہو بعض کہتے ہیں کہ وہ ذات جو اپنے بندوں کے اعداد طاعات کی حافظ اور اس کے جمیع حالات سے آگاہ ہو۔

اَلْمُبْدِیُٔ اَلْمُعِیْدُ | قال اللہ تعالے اِنَّهٗ هُوَ یُبْدِئُ وَیُعِیْدُ ابداء کے معنے ہیں [illegible] وجود میں لانا اور اعادہ کے معنے کسی چیز کے لوٹانے کے ہیں [illegible] ابداء اور اعادہ ہردو بمعنے ایجاد کے ہیں فرق یہ ہے کہ ایجاد اگر از سر نو ہو تو اسے ابداء کہتے ہیں اور اگر پہلے کوئی چیز فانی ہو کر پھر وجود میں لائی جاوے تو اسے اعادہ کہتے

Marfat.com

اس تعبیر کے مطابق ان ہر دو اسم کی توجیہ یہ ہوگی کہ وہی ذات اقدس مخلوقات کو از سرِ نو عدم سے وجود میں لانے والی ہے اور وہی عدم میں لیجا کر پھر ان کو عرصۂ حشر میں اکٹھا کرے گی اور اسی اکٹھا کرنے کو اعادہ کہا گیا ہے سو جس طرح اشیاء کا آغاز اسی سے ہے ان کا انجام بھی اسی کی طرف ہے۔

اَلْمُحْيِيْ اَلْمُمِيْتُ قال اللہ تعالے هُوَ الَّذِيْ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۔ واضح ہو کہ حیات اور موت ہر دو کا خالق اللہ تعالے ہے چنانچہ فرمایا اَلَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ اور موت و حیات کی ان کے موارد کے لحاظ سے مختلف صورتیں ہیں مثلاً وہی ذات باری نطفہ و علقہ میں حیات کو پیدا کرتی ہے اور وہی ذات اقدس زمین مردہ کو بارانِ رحمت سے حیات بخشتی ہے اور وہی قلوب غفلت زدہ کو اپنے ذکر سے زندہ کرتی ہے اور وہی ارواح سالکین کو انوار تجلیات سے حیات طیبہ عطا فرماتی ہے اور واصلین کو مقام مشاہدہ میں انعام جمال سے عزت بخشتی ہے قال اللہ تعالے اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ اور پھر فرمایا وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاۗءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ان آیات میں جسمانی حیات و ممات اور روحانی حیات و ممات ہر دو کا مفہوم داخل ہے

حضرات مشائخ کرام لکھتے ہیں کہ محیی وہ ذات ہے جو اپنے ذکر سے قلب کو زندہ کرے اور احسان سے مطیع بنائے اور شکر کی توفیق عطا فرماوے اور ممیت وہ ذات ہے جو قلب کو غفلت سے مردہ بنادے اور نور عقل پر ظلمت نفس کو غالب کردے

اَلْحَيُّ قال اللہ تعالے هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ حیات منبع فعل و ادراک کا ہے اللہ تعالے نے اپنے اسماء میں اسم حی کا ذکر اس لئے فرمایا ہے تاکہ اپنا فاعل بالارادہ ہونا ظاہر کرے کیونکہ ماسوائے اللہ جو حی ہے وہ مورد موت ہے قال اللہ تعالے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ اس لئے حی کامل بجز ذات باری کے اور کوئی موجود نہیں یہی وجہ ہے کہ کوئی موجود اس کے اثر فعل و ادراک سے خارج

Marfat.com

نہیں کیونکہ کمال حیات مقتضی کمال فعل و ادراک کا ہے اور ماسوے اللہ جس قدر احیاء ہیں ان میں کمال حیات کے رو سے مدارج ہیں چنانچہ ان کے افعال در وسعت ادراک سے اس امر کا بخوبی پتہ لگتا ہے۔

انسان کی کمال کو وصف حیات سے جو بہرہ ہوتا ہے اس کا کمال معیار اس کے افعال و ادراک کی وسعت سمجھنی چاہیئے اسی نکتہ پر آیہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ میں شہداء کو احیاء کہا گیا ہے کیونکہ جہاد اللہ تعالے کی محبت پر مبنی ہے اور محبت حیات قلب کا واسطہ ہے

تنبیہ۔ قبل ازیں اسماء ذات باری کے توقیفی ہونے کا مسئلہ لکھا جا چکا ہے اسی مسئلہ کی بناء پر ذات باری کو حیوان نہیں۔ بلکہ حیّ کہینگے

اَلْقَيُّوْمُ قال اللہ تعالیٰ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ممکن اور واجب کے رو سے موجودات کی تین قسمیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو تمام موجودات ممکن ہوگی اور اس صورت میں ممکن کا بلا علت وجود میں آنا تسلیم کرنا پڑیگا کیونکہ ممکن کسی دوسرے ممکن کے وجود کے لئے علت نہیں ہو سکتا یا تمام موجودات واجب ہوگی اس صورت میں موجودات کا تعین بھی علیحدہ علیحدہ ہوگا اور یہیں سے ہر ایک کا مابہ الامتیاز اور مابہ الاشتراک سے ہر ایک مرکب ہونا لازم آئیگا اور ترکیب منافی وجوب ہے اس لئے تمام موجودات کا واجب ہونا بھی باطل ٹھہرا اب رہی تیسری صورت اور وہ یہ ہے کہ بعض موجود تو واجب ہو اور بعض ممکن اور یہی صورت صحیح بھی ہے ہاں یہ ضروری ہے کہ واجب صرف ایک ہی ذات ہوگی متعدد نہیں ہو سکتی کیونکہ واجب کو متعدد ماننے کی صورت میں مذکورہ بالا قباحت لازم آئے گی یعنی کہ مابہ الامتیاز اور مابہ الاشتراک سے ہر دو کا مرکب ہونا جو منافی وجوب ہے اس لئے یقیناً تمام موجودات ممکنہ کا خالق صرف ایک ہی ذات ہو سکتی ہے اور وہ واجب ہی ہوگی اور باقی تمام موجودات ممکن جو بلحاظ مخلوق ہونے کے ذات واجب کی طرف محتاج ہوگی چونکہ واجب کا

Marfat.com

ہر ایک جہت سے بے نیاز ہونا ضروری ہے اس لئے وہ ذات قائم بذاتہ ہونے کے علاوہ دیگر موجودات کیلئے سبب قیام بھی ہوگی مطلب یہ کہ جہاں وہ ذات سبب وجود ہے سبب قیام وجود بھی ہے چونکہ اسم حی فاعل مدرک کے مفہوم پر مشتمل ہے اور اسم قیوم قائم بذاتہ اور متقوم لغیرہ کے مفہوم پر متضمن ہے اس لئے یہ ہر دو اسم علم توحید کے بے شمار مسائل ضروریہ کے لئے بمنزلہ اصول کے قرار دیئے گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر ایک موقع پر ان ہر دو کو ملا کر ذکر کیا کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ وصف قیومیت کیلئے چند ایک لوازم ہیں۔ اوّل یہ کہ ذات واجب الوجود ایک ہی ہوگی نہ متعدد۔ دوم یہ کہ وہ کسی محل میں متحیز نہ ہو سوم یہ کہ اس کو تمام موجودات کا علم بروجہ کمال ہو۔ چہارم تمام موجودات اپنے وجود اور قیام وجود میں اسکی محتاج ہو۔ پنجم تمام امور و حوادث بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کی طرف منسوب ہوں ان مذکورہ بالا لوازم میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ تمام مسائل علم الہیات کے جن پر علم کلام میں بحث کی جاتی ہے انہیں ہر دو اسم پر مترتب ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان اسماء اور ان آیات کی جن میں یہ واقع ہوئے ہیں فضیلت بدرجہ غایت تسلیم کی گئی ہے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسم اعظم الحی القیوم ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے دن سجدہ میں دیر تک صرف یا حی یا قیوم پکارا کئے حتے کہ اللہ تعالے نے فتح و نصرت سے اہل ایمان کی عزت افزائی کی۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ہوتا ہے کہ وہ ماسوے اللہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے ابو یزید رحمہ اللہ تعالے فرماتے ہیں کہ توکل کی یہ حقیقت ہے کہ بندہ بجز ذات باری کے کسی کو اپنا ناصر و رازق نہ جانے وجہ اس کی یہ ہے کہ جس شخص کو یہ یقین ہو جائے کہ وہی ذات قائم و قیوم ہے وہ تمام خلقت سے امید قطع کر لیتا ہے

الواجدُ یہ اسم قرآن مجید میں مذکور نہیں لیکن اسماء ذات باری میں بالاتفاق شمار کیا گیا ہے. لغت عرب کے رو سے اس لفظ کا استعمال تین طرح ہوا کرتا ہے۔ اول واجد بمعنے غنی یقال وجد فلان وَجدًا وجِدَۃً یعنی مالدار ہو گیا۔ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے لیُّ الواجدِ ظُلمٌ یعنی تونگر آدمی کا ادائے قرضہ میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اگر اس اسم کو مادہ ہذا سے مشتق سمجھیں تو معنے یہ ہوں گے کہ واجد وہ ذات ہے جو اپنے ارادہ کے نافذ کرنے پر کامل قدرت رکھتی ہو۔

دوم واجد بمعنے عالم یقال وجدت فلانًا فقیہًا یعنی میں نے فلاں شخص کو فقیہ پایا اس صورت میں وجود سے مشتق ہوگا۔

سوم واجد بمعنی حزین مگر اس معنی میں ذات باری پر اس کا اطلاق صحیح نہیں ہاں وجد علیہ بمعنی غضِبَ علیہ مستعمل ہے لہذا ذات باری کے متعلق اسکی توجیہ یہ ہوگی کہ واجد وہ ذات جو کفار و فساق کو مغضوب علیہم بناتی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ واجد کسی چیز کا پانے والا فاقد کسی چیز کا کھونے والا کی ضد ہے اور پھر لکھتے ہیں کہ وہ ذات جو کسی غیر ضروری چیز کو کھونے اسے فاقد نہیں کہہ سکتے اور نہ جس کے پاس کوئی غیر ضروری چیز موجود ہو اسکو واجد کہہ سکتے ہیں بلکہ واجد ایسی ذات کو کہنا چاہیئے کہ جس کو ہر ایک چیز جو اسی کے لئے ضروری ہے حاصل ہو سو ذات باری کے لئے کمال صفات ضروری ہے جو اسے من کل الوجوہ حاصل ہے اسی لئے واجد مطلق فقط ذات باری ہے اور دیگر مخلوق کو گر واجد کہا جائیگا. تو صرف اضافی طور پر نہ حقیقی طور پر۔

الماجدُ یہ اسم مجد سے مشتق ہے اور ماجد و مجید میں وہی فرق ہے جو عالم اور علیم میں ہے گذشتہ صفحات میں اس کی تشریح ہو چکی ہے

الواحدُ والاحدُ قال اللہ تعالیٰ و الٰھکم الٰہٌ واحدٌ اور پھر فرمایا قل ھو اللہ احد یہ ہر دو اسم ذات باری کی وحدت کا مفہوم ظاہر کرتے ہیں اور ان ہر دو میں امتیاز کرنا چاہیئے

Marfat.com

ضروری ہے کہ پہلے بطور تمہید کے حقیقت ذات کے ناممکن الادراک ہونے پر بحث کی جائے واضح ہو کہ وحدت حقیقی ذات باری کا علم ناممکن ہے کیونکہ انسان واحد کو وحدت اضافی یا وحدت عددی کی صورت میں تصور کر سکتا ہے مگر ذات باری کی وحدت ان ہر دو سے بالاتر ہے کیونکہ وحدت اضافی کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی چیز باوجود کثرت پر مشتمل ہونیکے دوسری اشیاء کی نسبت سے واحد کہلا سکتی ہے مثلاً ایک چیز چند اشیاء کے مجموعہ کو ظاہر کرتی ہے مگر وہ بجائے خود واحد ہے مگر اس کی وحدت حقیقی نہیں کیونکہ وہ کئی اکائیوں کا مجموعہ ہے اور وحدت عددی کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شے سلسلۂ شمار میں اگر بہ نسبت دیگر اشیاء معدودہ کی واحد کہلاتی ہے مثلاً ہم کسی چیز کو کہتے ہیں کیونکہ اس کے ساتھ دوسری چیز کا وجود ممکن ہے اسی طرح ہم ایک نوع کے دو فرد کو دو بولتے ہیں اس لئے کہ دوسرے تیسرے فرد کا وجود ممکن ہے علیٰ ہذا القیاس جس عدد کا درجہ ہم کسی فرد کیلئے تجویز کرینگے اس کے ساتھ اسکے مثل کا وجود ممکن ہوگا گو خارج میں اس کا مثل موجود نہ ہو مگر اسکا ہونا محال نہیں ہو سکتا مثلاً مثل آفتاب خارج میں موجود نہیں مگر اس کا موجود ہونا محال نہیں بلکہ ممکن ہے اس لئے ذات باری کا واحد ہونا نہ تو بطور وحدت اضافی کے ہے اور نہ بطور وحدت عددی کے بلکہ اسکا واحد ہونا حقیقی ہے جس میں نہ تو کثرت کو دخل ہے اور نہ اسکا مثل ممکن ہے بلکہ اس کی وحدت کا اقتضا یہ ہے کہ اگر اس کا انکشاف ہو تو تمام موجودات عالم نیست و نابود ہو جاوے کیونکہ وجود حقیقی کے سامنے کسی دوسرے موجود کا ثابت الوجود ہونا ناممکن ہے اسی امر کیطرف ایک حدیث میں یوں اشارہ کیا گیا ہے لاحرقت سبحات وجھہ من انتھی الیہ بصرہ من خلقہ یعنی اگر وہ ذات مظاہر کائنات پر جلوہ افروز ہو تو اسکے انوار تمام موجودات کو جلا ڈالیں اور کوئی غیر اللہ معرض وجود میں نہ رہے ولنعم ما قال الشیرازی ؎

چو سلطان عزت علم برکشد!! جہاں سر بجیب عدم در کشد!!

موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو قرآن مجید میں پڑھو حالانکہ وہی تجلی صفات کا مقام تھا نہ تجلی ذات کا قال اللہ تعالیٰ فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا وخر موسیٰ صعقا اور اسی امر کیطرف

اشارہ ہے آیۂ لو انزلنا ھذا القراٰن علی جبل الآیۃ میں۔ انسان جو کچھ ذات باری کے متعلق تصور کرتا اور تجویز کرتا ہے ذات باری اس سے بالاتر ہے کیونکہ انسان ایک مخلوق عاجز ہے اور مخلوق اپنے خالق کی حقیقت کا کیونکر ادراک کر سکتا ہے؟

ہاں ہر ایک شخص اپنے اپنے فہم و ادراک کے مطابق کچھ نہ کچھ سمجھتا ہے مگر ذات باری اس سے پاک اور بری ہے ؎

برافگن پردہ تا معلوم گردد کہ یاران دیگرے را مے پرستند

الغرض ذات باری کی کنہ یا حقیقت کا ادراک محال ہے اور عاجز انسان کو بجز تسلیم ضعف و عجز کے کوئی چارہ نہیں ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں! کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

جنید سید الطائفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حقیقت توحید کے بارے میں جو بہترین کلمات کہے گئے ہیں ان میں جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو کلمات ارشاد فرمائے ہیں اصوب و اشرف ہیں چنانچہ آپ فرماتے ہیں سُبْحَانَ مَنْ لَمْ یَجْعَلْ لِخَلْقِهٖ سَبِیْلًا اِلٰی مَعْرِفَتِهٖ اِلَّا بِالْعَجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِهٖ یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی مخلوق عاجز کیلئے اپنی طرف آنے کا بجز اقرار عجز کے کوئی راستہ نہیں مقرر کیا اسی خیال کو آپ نے دوسرے الفاظ میں یوں ظاہر فرمایا ہے اَلْعَجْزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ

اکابر حضرات ائمہ طریقت نے بالاتفاق تسلیم کیا ہے کہ مقام توحید کی حقیقت کو الفاظ میں لانا ناممکن ہے کیونکہ جب کوئی شخص اس مقام کے متعلق کچھ کہیگا تو ضروری ہے کہ مخبر عنہ اور مخبر بہ اور مخبر تین امور وہاں موجود ہوں اور یہ امر منافی توحید ہے اس لئے عارف کامل بذریعہ شہود اس کو سمجھ سکتا ہے مگر الفاظ کو وہاں کچھ دخل نہیں۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے توحید کی بابت جب سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مقام

ملہ یاد رہے کہ عنقا سے مراد ناکامی ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

توحید اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ آثار بشریت بالکلیت مضمحل اور تمام علوم منفی ہو جائیں اور صرف ذات واحدہ ہو جو ازلی وابدی ہے منصور مغربی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے جامع منصور عباسی واقع بغداد میں حضرمی[1] کو توحید کے بارہ میں کلام کرتے سنا جب میں سویا تو مجھے رویا میں دو ملائکہ نظر آئے جو آسمان کی طرف جا رہے تھے اور ایک دوسرے کو کہہ رہا تھا کہ حضرمی نے جو کچھ کہا ہے یہ اس کے علم کا نتیجہ ہے مگر توحید اس سے بالاتر ہے۔

یوسف بن حسین فرماتے ہیں کہ جو شخص توحید کے دریا میں تیرتا ہے اس کی پیاس اور بھی بڑھتی ہے۔

الغرض توحید ذات باری کا مقام ہم جیسے لوگوں کی قیل وقال سے بالاتر ہے اور جن اہل ظاہر نے اس میں کچھ کلام کیا ہے انہیں بجز ہوسناکی کے کچھ حاصل نہیں ہوا کم علم لوگ غلطی سے اپنی جگہ کچھ سمجھ کر اپنے تئیں عارف نصیبت سمجھنے لگ جاتے ہیں اور یہ عین ضلالت ہے حق یہ ہے کہ جس قدر کسی شخص کا مبلغ علم بلند ہوتا ہے اسی قدر اس کو یہ مرحلہ سخت دشوار گذار نظر آتا ہے ونعم ما قیل ؎

گفتا[2] غلطی زبانشان نتوان داد ازانکہ ہر آنچہ دیدہ بانیست

اس تمہید کے بعد اسماء احد و واحد کی ضروری تشریح کی جاتی ہے۔

سو واضح ہو کہ اسم واحد سے کبھی تو نفی کثرت مراد لی جاتی ہے اور کبھی نفی ضد نفی کثرت کی صورت میں چند توجیہ بیان کی گئی ہیں اول یہ کہ واحد حقیقی وہ ذات ہے جو کسی صورت میں بھی تقسیم قبول نہ کرے نہ خارجی طور پر نہ ذہنی طور پر کیونکہ یہ خاصہ تو مادی اشیاء کا ہے یا اشیاء عقلی کا استاذ ابو اسحق کہتے ہیں کہ واحد ایک شے ہے وہ عدم تقسیم کی قید کو حذف کر گئے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک جو چیز قابل تقسیم ہو ایک شے نہیں بلکہ دو شے کا مجموعہ ہے۔

[1] منسوب بہ حضر موت جو بلاد یمن میں ہے ۱۲ منہ [2] شاعر نے اس شعر کو گویا ذات باری کا مقولہ قرار دیا ہے مطلب یہ کہ اے ہماری حقیقت کی ٹوہ لگانے والے! ہمارا پتہ تمہیں نہیں ملے گا جو کچھ تم سمجھو گے وہ تمہارا اپنا وہم ہے حقیقت نہیں ۱۲ منہ

دوم یہ کہ واحد وہ ذات ہے کہ جس میں وضع اور رفع رکم کرنے اور دور کرنے کو ہم تجویز کر سکتے ہوں مثلاً ہم کہہ سکتے ہیں مرد بلا دست و پا مگر واحد حقیقی کی نسبت ایسا خیال کرنا باطل ہے۔

سوم یہ کہ واحد وہ ذات ہے جو سلسلہ شمار میں نہ آ سکے یعنی عدد کے تعلق سے بری ہے۔ کیونکہ عدد ایک ایسی مقدار کو کہتے ہیں جو اپنے ہر دو اطراف کے مجموعہ کا نصف ہو مثلاً چار نصف ہے تین اور پانچ یعنی ۸ کا۔ مگر واحد کی دو طرفین متحقق نہیں کیونکہ اسکی صرف ایک ہی طرف ہے اسلئے واحد سلسلہ اعداد میں شمار نہیں ہو سکتا بلکہ واحد تمام لاتتناہی اکائیوں کا منبع ہے یہاں یہ خیال صحیح نہیں کہ جوہر فرد (جز لا یتجزے) کی طرح واحد حقیقی میں حقارت یعنی چھوٹا پن پایا جائیگا کیونکہ یہ امر محسوسات مادیہ کے متعلق ہے ذات باری اس سے بری ہے۔

دوسری صورت میں اس اسم کی تفسیر یہ ہوگی کہ کوئی موجود اس ذات حقیقی کے ساتھ وجوب ذاتی، علم بجمیع المعلومات۔ قدرت علی جمیع الممکنات میں مساوی نہیں اس لئے نہ کوئی موجود اسکا مثل ہے اور نہ نظیر اسلئے واحد حقیقی بھی اس ذات مطلق کے سوا کوئی موجود نہیں ہو سکتا۔

اسم احد کے متعلق زجاج نحوی کہتے ہیں کہ احد اصل میں واحد ہی ہے ازہری کی تحقیق کے مطابق زجاج نے اُس کو وحد یوحد فھو وحدٌ بروزن حسن یحسن فھو حسنٌ سے مشتق کیا پھر وحد کی واو کو ہمزہ سے بدل کر احد کہنے لگے جیسے وسماء (خوبصورت عورت کو اسماء بول دیا کرتے ہیں خلیل کا مذہب بھی یہی ہے۔

واضح ہو کہ احد اور واحد میں تین طرح فرق ظاہر کیا جا سکتا ہے اول یہ کہ واحد سلسلہ شمار کے آغاز کو کہتے ہیں یعنی واحد اثنان ثلاثۃ تو بول سکتے ہیں مگر احد و اثنان ثلاثۃ نہیں بول سکتے دوم یہ کہ احد سے جو عموم نفی کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے وہ واحد سے نہیں ہو سکتا ما فی الدار واحد بل اثنان تو صحیح ہے اور ما فی الدار احد بل اثنان غلط ہوگا۔

سوم یہ کہ لفظ واحد کسی چیز کی صفت واقع ہو سکتا ہے مثلاً رجلٌ واحدٌ۔ ثوبٌ واحدٌ وغیرہ مگر بصورت اثبات لفظ احد بجز ذات باری کے کسی چیز کی صفت میں واقع نہیں ہو سکتا مثلاً

Marfat.com

تو کہہ سکتے ہیں اللہ احد مگر رجلٌ احدٌ اور ثوبٌ احدٌ نہیں کہینگے اس سے معلوم ہُوا کہ لفظ احد ذات باری کیلئے مخصوص ہوگیا ہے اسلئے اس پر لام التعریف لانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ مگر نفی کی صورت میں لفظ لفظ واحد کیطرح غیر اللہ کی صفت میں بھی آجایا کرتا ہے۔

عام طور پر مشہور ہے کہ لفظ احد کی جمع آحاد ہے مگر ازہری کہتے ہیں کہ احمد بن یحییٰ سے اس جمع کی بابت سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ معاذ اللہ اگر احد کی جمع آحاد تجویز کی جائے۔ اور بعض علماء کا خیال ہے کہ آحاد واحد کی جمع ہے جیسے اشہاد جمع شاہد کی۔

سورۂ اخلاص کے الفاظ ھو اللہ احد کی ترتیب پر غور کرنا چاہئے کیونکہ ان ہر سہ الفاظ کی ترتیب موجودہ علیحدہ علیحدہ مقامات کیطرف اشارہ کرتی ہے سب سے اول اور سب سے اعلیٰ مقام ان حضرات مقربین کا ہے جنہوں نے حقایق اشیاء کو چشم بصیرت سے مشاہدہ کرکے انہیں معدوم اور موجود بوجود حق پایا ہے یہ حضرات بجز ذات حقیقی کے کسی موجود کو فی الحقیقت موجود نہیں دیکھتے اس لئے بجز اس ذات واحد کے کوئی موجود فی الحقیقت مشار الیہ ہو ہی نہیں سکتا سو اس مقام میں لفظ ھو کا مشار الیہ درحقیقت متعین ہے بجز اس ذات واحد کے کسی اور کا گمان ہی نہیں جاتا۔

اس مقام سے دوسرے درجہ پر اصحاب الیمین کا مقام ہے جو ذات واحد کے سوا دیگر ممکنات کو بھی موجود مانتے ہیں اس لئے اشارہ میں تمیز کی ضرورت داعی ہوتی ہے چنانچہ لفظ اللہ نے مشار الیہ کو اغیار سے متعین کردیا اور ھو اللہ ان کیلئے کافی ہوگیا۔

تیسرے درجہ پر اصحاب الشمال ہیں جو بجز کثرت کے کچھ اور مشاہدہ نہیں کرسکتے اور وحدت خالص کیساتھ کثرت کو لازم جانتے ہیں اور ذات باری میں کثرت کے قائل ہیں لہذا ان کے لئے ضرورت نفی کثرت کی داعی ہوئی کیونکہ لفظ احد ہی سے یہ نفی ہوسکتی ہے نہ کسی اور لفظ سے لئے ان کو یوں سمجھایا ھو اللہ احد

اس مقام میں اس نکتہ کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ذات باری کے صفات دو قسم کے ہیں اول ثبوتیہ جیسے عالم۔ قادر۔ خلاق دوم سلبیہ مثلاً یہ کہ وہ جسم نہیں یا جوہر نہیں یا عرض

نہیں وغیر ذالک اور تمام مخلوقات، اور صفات اضافیہ پر دلالت کرتی ہے اور یہ صفات سلبیہ پر اس لئے جملہ ھو اللہ احد تمام صفات معتبرہ پر بدرجہ کمال دلالت کرتا ہے کیونکہ صفات قابل اثبات اور صفات قابل سلب ہر دو کا جامع ہے۔ کیونکہ اسم اللہ جمیع کمالات مثبتہ پر مشتمل ہے اور اسم احد تمام صفات سلبیہ پر مگر حق یہ ہے کہ توحید ذات باری کی حقیقت کے بیان میں الفاظ کوتاہ ہیں چنانچہ ہم نے گذشتہ سطور میں اس امر کیطرف اشارہ کردیا ہے ولنعم ماقیل ؎

مغرور سخن مشو کہ توحید خدا واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

صاحب قال ہزاروں ہیں مگر کچھ مفید نہیں اور صاحب حال کوئی شاذونادر ہی ہوتا ہے مگر تمام مشکلات کو آسان کردیتا ہے۔

حضرت جنید سے مروی ہے کہ توحید ایک حقیقت ہے جس سے رسوم بشریت محو اور علوم بالکلیت معدوم ہوجاتے ہیں اور صرف وجود ذات باری جو ازلی وابدی ہے باقی رہجاتا ہے۔ یوسف بن حسین کہتے ہیں کہ جو شخص توحید کے دریائے ناپیداکنار میں تیرتا ہے اس کی پیاس روز بروز بڑھتی چلی جاتی ہے۔

بعض حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ واحد وہ ذات ہے جو سیادت میں بدرجہ کمال پہنچ گئی ہو اور جس کا مثل ناپید ہو اور نہ اسکا کوئی شریک ہو جو اسکے ساتھ مساوات رکھتا ہو شبلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ واحد وہ ذات ہے جو بندہ کو تمام مخلوق سے کافی ہوسکے اور تمام مخلوق اس ذات سے کافی نہ ہوسکے۔ حسین بن منصور حلاج کہتے ہیں کہ واحد وہ ذات ہے جو سلسلۂ شمار میں نہ آسکے اور بعض کہتے ہیں کہ احد وہ ذات ہے جو ایجاد معدومات میں یگانہ اور اظہار خفیات میں یکتا ہو بعض نے لکھا ہے کہ احد وہ ذات ہے کہ جس کے وجود کی نہ تو نہایت ہو اور نہ اس پر کسی کا حکم جاری ہوسکتا ہو اور کوئی اسکی امداد کرسکے۔ تفسیر احدی میں شبلی علیہ الرحمۃ کی نسبت مروی ہے کہ آپ ایک دفعہ ایک تاجر کی دکان پر بیٹھے تھے لوگوں نے کہا کہ آپ حساب جانتے ہیں؟ فرمایا کہ ہاں! انہوں نے پوچھا کہ عدد ات حساب لاکر رقوم لکھوا کر شرح کہیں جب وہ لوگ لکھا چکے تو دریافت کیا کہ کیا

Marfat.com

ہُوا؟ آپ نے فرمایا ایک وہ لوگ تعجب کرنے لگے آپ نے فرمایا کہ تعجب کیوں کرتے ہو؟ ازل سے ابد تک بجز ایک کے کوئی اور بھی ہے؟ عبد خالص واحد اسوقت ہوتا ہے جبکہ طے مقامات میں اپنے ابنائے جنس میں بےنظیر ہو جاوے اور اگر کسی ایک وصف میں یگانہ ہو تو اس وصف کے لحاظ سے وہ واحد کہلائیگا مگر جمیع اوصاف میں بےنظیر بجز ذات گرامی جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی شخص نہیں ہو سکتا ہاں اضافی کمالات اولیاء اللہ کو حاصل ہیں۔ الغرض واحد حقیقی بجز ذات باری کے کوئی مخلوق نہیں۔

اَلصَّمَدُ قال اللہ تعالیٰ اللّٰہُ الصَّمَدُ۔ اس اسم کی توجیہ دو طرح پر مشہور ہے اول تو یہ کہ صَمَدٌ جس کا وزن صرفی فَعَلٌ ہے بمعنی مَفْعُوْلٌ مستعمل ہے جس کے معنے ہیں مَنْ صُمِدَ اِلَیْہِ یعنی وہ شخص جس کی طرف لوگ اپنی حاجات کو لیجائیں عرب بولتے ہیں بیتٌ مَصْمُوْدٌ وَبَیْتٌ مُصْمَدٌ اِذا قصدہ الناس فی حوائجھم یعنی ایسا گھر جہاں لوگ اپنی حاجات کی رجوع کریں طرفہ کہتا ہے ؎

وان یلتق الحی الجمیع تلاقنی الی ذروۃ البیت الرفیع المصمد

امام لیث فرماتے ہیں کہ عرب بولتے ہیں صمدت صَمَدَ ھذا الامر ای قصدت قصدہٗ

دوم یہ کہ صمد ایسی چیز کو بولتے ہیں جو ٹھوس ہو یعنی اندر سے خالی نہ ہو چنانچہ شئیٌ مصمدٌ ایسی چیز کو بولتے ہیں جو سخت ہو اور جس میں نرمی نہ ہو بعض متاخرین اہل لغت لکھتے ہیں کہ صمد سپاٹ پتھر کو بولتے ہیں جو غبار سے پاک ہو اور جس کے اندر کوئی چیز نفوذ نہ کر سکے اور نہ اس کے اندر سے کوئی چیز باہر آ سکے۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں حرف دال حرف تاء کا بدل ہے سلف صالحین کا ایک گروہ اور بعض اہل لغت معنی ثانی کی تائید کرتے ہیں مگر ایک جماعت سلف اور خلف کی معنے اول کیطرف مائل ہوئی ہے شعبی کہتے ہیں کہ صمد اس ذات کو بولتے ہیں جو اکل و شرب سے بالاتر ہو ابن عباس فرماتے ہیں کہ صمد اس سردار کو بولتے ہیں جو سیادت میں کامل ہو اور ابو اسحق کوفی عکرمہ سے راوی ہیں کہ صمد وہ ذات ہے جس سے بالاتر کوئی اور نہ ہو

Marfat.com

اور علی اور کعب الاحبار رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صمد وہ ذات ہے جس کی نظیر اسکی مخلوق میں معدوم ہو اور حسن سے مروی ہے کہ صمد وہ ذات ہے جو حصول مرغوبات کیلئے مرجع اور دفع مصائب کیلئے مستغاث ہو اور اسکے علاوہ اس اسم کی اور بھی بہت سی تفسیریں کی گئی ہیں بخوف طول کلام ہم نے نظر انداز کر دیں۔ نیز صمد بمعنے سردار محتاج الیہ اہل عرب کے ہاں مستعمل ہے چنانچہ شعر ذیل ہے۔

أَلَا بَكَّرَ النَّاعِي بِخَيْرِ بَنِي أَسَدٍ ۔۔۔ بِعَمْرِو بْنِ مَسْعُودٍ وَبِالسَّيِّدِ الصَّمَدِ

بعض جاہلوں نے لفظ صمد سے یہ استدلال کیا ہے کہ ذات باری جسم ہے مگر یہ امر باطل ہے کیونکہ اسکا احد ہونا اس خیال کی تکذیب کرتا ہے جسم اجزاء سے مرکب ہے اور جو مرکب ہے قابل تقسیم ہے اور تقسیم احدیت کی منافی ہے اور بس۔

ابو محمد وراق فرماتے ہیں کہ صمد وہ ذات ہے کہ خلقت جسکی کنہ کے دریافت کرنے سے عاجز ہو اور عقول جس کے اسرار حکمت کو نہ پا سکیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جب کسی کو منتخب فرمالیتا ہے تو وہ کامل طور پر اسم صمد کا مظہر قرار پاتا ہے جس سے وہ اہل عالم کے دینی اور دنیوی حوائج کے لئے مرجع بنجاتا ہے اور وہ انکے حاجات کو رفع کرتا ہے۔

اَلْقَادِرُ اَلْمُقْتَدِرُ قال اللہ تعالیٰ ھُوَ الْقَادِرُ مصدر قدرت سے مشتق ہے اور قدر بمعنی مقدر کرنے کے بھی مستعمل ہوا ہے یعنی قَدَرْتُهٗ بمعنے قَدَّرْتُهٗ (اندازہ کرنا) قال اللہ تعالیٰ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُوْنَ یعنی قَدَّرْنَا فَنِعْمَ الْمُقَدِّرُوْنَ اسی معنے کا استعمال ہوا ہے آیۂ فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ میں یعنی یونس علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ ہم انکی خطا پر انہیں بازپرس نہیں کرینگے ورنہ قدرت سے مشتق کرنے کی صورت میں آیت کے معنے صحیح نہیں ہو سکتے کیونکہ ایک نبی اللہ کبھی اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ گمان نہیں کر سکتا کہ وہ اس پر قدرت نہیں رکھتا اسم قدیر اسم

Marfat.com

قادر کا مبالغہ ہے جیسے عالم اور علیم مگر قدیر اسماء حسنیٰ میں شمار نہیں کیا گیا اگرچہ قرآن مجید میں وارد ہو چکا ہے۔

اسم مقتدر بھی بہ نسبت قادر کے معنی مبالغہ پر مشتمل ہے قال اللہ تعالیٰ عِنْدَ مَلِيكٍ مُقْتَدِرٍ اور اس کی نظیر ہے لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ اس آیت میں کسب کو خیر کے ساتھ اور اکتساب کو شر کے ساتھ ذکر کیا ہے اس میں یہ خوبی ہے کہ شر سے انسان بذریعہ وعظ اور دلائل شرعیہ کے روکا جا سکتا ہے [illegible] معلوم ہوا کہ لفظ اقتدار بہ نسبت قدرت کے مبالغہ پر دلالت کرتا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قادر وہ ذات ہے جو اپنی مشیت کے مطابق خواہ کسی امر کو کرے خواہ نہ کرے [illegible] اختیار اور قدرت [illegible] اختیار [illegible] کے لئے یہ شرط نہیں کہ قادر ضرور کسی امر کو کر ہی ڈالے کیونکہ کرنا یا نہ کرنا اس کی مشیت حکمت کے تابع ہے اس لئے اگر وہ کسی امر کو کر ڈالے تو اس کی حکمت یہی ہوگی اور اگر نہ کرے تو بھی اس کی حکمت کا مقتضیٰ ہوگا اور قادر مطلق وہی ہو سکتا ہے جو ایسا ہو کہ عدم سے وجود میں [illegible] لا سکے اور یہ وصف بجز ذات باری کے کسی مخلوق کو حاصل نہیں [illegible] کامل [illegible] البتہ قدرت ناقصہ دی گئی ہے جس کو ایجاد و اعدام میں کچھ دخل نہیں بلکہ [illegible] اسباب [illegible] کے پیدا ہونے پر ان میں تصرف کر سکتا ہے [illegible]

اَلْمُقَدِّمُ وَالْمُؤَخِّرُ تقدم و تاخر [illegible] قسمیں ہیں ذاتی اور [illegible] ذاتی کی دو قسمیں ہیں اول علت کا اپنے معلول پر مقدم ہونا [illegible] کی حرکت کا انگلی کی حرکت پر مقدم ہونا اور شرط کا اپنے مشروط پر مقدم ہونا جیسے [illegible] وضو [illegible] صورتیں ہیں اول تقدم زمانی جیسے ذات باری کے [illegible] ہونا [illegible] تعلیمات اور بعدیت صرف اس کے تعلق پر مبنی ہے [illegible] تقدم [illegible] متاخر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ افعال ذات باری کا تقدم و متاخر ہونا سلسلہ سبب و مسبب کے

قائم کرنیکی حکمت پر مبنی ہے دوم تقدم مکانی مثلاً آسمان کا فوق اور زمین کا تحت حالانکہ اسکا عکس بھی متصور تھا مگر اس کی حکمت کاملہ کا اقتضا یوں ہی تھا سوم تقدم بالشرف یعنی بعض مخلوق کو بعض دیگر پر بلحاظ صفات کاملہ کے شرف کا حاصل ہونا اور اسلئے وہ متقدم ہوگا بہ نسبت اس مخلوق کی جس میں وہ صفات موجود نہیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مقدم و موخر وہ ذات ہے جو کسی مخلوق کو اپنا قرب عطا فرماوے اور کسی دوسری مخلوق کو اپنی بارگاہ قرب سے بعید کرے چنانچہ اُسنے محض اپنے فضل و کرم سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو اپنی بارگاہ میں قرب بخشا ہے اور انکے مخالفین کو اپنے قرب سے دور پھینک دیا ہے اس قرب و بعد میں بہت سے مدارج ہیں چنانچہ سب سے زیادہ مقرب ملائکہ پھر انبیاء پھر اولیاء پھر علماء ہیں اور انمیں بھی علیحدہ علیحدہ مدارج ہیں چنانچہ ہر ایک متقرب بہ نسبت اپنے سے متقدم کی متاخر کہلاتا ہے اور ہر ایک متاخر متقدم۔ اور اس تمام سلسلہ تقدم و تاخر کی غایت ذات باری پر ختم ہو جاتی ہے اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی اور وہی ذات باری جو مفیض الخیرات ہے کسی کو قریب کرتی ہے اور کسی کو بعید۔ اور ان ہر دو اسم میں اشارہ ہے کہ کوئی شخص بذریعہ علم و عمل مقرب نہیں بن سکتا جب تک اس کا فضل شامل حال نہ ہو قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤی اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ[1]۔ انسان کامل کو ان ہر دو اسم سے یہ بہرہ ہے کہ وہ مخلوقات میں انکی خصوصیات کے لحاظ سے قرب و بعد کے مدارج قائم کرے اور ترتیب افعال کو مد نظر رکھے

اَلْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ کوئی ایک چیز ایک ہی جہت سے کسی امر مخصوص کی نسبت اول و آخر نہیں ہو سکتی بلکہ اسکا اول ہونا کسی اور جہت سے ہوگا اور آخر ہونا کسی دوسری جہت سے کیونکہ دو متضاد امور کا مصداق ایک ہی چیز نہیں ہو سکتی جب ہم سلسلہ کائنات کی ترتیب میں غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ وجود میں ذات باری سب سے اول ہے کیونکہ

---

[1] یعنی جنکی نسبت ہم نے ازل میں جنت مقدر کردی ہے وہ جہنم سے دور رکھے جائینگے ۱۲ منہ

Marfat.com

تمام موجودات نے اس سے لباس ہستی پہنا اور خود بذاتہ موجود ہے مگر منازل معرفت میں وہ تمام اشیاء کی معرفت کا آخری مقصد ہے کیونکہ گذشتہ صفحات میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ کوئی چیز بجز ذات باری کے مطلوب حقیقی نہیں ہو سکتی بلکہ جن اشیاء کی معرفت ہم حاصل کرتے ہیں وہ آئینہ حقائق معرفت کیلئے بطور شرط کے ضروری ہیں اور غایت حقیقی معرفت ذات باری ہے لہذا وہ ذات مقدس وجود میں سب سے اول اور معرفت میں سب سے آخر ہے یہی معنے ہیں اس جملہ کے کہ وہی ذات مبدء ہے اور وہی مرجع۔ اہل دل نے ان اسماء کی تشریح میں مختلف اشارات کیے ہیں مثلاً (ا) وہ ذات مقدس اول ہے جس کی کوئی ابتدا نہیں اور آخر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں (ب) وہ ذات مقدس اول ہے ایجاد خلق میں اور آخر ہے ہدایت و توفیق میں (ج) اول بالذات ہے اور آخر بالصفات (د) اول ہے وجوب و قدم کے رو سے آخر ہے حدوث و عدم سے پاک ہونے کی وجہ سے (ہ) اول ہے بلحاظ محبت سابقہ کے اولیاء کے حق میں آخر ہے بلحاظ غضب سابق کے اعداء کے حق میں وغیر ذلک۔

واضح ہو کہ ذات باری کے متعلق سوال کئی ایک صورتیں ہیں مثلاً کیا وہ موجود ہے؟ اسکا جواب دیا رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۔ وہ کس طرح ہے؟ اسکا جواب دیا لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وہ کیا ہے؟ رَبُّکُمْ وَرَبُّ اٰبَائِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ اس میں اشارہ ہے کہ اس کی معرفت کا طریق یہی دلائل قطعیہ ہیں جو اسکے وجود پر دال ہیں وہ کس قدر ہے؟ اسکا جواب دیا وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وہ کہاں ہے؟ اس کا جواب دیا اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ۔ وہ کیوں ایسا کرتا ہے؟ اس کا جواب دیا لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ ۔ وہ کیا چیز ہے؟ اس کا جواب دیا ھَلْ تَعْلَمُ لَہٗ سَمِیًّا یعنی کوئی بھی ذات و صفات میں اس کی نظیر نہیں وہ کب سے ہے؟ اس کا جواب دیا ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ اس کا تصرف کس قدر ہے؟ اس کا جواب دیا قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ الآیۃ اس کا علم کس قدر ہے؟ اسکا جواب دیا عَالِمُ الْغَیْبِ

Marfat.com

والشہادۃ اس کا کلام کس قدر ہے؟ اسکا جواب دیا وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ اسکے اسما کیا ہیں؟ اسکا جواب دیا لِلّٰہِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی

اَلظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ان ہر دو اسم بھی مذکورہ بالا ہر دو اسم کیطرح منجملہ امور اضافیہ کے ہیں یعنی کوئی چیز ایک ہی جہت سے ظاہر و باطن نہیں ہو سکتی کیونکہ ایک ہی چیز ایک خاص شخص کے ادراک کی نسبت ظاہر کہلا سکتی ہے اور دوسرے شخص کے ادراک کی نسبت باطن سو ذات باری ادراک حواس کے رو سے باطن ہے اور استدلال عقل کے رو سے ظاہر مگر یہاں یہ سوال عائد ہو سکتا ہے کہ اگر وہ ظاہر ہے تو کیوں اسکے ادراک میں اس قدر اختلافات دنیا میں موجود ہیں؟

اس سوال کا جواب امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ذات باری عزّ اسمہ بغایت ظہور کیوجہ سے مخفی ہے یعنی اس کا درجہ نہایت ظاہر ہونا اسکے مخفی یا باطن ہونے کا سبب ہے یا یوں کہو کہ اسکا نور ہی اسکے نور کا حجاب بن رہا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو چیز کسی وصف میں درجہ متعارف سے بدرجہ کمال تجاوز ہو جاتی ہے وہ اس وصف کی ضد سے موصوف معلوم ہونے لگتی ہے اس کی تفصیل یوں سمجھو کہ اگر ہم حروف کو کاغذ پر منقوش دیکھیں تو ہمیں بمجرد دیکھنے کے یقین ہو جاتا ہے کہ ان حروف کا کاتب عالم، قادر، سمیع، بصیر ہے یا یوں کہو کہ کاتب کو صفات علم، قدرت، سمع، بصر سے موصوف ماننا ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ اگر کاتب یہ صفات نہ رکھتا ہو تو وہ کاتب حروف نہیں ہو سکتا سو جس طرح ہم لکھے ہوئے حروف سے انکے لکھنے والے کے نہ صرف وجود کا یقین حاصل کر لیتے ہیں بلکہ اس کو مذکورہ بالا صفات سے موصوف تسلیم کرنے پر بھی مجبور ہو جاتے ہیں اسیطرح صفحہ ہستی پر ایک ایک ذرہ کائنات کا خواہ زندہ ہو یا [illegible] اپنی زبان حال سے نہ صرف اپنے خالق اور مدبر کے وجود کیطرف اشارہ کر رہا ہے بلکہ اسکے کامل الصفات ہونے کی بھی شہادت دے رہا ہے [illegible] جو اندر [illegible] بلکہ اسکی ایک ایک صفت اور [illegible] زندگی کی رفتار [illegible]

طے کرتا ہے قطعی طور پر اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ انکا ایک خالق قاہر مدبر موجود ہے اگر اس شہادت میں اختلاف ہوتا یعنی اگر بعض اشیاء وجود خالق پہ شاہد ہوتیں اور بعض نہ ہوتیں تو وجود خالق میں کچھ اختلاف نہ ہوتا مگر جب ایک ایک ذرہ کائنات کا وجود خالق پر دلیل قطعی ہے سے

وفی کل شیئ لہ اٰیۃ تدل علی انہ واحد

تو کچھ شک نہیں کہ یہی امر لوگوں کیلئے ادراک خالق میں موجب اختلاف ہو رہا ہے اور غایت ظہور کی وجہ سے کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ دیکھو محسوسات خارجیہ میں سب سے واضح الادراک جرم آفتاب ہے جو تمام اشیاء عالم کے ظہور کا موجب ہے کیونکہ اسکے غروب پر تمام اشیاء آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم نور سے ہمیں نور کا علم حاصل ہوتا ہے یا اگر آفتاب وسط آسمان میں ٹھہرا رہتا اور نقل و حرکت نہ کرتا تو بہت سے لوگ ایسے ہوتے جو یہ کہتے کہ اشیاء خود بخود روشن ہیں آفتاب انکے ظہور کا موجب نہیں۔ اسی طرح اگر ذات باری اپنا فیضان وجود ایک آن کیلئے بعض اشیاء سے روک لے تو فی الفور وہ اشیاء حیز عدم میں مختفی ہو جائیں مگر چونکہ تمام اشیاء یکساں طور پر خالق حقیقی کے وجود پر دال ہیں اور انکی شہادت میں کچھ اختلاف نہیں تو یہی یکسانیت لوگوں کیلئے موجب اشتباہ ہو گئی متضاد حالتوں کے مشاہدہ کئے بغیر احد المتضادین کا علم حاصل نہیں ہو سکتا مگر عالم کائنات میں عدم کا کہیں نشان نہیں ہر ایک چیز موجود ہے اور جو موجود ہے وہی اپنے خالق مدبر کے وجود پر دال ہے اسلئے وہ ذات حقیقی غایت ظہور کیوجہ سے آفتاب کیطرح مخفی ہے کیونکہ آفتاب تمام موجودات کے ظہور کا موجب ہے مگر قوت باصرہ اسکی تاب نہیں لا سکتی۔ بعض اہل حقیقت کی عبارات میں ذیل کا جملہ واقع ہوا ہے جو مذکورہ بالا حقیقت کیطرف اشارہ کرتا ہے حیث قال سُبحٰنَ مَنِ اختَفٰی عَنِ العُقُولِ لِشِدَّۃِ ظُہُورِہٖ وَاحتَجَبَ بِکَمالِ نُورِہٖ اس باطن کی توجیہ یوں بھی ہو سکتی ہے کہ ذات باری خلائق پر مخفی ہے یا یہ کہ باعتبار اسکا

احاطہ نہیں کر سکتیں یا یہ کہ اس ذات حقیقی کا علم تمام مخفیات پر محیط ہے کیونکہ ہو ظہور و بطون کی وصف حقیقتہً اسی ذات پر صادق آسکتی ہے ہاں انسان بھی ظاہر ہے جبکہ وہ ظواہر کائنات سے استدلال کر کے معرفت ذات باری کو حاصل کرے اور وہ باطن ہے جبکہ وہ اپنے نفس کی طرف رجوع کر کے انوار تجلیات کا مورد بنجائے

اَلْوَالِیْ یہ اسم قرآن شریف میں وارد نہیں ہوا اور اسکے معنے اس ذات کے ہیں جو اشیاء پر غالب ہو اور ان میں اپنی مشیت کے مطابق کامل تصرف کر سکے اسم ولی میں اس کی تشریح مذکور ہے۔

اَلْمُتَعَالُ یہ اسم علو مصدر سے مشتق ہے اور اسکے معنے وہی ہیں جو اسم علیؔ کے ہیں ہاں متعال میں مبالغہ کا مفہوم بھی داخل ہے۔ اسم علیؔ کا مطالعہ کرو۔

اَلْبَرُّ قال اللہ تعالیٰ ھُوَ الْبَرُّ الرَّحِیْمُ بِرّ بالکسر مصدر سے مشتق ہے جس کے نکوئی اور احسان کے ہیں اسلئے بَرٌّ کے معنے مُحْسِنٌ کے ہوئے یحییٰ علیہ السلام کی وصف میں وارد ہوا ہے بَرًّا بِوَالِدَیْہِ اور مسیح علیہ السلام کی صفت میں بَرًّا بِوَالِدَتِیْ آیا ہے۔

واضح ہو کہ بَرٌّ اور بَارٌّ کے ایک ہی معنی ہیں اور بَرٌّ یعنی مُحْسِنٌ فی الحقیقت بجز ذات باری کے کوئی مخلوق نہیں کیونکہ اس کے احسانات بلا معاوضہ ہیں جن کا کبھی حصر نہیں کیا جا سکتا اور وہ دو قسم کے ہیں دینی اور دنیوی اور پھر ان میں سے ہر ایک ظاہری ہے اور باطنی کما قال اللہ تعالیٰ وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاھِرَۃً وَّبَاطِنَۃً

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ ہر ایک قسم کے اعمال بِرّ میں منہمک ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے آیۂ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ الآیۃ میں جمع کر دیا ہے اور تکمیل بِرّ کی شرط یہ ہے کہ سب سے احسن اور سب سے محبوب چیز کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں صرف کیا جائے قال اللہ تعالیٰ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ اور تمام اقسام بِرّ سے اعلیٰ اور اشرف بِرّ وہ ہے جو والدین کے حق میں کی جاتی ہے قال اللہ تعالیٰ

Marfat.com

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ط دیکھو مذکورہ بالا آیات میں یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو کس طرح اللہ تعالیٰ نے وصف بر سے یاد کیا ہے اور اپنے اساتذہ و مشائخ سے نکوئی اور احسان برتنا بھی اسم بر کا مقتضی ہے اور کمال بر یہ ہے کہ عبد اپنے احسان کو کسی محل خاص سے مخصوص نہ کرے بلکہ بر خداوند تعالیٰ کا تتبع کرنا ضروری ہے جس کا حصر کرنا منجملہ محالات کے ہے۔ ابن عمر سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا البر لا یبلی یعنی نکوئی کبھی بوسیدہ نہیں ہوتی۔

حضرات مشائخ لکھتے ہیں کہ بر وہ ذات ہے جو اصحاب ارادت پر کشف طریق اور اصحاب عبادت کو اپنے فضل و توفیق سے بہرہ یاب کرے بعض لکھتے ہیں کہ بر وہ ذات ہے جو معصیت کی وجہ سے بندہ سے اپنا انعام و احسان منقطع نہ کرے۔

اَلتَّوَّابُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَتَابَ عَلَیْہِ اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ اور پھر فرمایا وَھُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ اس اسم کی تشریح میں وجوہ ذیل بیان کئے گئے ہیں اول یہ کہ تاب و آب و ثاب ہر سہ بمعنی رجع آیا کرتے ہیں اسلئے تواب کے معنے ہوئے وہ ذات جو اپنے بندوں پر انواع احسانات کے ساتھ رجوع کرے اور اس کی صورت یہ ہے کہ بندہ جب مختلف گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس کی کوئی صورت رہائی کی نہیں سوجھتی تو اللہ تعالیٰ کی توفیق ازلی اسکا ہاتھ پکڑ لیتی ہے اور اس کو ہدایت پر لا کر گناہ سے بالکلیت برطرف کر دیتی ہے جس کا پہلا نشان ہے کہ تائب کے دل پر خشیت و عبودیت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور وہ مقام حساب میں ہر وقت اپنے تئیں کھڑا دیکھتا ہے چنانچہ وہ اپنی اصلاح ظاہری و باطنی کیطرف لگ جاتا ہے جس سے وہ ان انعامات باطنی کا مستحق ہو جاتا ہے جن سے بوجہ معصیت پہلے محروم تھا اور ہر ایک قسم کی تنگی اور معصیت کو اس سے دور کر دیا جاتا ہے الغرض جو بندہ معصیت سے رجوع کرتا ہے اُدھر اللہ تعالیٰ اپنے انعام و اکرام سے اس کو بہرہ یاب کرتا ہے اور یہی معنے ہیں اسم تواب کے مگر معصیت سے باز آنا بجائے خود توفیق

خداوندی پر منحصر ہے جس کو چاہتا ہے خالص توبہ کا مقام عطا فرماتا ہے ورنہ بندہ خود اپنی محنت وسعی سے کبھی صاحب تقویٰ نہیں ہو سکتا ہے

جہاں آفرین گر نہ یاری کند !! کجا بندہ پرہیز گاری کند

دوم یہ کہ لفظ توبہ لازم و متعدی ہر دو طریق پر مستعمل ہے یقال تاب اللہ علی العبد یعنے انہ وفقہ للتوبۃ حتی تاب قال اللہ تعالیٰ ثم تاب علیہم لیتوبوا یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں توفیق توبہ دی تاکہ وہ توبہ کریں اسلئے اسم تواب کے معنے ہوئے وہ ذات جو اپنے بندوں کو طاعت کی توفیق دے۔

سوم توبۃ اللہ علی العبد کے معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ہوتا ہے کہ وہ بندگان خدا میں سے مجرمین کے عذر کو قبول کرکے ان سے درگذر کر جائے خواہ وہ کتنی دفعہ مجرم ثابت ہوں۔

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ تواب وہ ذات ہے جو بندہ کی دعا کے مقابلہ میں عطا اور عذر کے مقابلہ میں مغفرت اور انابت کے مقابلہ میں اجابت نازل فرماوے۔

اَلْمُنْتَقِمُ قال اللہ تعالیٰ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ اسم منتقم اسی سے مشتق ہے اور انتقام ذات باری سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا معصیت اور کفر پر بندہ کو اس معرض عذاب میں لانا جس کا وہ مستوجب ہے اور بندہ مستوجب عذاب نہیں ہوتا جب تک اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی خوف اسکے دل میں باقی ہو اور جب بندہ غضب الٰہی اور اس کے مواخذہ سے غافل ہو کر بے لگام ہو جاتا ہے اور کھلم کھلا ارتکاب معاصی پر اتر تا ہے تو اللہ تعالیٰ کا غضب بصورت عذاب اس پر نازل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ انسان کی کمزوری فطرت کا علم رکھتا ہے اس لئے وہ بندہ کو ایک کافی مہلت دیتا ہے تاکہ وہ رجوع الی اللہ کرکے اپنے تئیں عذاب سے بچائے اور یہ اسکے وسیع حلم کا نتیجہ ہے مگر جب حجت کے تمام پہلو اس پر پورے کر دیے جاتے ہیں اور عذر کا کوئی موقع نہیں رہتا تو وہ اپنے بطش شدید کو عمل میں لاتا ہے جس کو کوئی ٹالنے والا نہیں یہی وجہ ہے

Marfat.com

کہ کلام پاک میں فرمایا کہ ہم اپنے رسول بھیجے بغیر کبھی عذاب نازل نہیں کرتے۔ اس موقع پر اس امر کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ بعض اہل ظاہر عموماً یہ کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص باوجود انواع واقسام معصیت کے ہر ایک قسم کی رفاہیت وامن میں زندگی بسر کر رہا ہے اور اس پر کوئی وبال نہیں آتا مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ درحقیقت اس شخص پر اتمام حجت ہو رہا ہے تاکہ تمام مراتب عصیان کو طے کر کے پورے پورے عذاب کا مستوجب قرار پائے اگر فی الفور ارتکاب گناہ پر پکڑا جاتا تو عذاب شدید کا مورد نہ بنتا الغرض نزول عذاب کیلئے غضب الٰہی کا حد سخط کو پہنچنا ضروری ہے قال اللہ تعالیٰ فَلَمَّا اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عبد اسوقت اس اسم کا مظہر کامل ہوتا ہے۔ جب وہ دشمنانِ دین سے انتقام لے اور سب سے بڑا دشمن انسان کا نفس ہے اس لئے سب سے زیادہ مورد انتقام نفس ہونا چاہیئے چنانچہ شیخ ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ کی نسبت مروی کہ ایک رات اور انفرہ سے نفس نے غفلت کی آپ نے سال بھر اُسے پانی سے محروم رکھا۔ فُضیل رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص خوف رکھتا ہے اس پر ہر ایک قسم کی نیکی آسان ہو جاتی ہے جنید رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ عبد کو چاہیئے کہ بیمار کی طرح پرہیز کا پابند ہو ایسا نہ ہو کہ ایک بدپرہیزی سے ملتوں بیماری کا خمیازہ بھگتنا پڑے۔ بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ منتقم وہ ذات ہے جس کا انتقام اسکی نعمت سے علیحدہ نہ ہو مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نعمت ہی کو نقمت بنا دیتا ہے۔ اور بعض عارفین نے لکھا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عظمت کو جان لیتا ہے وہ ہر وقت اسکے عذاب سے خائف رہتا ہے اور جو شخص اس کی رحمت کا علم حاصل کر لیتا ہے وہ اس کی نعمت کا امیدوار ہو جاتا ہے

اَلْعَفُوُّ قال اللہ تعالیٰ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا نیز فرمایا وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ اس اسم کی تفسیر میں مختلف وجوہ بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) عفو کے معنے لغت میں مٹا دینے اور دور کرنے کے ہیں اہل عرب بولتے ہیں عَفَتِ الدِّيَارُ اِذَا دَرَسَتْ یعنی جب گھر کے آثار بے نشان ہو جائیں اسصورت میں عفو خداوندی کے معنے

Marfat.com

ہونگے اسکا بندہ کے گناہوں کو نامۂ اعمال سے بالکلیت محو کر دینا اور قیامت کے دن ان پر سواخذہ نہ کرنا اور نہ صرف اسی قدر بلکہ بندوں کے دلوں سے انکا فراموش کر دینا کیونکہ میدان حشر میں گناہوں کی یاد بھی موجب خجالت و ندامت ہوگی اور محو کرنے کے بعد ہر ایک سیئہ کے عوض حسنہ کا ثواب عطا فرمانا قال اللہ یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتَابِ اور پھر فرمایا فَاُولٰئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنَاتٍ

تنبیہ۔ عفو میں مغفرت کی نسبت مبالغہ کا مفہوم مندرج ہے کیونکہ عفو کے معنے بالکل مٹا دینے کے ہیں اور مغفرت صرف مستور کر دینے کو بولتے ہیں جملہ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا میں غور کرو کہ کس طرح ہر سہ الفاظ کو ترتیب وار رکھا ہے کیونکہ عفو سے گناہوں کا نامۂ اعمال سے مٹا دینا مراد ہے اور مغفرت سے مستور کر دینا تاکہ گناہ کی یاد موجب ندامت نہ ہو اور رحمت سے انعام جنت مراد ہے جو غایۃ الغایات ہے

(ب) عفو کے معنے زائد کے ہیں قال اللہ تعالیٰ یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ اہل عرب بولتے ہیں عفا مالُ فُلَانٍ اذا اکثر اس صورت میں معنے یہ ہونگے کہ عَفُوٌّ وہ ذات ہے جو کثیر العطا ہو اور منعم علیہ کو محنت طلب کی تکلیف نہ دے۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں سے جو اسکے حق میں ظلم کریں قصور کو معاف کر دیتا ہے اور اپنے احسان کو ان سے نہیں روکتا اور نہ انکی بدسلوکی یاد دلا کر نادم کرتا ہے قال اللہ تعالیٰ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا جب عبد اس صفت سے متصف ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے قصوروں کو معاف فرما دیتا ہے۔ چنانچہ ابن عاصم منقری کی نسبت مروی ہے کہ انکے ایک غلام کے ہاتھ سے کباب جو گرم سیخ میں لگا تھا انکے چھوٹے بچے پر گرا جس سے بچہ مرگیا آپنے غلام سے کہا کہ جاؤ میں نے تمہیں فی سبیل اللہ آزاد کر دیا اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت مروی ہے کہ آپنے اپنے ایک غلام کو آواز دی غلام نہ آیا پھر پکارا پھر بھی غلام نے جواب نہ دیا تیسری دفعہ پکارا تب بھی غلام نہ بولا خود اٹھے اور غلام کو لیٹے

Marfat.com

بایا آپنے پوچھا کہ تم نے میری آواز نہیں سنی؟ غلام نے عرض کیا کہ میں نے آواز سنی آپنے پوچھا کہ تم جواب کیوں نہیں دیا؟ اس نے عرض کیا کہ مجھے آپکے عفو وحلم پر اعتماد تھا لہٰذا خاموش رہا آپ نے فرمایا کہ جاؤ میں نے تمہیں فی سبیل اللہ آزاد کر دیا۔

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ عفو وہ ذات ہے جو نفوس سے ظلمت گناہ کو اپنی رحمت سے دور کر دے اور قلوب کی وحشت غفلت کو اپنی کرامت سے پاک کر دے۔

بعض مشائخ کی نسبت مروی ہے کہ بعد از مرگ انہیں کسی مرد صالح نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالےٰ نے آپ سے کیسا سلوک کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ محاسبہ میں سخت دقت کی گئی اور بعد از محاسبہ عفو کلی سے کام لیا گیا۔

اَلرَّؤُفُ قال اللہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَؤُفٌ رَّحِیْمٌ اور پھر فرمایا بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ یہ اسم مصدر رَاْفَۃٌ سے مشتق ہے جس کے معنے شدتِ رحمت کے ہیں۔ یہ امر قابل غور ہے کہ آیات مسطورہ بالا میں اسم رؤف کو اسم رحیم پر مقدم کیا گیا ہے اور جہاں یہ دو اسم آئے ہیں اسی ترتیب سے آئے ہیں لہٰذا ان میں وجہ امتیاز کا سمجھنا ضروری ہے

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ رافت کا مبدء فاعل کی ذات میں ہوتا ہے یعنی رؤف کی ذات مقتضی ہوتی ہے کہ اپنے احسان کو شخص مرحوم تک پہنچائے اور رحمت کا مبدء مفعول کی ذات سے تعلق رکھتا ہے یعنی مرحوم کی حالت فاقہ یا ضعف وغیرہ مقتضی ہوتی ہے کہ رحیم اس پر اپنی رحمت کرے اور یہ ظاہر ہے کہ ایجاد فعل میں فاعل کی حالت کو مفعول کی حالت کی نسبت زیادہ دخل ہوا کرتا ہے اسی مناسبت سے اسم رؤف کو رحیم پر پہلے ذکر کیا گیا ہے

حضرات مشائخ لکھتے ہیں کہ رؤف وہ ذات ہے جو گنہگاروں کے حق میں توبہ اور اولیاء کے حق میں عصمت عطا فرمادے اور بعض فرماتے ہیں کہ رؤف وہ ذات ہے جو اپنے اولیاء کو ملاحظہ اغیار سے محفوظ رکھے اور انہیں بار انتقال سے کافی ہو جائے۔

بعض آثار میں وارد ہوا ہے کہ جناب پیغمبرؐ کسی سفر کے موقع پر تشریف لیجا رہے تھے

ایک عورت بچہ گود میں لئے سامنے آئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ پر زیادہ مہربان ہے بہ نسبت ماں کے بچہ پر مہربان ہونے کی۔ کیا یہ سچ ہے؟ حضور علیہ السلام کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بجز منکر لا الٰہ الا اللہ کے کسی کو عذاب نہیں کرے گا۔

بعض صالحین سے مروی ہے کہ اونکے پڑوس میں ایک بدکار آدمی رہتا تھا جب اسکا جنازہ اٹھایا گیا تو وہ جنازہ کو دیکھ کر راستہ سے علیحدہ ہوگئے تاکہ اسکے جنازہ میں شامل نہ ہوں۔ ایک اور شخص نے اسے خواب میں نہائیت آرام اور خوشی کی حالت میں دیکھا اس نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے کیسے سلوک کیا؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے اپنی رحمت سے مغفرت عطا فرمائی اور کہا کہ میرے پڑوسی صالح مرد کو سنا دو قل لوانتم تملکون خزائن رحمۃ ربی اذا لامسکتم خشیۃ الانفاق یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کے خزانہائے رحمت کے مالک ہوجاتے تو تم اس کے صرف کرنے میں ضرور تنگی کرتے۔

مالک الملک۔ ذی الجلال والاکرام

اسم مالک الملک کی تفسیر گذشتہ صفحات میں بہ ضمن اسم جلیل گذر چکی ہے۔ البتہ لفظ اکرام کی تفسیر ضروری ہے۔

واضح ہو کہ اکرام کا مفہوم انعام کے قریب قریب ہے مگر اکرام خاص ہے اور انعام عام۔ یعنی ہر ایک اکرام انعام ہے مگر ہر ایک انعام اکرام نہیں ہوسکتا۔ یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ جلال وصف تنزیہہ پر دلالت کرتا ہے اور اس لئے صرف ذات حقیقی اس کے تحقق کیلئے کافی ہے مگر اکرام وصف اضافی ہے یعنی ایسا وصف جس کا تحقق وجود غیر کو مستلزم ہے یہی وجہ ہے کہ وصف جلال کو ذکر میں مقدم رکھا ہے۔

اسم مالک الملک کی نسبت لکھتے ہیں کہ یہ اسم ایسی ذات پر اطلاق کیا جاتا ہے جو اپنی مملکت میں حسب مشیت تصرف کرسکے اور ملک سے مراد مملکت ہے اور موجودات تمامہا بمنزلہ

Marfat.com

ایک مملکت کے ہے کہ اشیاء عالم باہم اس طرح مرتبط ہیں جس طرح بدن انسان کے اعضاء۔ سو جس طرح ایک عضو دوسرے عضو کی معاونت کرتا ہے اسی طرح موجودات عالم کا حال ہے۔ اور ان سب کے تناسب اور ضرورت پر یہ سلسلۂ کائنات کا چل رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اس مملکت کا مالک ہے۔ عبد کامل کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اپنی مملکت بدن کے اندرون و بیرون میں بہتر سے بہتر طریق پر تصرف کر سکتا ہے۔

اَلْمُقْسِطُ قال اللہ تعالیٰ قَائِمًا بِالْقِسْطِ۔ اہل زبان بولتے ہیں اَقْسَطَ فَهُوَ مُقْسِطٌ اِذَا عَدَلَ فِي الْحُكْمِ۔ اسلئے اسکے معنے ہوئے وہ ذات جو حکم میں پورا عدل کرے اور قَسَطَ بمعنے جَوْر یعنی ظلم کرنا قال اللہ تعالیٰ وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا اور قِسط بالکسر کے معنے نصیب اور بہرہ کے ہیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مقسط وہ ذات ہے جو مظلوم کا ظالم سے انصاف لے اور اس وصف کا کمال یہ ہے کہ مظلوم کی رضامندی میں ظالم کی رضامندی بھی شامل کر دے اور یہ امر بجز ذات باری عز اسمہ کے کسی مخلوق کا کام نہیں اس کی مثال ایک حدیث میں یوں وارد ہوئی ہے کہ حضور علیہ السلام تشریف رکھتے تھے کہ یکایک آپنے تبسم فرمایا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! حضور کے تبسم کی کیا وجہ ہے؟ ارشاد فرمایا کہ میری امت کے دو شخص حضور رب العزت میں حاضر ہوئے ایک نے عرض کی خدایا! اس شخص سے میرا انصاف لے بارگاہ خداوندی سے ظالم کو حکم ہوا کہ اپنے بھائی کا معاوضہ ظلم واپس کرو اس نے عرض کیا خدایا! میرے نامۂ اعمال میں کوئی نیکی باقی نہیں رہی جس سے میں اس کا معاوضہ دے سکوں پھر اللہ تعالیٰ نے مظلوم (داد خواہ) کو فرمایا کہ تمہارے بھائی کے پاس کوئی نیکی نہیں اب تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے عرض کیا خدایا! اگر اسکی کوئی نیکی نہیں تو میرے بار گناہ کو اٹھا لے حضور نے یہ فرمایا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور فرمایا کہ یہ وہ احتیاج کا دن ہوگا جس میں ہر ایک شخص یہ چاہیگا کہ کوئی میرے بوجھ کو اٹھالے پھر حضور نے فرمایا کہ احکم الحاکمین مظلوم

(داد خواہ) کو کہے گا کہ جنت کیطرف دیکھو جب وہ دیکھے گا تو اسے سونے اور چاندی کے عظیم الشان قصور نظر آئینگے جن پر نفیس موتی لگے ہونگے تب وہ سوال کریگا کہ خدایا یہ عالیشان محل کس نبی یا صدیق یا شہید کیلئے ہیں ارشاد ہوگا کہ اس شخص کیلئے جو انکی قیمت ادا کر دے پھر وہ عرض کریگا کہ خدایا ان کی قیمت کون ادا کر سکتا ہے؟ حکم ہوگا کہ تم ادا کر سکتے ہو تب وہ شخص عرض کریگا خدایا کیونکر؟ ارشاد ہوگا کہ اپنے بھائی کے قصوروں کو معاف کر دو یہی انکی قیمت ہے اس پر وہ شخص عرض کرے گا خدایا میں نے معاف کر دیا تب وہ ارحم الراحمین اس شخص کو حکم دیگا کہ جاؤ اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ لو اور اس کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ حضور علیہ السلام نے اس تقریر عالی کے بعد فرمایا اتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم فان اللہ تعالیٰ یصلح بین المؤمنین یوم القیامۃ یعنی اللہ سے ڈرو اور فیما بین اصلاح کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اہل ایمان باہمی اصلاح کر دیگا۔

مذکورہ بالا امثال سے واضح ہو گیا کہ اس قسم کا انصاف وانتصاف بجز حضرت رب العزت کے کسی مخلوق کی وسعت میں نہیں ہاں عبد کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ حاصل ہو سکتا ہے کہ سب سے پہلے اپنے نفس سے انصاف لے اور پھر کسی غیر کا کسی غیر سے اور اپنے نفس کا انصاف کسی غیر سے ہرگز نہ لے بلکہ عفو پر کاربند ہو چنانچہ حضور علیہ السلام کی نسبت مروی ہے کہ کبھی آپ نے باوجود قدرت ذاتی انتقام کسی سے بھی نہیں لیا تھا۔

الجامع | قال اللہ تعالیٰ ربنا انک جامع الناس اور پھر فرمایا یوم یجمع اللہ الرسل۔ جمع کے معنے لغت میں اکٹھا کرنے کے ہیں اور اس اسم کی توجیہ مختلف طریق پر کی گئی ہے

(ا) متماثلات کا جمع کرنا جیسے افراد انسانی کا روئے زمین پر بسانا اور انہیں قیامت کے دن میدان حشر میں اکٹھا کرنا۔

(ب) متباینات کا جمع کرنا جیسے افلاک۔ نجوم۔ ہوا۔ سمندر۔ حیوانات۔ نباتات۔ معادن وغیرہ کو ایک عالم میں جمع کرنا یا ہڈی۔ رگوں۔ پٹھوں۔ گوشت اور خون کو ایک بدن میں قائم کرنا۔

(ج) متضادات کو جمع کرنا مثلاً حرارت۔ برودت۔ رطوبت۔ یبوست کو ایک جا جمع کرنا اور یہ صورت

Marfat.com

بظاہر نہائت دشوار بلکہ انسانی طاقت سے خارج ہے یا متضاد خواہشات کے دلوں کو ایک غرض مشترکہ پر لے آنا کما قال وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ بہر صورت مذکورہ بالا سب توجیہات صحیح ہیں اور سب کی سب اسم جامع کے مفہوم میں داخل ہیں۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ حاصل ہوتا ہے کہ ظواہر احکام شریعت کے ساتھ حقائق و معارف طریقت کو بھی جمع کر لیتا ہے۔

حضرات مشائخ لکھتے ہیں کہ جامع وہ ذات مقدس ہے جو اپنے اولیاء کے قلوب کو شہود عظمت کے مقام پر پہنچا دیتا ہے اور [illegible]

اَلْغَنِیُّ اَلْمُغْنِیُّ قال اللّٰہ تعالیٰ [illegible] جو وجود اپنی ذات یا کمال ذات میں کسی طور پر بھی غیر کی طرف محتاج ہو وہ ہرگز غنی نہیں ہو سکتا اور جب غنی نہیں تو اس کا مغنی ہونا ناممکن ہے چونکہ ذات باری واجب الوجود ہے اس لئے وہ کسی جہت سے اپنے سوا کا محتاج نہیں لہذا وہ غنی ہے اور چونکہ تمام موجودات اور کمالات کا فیضان اسکی طرف سے ہوتا ہے اسلئے وہ مغنی بھی ہے غیر اللہ کے حق میں یہ متصور نہیں کہ وہ بالکلیت احتیاج سے بری ہو جاوے ہاں عبد کامل کیلئے یہ ممکن ہے کہ [illegible] بجز ذات باری کے کوئی چیز نہ ہو اور اس لئے وہ ہر ایک چیز سے مستغنی ہو سکتا ہے مگر اللہ تعالے سے کبھی کوئی مستغنی نہیں ہو سکتا ایسی حالت میں انسان کو غنی کہہ سکتے ہیں قال اللّٰہ تعالیٰ وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ و عبد کامل کا بجز ذات باری کے ہر ایک چیز سے مستغنی ہونا ممکن ہے ورنہ اللہ تعالے کے غنی ہونے کے کچھ معنے نہیں۔

اَلْمَانِعُ منع کے معنے لغت میں روکنے کے ہیں اور مانع وہ ذات ہے جو [illegible] ہلاکت و نقصان پیدا کرنے والے اسباب کو [illegible]

[illegible]

[illegible]

کیطرف منسوب ہوتا ہے اور حفظ کا مفہوم محفوظ یا محروس کیطرف کیونکہ وہ مقصود بالمنع ہے اس لئے ہر ایک حفیظ دافع مانع ہوگا مگر ہر ایک مانع حافظ نہیں ہوسکتا۔

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت ایسے اسباب کا جو موجب نقصان دین یا ہلاک ایمان ہوں نگراں رہتا ہے۔

اَلضَّارُ النَّافِعُ یہ ہر دو صفات ذات باری کے کمالات میں داخل ہیں اور ان کا نفی کرنا اس کی ذات کے لئے موجب عیب ہے اور ان ہر دو کو اکٹھا بیان کرنا ضروری ہے جس طرح اسماء مُذِلّ و مُعِزّ کو

امام غزالی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ضار و نافع وہ ذات ہے جس سے خیر و شر اور نفع و ضرر صادر ہو اور یہ امر بجز ذات باری کے کسی مخلوق کو حاصل نہیں قال اللہ تعالیٰ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ. مگر جو امر قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ نفع و ضرر کے اسباب عالم کائنات میں مختلف ہیں مثلاً ملک. انسان. شیطان اور جمادات فلک. نجوم وغیرہ اور یہ سب اسباب بالواسطہ یا بلا واسطہ ذات باری کی طرف منسوب ہیں اور کوئی چیز ان میں سے بالاستقلال موثر نہیں چنانچہ زہر کی نسبت کبھی یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ بذاتہ مضر ہے اور طعام بنفسہ موجب سیری ہے بلکہ یہ تمام سلسلہ اسباب زمینی و آسمانی ظاہری و باطنی اس مالک الملک قادر مطلق کی تسخیر و اطاعت میں مضبوط و مستحکم ہے اور یہ ضبط و استحکام اس کی قدرت ازلی کا نتیجہ ہے مگر عام لوگ اس سلسلہ اسباب کو قدرت ازلی سے اسی طرح تعلق دیا کرتے ہیں جس طرح قلم کو کاتب سے یا اگر بادشاہ کسی کاتب کو کسی فرمان انعام یا عقوبت کے لکھنے کا حکم دے تو کوئی شخص یہ نہیں کہیگا کہ قلم اس انعام یا عقوبت کا حقیقی سبب ہے اور نہ کاتب کو بلکہ بادشاہ کی ذات پر پہنچکر عوام الناس رہ جائینگے مگر ایک صاحب بصیرت جو ارادۂ ازلی کو مظاہر کائنات میں مؤثر دیکھ رہا ہے وہ قلم اور کاتب اور بادشاہ کو ذات باری عز اسمہ کے ارادہ و قدرت کی تسخیر و اطاعت

وابستہ دیکھتا ہے کیونکہ یہ درمیانی وسائط بطور قانون[1] طبعی کے سب اسی ذات کی مخلوق و مقہور ہیں اس تقریر سے صاف معلوم ہوگیا کہ حقیقی طور پر ضار اور نافع وہی ذات حقیقی ہے۔

ذات باری کا ضار و نافع ہونا دینی و دنیوی حالات میں یکساں طور پر جاری ہے۔ مثلاً ہدایت و ضلالت اور غنا و فقر اور صحت و مرض وغیرہ کے اسباب برابر بظاہر عالم میں عمل کر رہے ہیں چنانچہ اہل بصیرت کو خوب معلوم ہے کہ یہ اسباب تمامہا ارادہ ذات باری کے ماتحت جاری ہیں پس صحیح الایمان آدمی ہمیشہ حوادث کو براہ راست ذات باری کیطرف منسوب کرتا ہے اور وسائط کو نظر انداز کر دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایسا شخص کبھی نزول حوادث پر جزع و فزع نہیں کرتا برخلاف جاہل اور بد اعتقاد آدمی کے کہ وہ اسباب کو علت موثرہ سمجھ کر رجوع الی اللہ نہیں کرتا

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ اعداء اللہ کے حق میں ضار اور اولیاء اللہ کے حق میں نافع ثابت ہوتا ہے قال اللہ تعالی اذلة علی المومنین اعزة علی الکافرین اور پھر فرمایا اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ مگر ایسے عبد کامل کا شدت بحق کفار اور رحمت بحق ابرار برتنا محض اللہ تعالےٰ کی رضا پر مبنی ہوتا ہے نہ اکی خواہش نفس پر اور نیز ایسا شخص نہ تو اللہ تعالےٰ کے سوا کسی غیر سے ڈرتا ہے اور نہ کسی سے امیدوار ہوتا ہے بلکہ ہر حالت میں اسکا اعتماد صرف اللہ تعالی پر ہوتا ہے بعض آثار میں وارد ہوا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالےٰ نے لوح محفوظ میں یہ کلمات لکھے تھے اِنَّا اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا مَنْ لَّمْ یَسْتَسْلِمْ لِقَضَائِیْ وَلَمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَائِیْ وَلَمْ یَشْکُرْ لِنَعْمَائِیْ فَلْیَطْلُبْ رَبًّا سِوَائِیْ یعنی میں خدائے وحدہ لاشریک ہوں جو شخص میرے حکم ازلی کی اطاعت نہیں کرنا چاہتا اور میری بھیجی ہوئی مصیبت پر صابر نہیں ہوتا اور میری دی ہوئی نعمت کا شکر نہیں کرتا اسے چاہیے کہ مجھے چھوڑ کر کسی اور کو اپنا پروردگار بنالے۔

---

[1] لفظ قانون طبعی سے اس امر لطیف اشارہ مقصود ہے کہ جب کاتب اور قدرت کتابت اور ارادہ کتابت اور عزم صادق مجتمع ہو جائیں ارادہ ازلی دربارہ کتابت جاری ہو چکا ہو تو کچھ شک نہیں کہ فعل کتابت واقع ہو کر رہیگا ۱۲ منہ

بعض آثار میں وارد ہوا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں درد دندان کی شکایت
کی حکم ہوا کہ فلاں بوٹی کا استعمال کرو چنانچہ آپ نے اس بوٹی کو استعمال کیا اور درد فی الفور
بند ہو گیا پھر کچھ مدت کے بعد دوبارہ درد نے عود کیا اور آپ نے اس بوٹی کا استعمال کیا مگر درد نہ گیا
آپ نے جناب رب العالمین میں عرض کیا کہ خدایا تو نے مجھے فلاں بوٹی کے استعمال کا حکم دیا تھا
مگر درد بند نہیں ہوا جواب ملا کہ شفاء عافیت اور ضرر و نفع ہمارے ہاتھ میں ہے کوئی چیز ہمارے
حکم کے بغیر نہ ضرر دے سکتی ہے نہ نفع پہلی دفعہ تم نے ہماری طرف رجوع کیا تھا ہم نے تمہاری
تکلیف کو دفع کر دیا دوسری دفعہ تم نے بوٹی کو ازالہ مرض کا سبب سمجھا ہم نے تمہیں چھوڑ دیا

حضرات مشائخ کرام لکھتے ہیں کہ ضار وہ ذات ہے جو کفار اور اشرار کو ارادہ ازلی کے مطابق ضرر
پہنچائے اور ابرار کو مشیت ازلی کے مطابق نفع پہنچائے بعض لکھتے ہیں کہ ضار وہ ذات ہے
جو اہل عصیان کو محروم رکھے اور نافع وہ ذات ہے جو اہل طاعت کو درجات عالی پر پہنچائے۔
ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ [illegible] ضار [illegible] نافع [illegible] قضا کے
اختیار اور [illegible] اور زوال بلا پر ترقی محبت۔

النور۔ قال اللہ تعالیٰ اللہ نور السموات والارض [illegible] اس کیفیت مراد
ہے جو ظلمت کے مقابل ہے مگر اس معنے کے رو سے ذات باری پر اس اسم کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ
کیفیت حادث ہے جو موجود ہو کر زائل ہو جاتی ہے اور ذات باری حدوث سے بری ہے نیز یہ
کیفیت قائم بالجسم ہوتی ہے اور قیام بالغیر منافی وجوب ہے اور ذات باری واجب الوجود ہے
نیز کیفیت بالنسبۃ الی الظلمۃ ایک امر اضافی ہے اور ذات باری اضافت سے پاک ہے
مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں حضرات مفسرین نے مختلف اقوال قلمبند کئے ہیں مثلاً اللہ
[illegible] جس پر تمام اشیاء مخفیہ ظاہر ہوں اور خفا فی الحقیقت عدم کا نام ہے اور ظہور وجود کو
بولتے ہیں اور ذات باری موجود ہے جس پر عدم کا طاری ہونا محال ہے اور چونکہ ذات باری تمام موجودات
کی خالق ہے اسلئے وہی ہر ایک شئے کا ظاہر کنندہ ہے لہٰذا نور الانوار ہے

Marfat.com

ب) نور سے مراد منور روشن کنندہ ہے،

ج) لفظ نور سے بعض اوقات ایسے سبب سے مراد لیا کرتے ہیں جو نظم مصالح اور اصلاح امور کا باعث ہو چنانچہ یوں کہہ سکتے ہیں فلان نور البلدۃ یعنی اسکی ذات سے انتظام مصالح وابستہ ہے اسلئے اللہ نور السموات والارض کے یہ معنے ہوئے کہ اللہ تعالےٰ سلسلۂ انتظام کائنات کا قائم رکھنے والا ہے

لیکن اس اسم کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ نور وجود کا مترادف ہے جو مستلزم ظہور ہے اور وجود تمام اشیاء کا ذات باری سے ظاہر ہوا جس طرح نور آفتاب کا ایک ذرہ وجود آفتاب پر دلیل ہے اسی طرح ایک ایک ذرہ کائنات کا اپنے موجد حقیقی کے وجود کا شاہد ہے

انسان کامل کو اس اسم سے یہ بہرہ ہوتا ہے کہ اس کو معرفت الٰہی کا مقام حاصل ہو جاتا ہے اور یہ معرفت ایک نور ہے جو قلب مومن میں پیدا ہوتا ہے ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ نور وہ ذات ہے جو اہل صدق کے قلوب کو نور توحید سے اور اہل محبت کے باطن کو تابیداز لی سے بھر دیتا ہے اور بعض لکھتے ہیں کہ نور وہ ذات ہے جو قلوب عارفین کو نور معرفت سے اور نفوس عابدین کو نور عبادت سے زندہ کرتی ہے۔

| الہادی | قال اللہ تعالیٰ لہادی الذین آمنوا اسم ہادی مشتق ہے مصدر ہدایت سے جس کے معنے رہنمائی کے ہیں اور ہدایت کی تعریف دو طرح کی گئی ہے۔ (۱) کسی کو راستہ دکھلا دینا (ب) کسی کو مطلوب تک پہنچا دینا اور قرآن مجید میں یہ دونوں معنے استعمال کئے گئے ذات باری کا ہادی ہونا مختلف طریق پر اعتبار کیا جا سکتا ہے مثلاً وہ اپنے بندوں کو اپنی معرفت اور نور توحید سے خصوصیت بخشتا ہے کما قال وھدیناھم الیٰ صراط مستقیم نیز ہر ایک مخلوق کو ایک نظامت لائقہ پر پیدا کر کے اس کو جلب منفعت اور دفع مضرت کی ہدایت کرتا کما قال ربنا الذی اعطی کل شیء خلقہ ثم ھدیٰ معنے اسم ہادی ۔ ہادی حق

کہ وہ اپنے کلام سے جو انبیاء پر نازل فرماتا ہے بندوں پر طریق حق واضح کرتا ہے اور دلائل حقہ پر آگاہ کرتا ہے۔

نوع انسانی میں سے وہ لوگ ہادی ہو سکتے ہیں جو عوام الناس کو سعادت اخروی کیطرف دعوت کریں اور انہیں صراط مستقیم پر چلائیں اور وہ بزرگ گروہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ہے اور انکے بعد علمائے راسخون فی العلم کا جو ورثۃ الانبیاء کہلاتے ہیں اور درحقیقت اس صورت میں بھی ذات باری ہی ہادی ہے کیونکہ انبیاء و علماء بھی اللہ تعالےٰ کے حکم وارادہ کے زیر تسخیر ہوتے ہیں۔

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ ہادی وہ ذات ہے جو قلوب کو اپنی معرفت اور نفوس کو اپنی طاعت کی راہ دکھائے اور بعض لکھتے ہیں کہ ہادی وہ ذات ہے جو اہل معصیت کو توبہ اور اہل معرفت کو حقیقت قرب کی ہدایت کرتا ہے۔

اَلْبَدِیْعُ قال اللہ تعالیٰ، بدیع السّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس اسم کی تفسیر دو طرح پہ کی گئی ہے اول تو یہ کہ بدیع وہ ذات ہے جس کی نظیر یا مثل موجود نہ ہو چنانچہ کسی عدیم النظیر چیز کی نسبت بولدیا کرتے ہیں ھذا الشئی بدیع سو جب کسی ممکن چیز کی نسبت اسکا اطلاق کیا جاسکتا ہے تو ذات باری کی نسبت بدرجہ اولی اسکا اطلاق ہو سکتا ہے کیونکہ ازل سے ابد تک اسکی نظیر یا شبیہ کا وجود ممتنع ہے دوم یہ کہ بدیع بمعنے مُبدِع ہے یعنی فعیل بمعنی مُفعِل مگر مُبدِع فعل ثلاثی کی تصریف اہل زبان کے ہاں مستعمل نہیں ہوئی اسصورت میں بدیع وہ ذات ہو گی جو مخلوقات کو ابتداءً بلا سابقہ مثال کی تقلید کے پیدا کرے۔ کوئی توجیہ ہو یہ اسم مطلقاً بجز ذات باری کے کسی مخلوق پر اطلاق نہیں کیا جاسکتا ہاں عبد کامل جو صفات نبوت و ولایت یا علم میں کسی خصوصیت کے لحاظ سے بے نظیر ہو وہ مجازاً اس اسم کا مصداق ہو سکتا ہے خواہ اسکا بے نظیر ہونا جمیع ازمنہ ثلاثہ میں ہو یا صرف اسکے اپنے زمانہ میں۔ بعض محققین نے لکھا ہے کہ بدیع وہ ذات ہے جو عجائب صنعت اور غرائب حکمت کو ظاہر کر سکے۔

Marfat.com

اَلْبَاقِیْ قال اللہ تعالیٰ واللہ خیرٌ وابقیٰ ذات باری واجب الوجود ہے اسلئے اس کا وجود ازلی وابدی ہے جب اسکے وجود کو ازل کیطرف نسبت کرتے ہیں تو قدیم اور جب ابد کیطرف منسوب کریں تو اسے باقی کہتے ہیں اور واجب الوجود ہر دو جہت نسبت پر حاوی ہے اس نسبت ماضی و مستقبل سے یہ قیاس نہ کرنا چاہیئے کہ ذات باری پر زمانہ کا جریان ہو سکتا ہے کیونکہ زمانہ صرف حادث شے پر جاری ہوتا ہے جس پر تغیر و انقلاب کا عارض ہونا ممکن ہے اور ذات باری تغیر و انقلاب سے بری ہے بلکہ وہ قبل از زمان اور بعد از زمان یکساں حالت پر قائم ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ بقاء ذات باری اسکی ذات سے کوئی زائد وصف نہیں ہے جو اسکی ذات کے ساتھ قائم ہو کیونکہ اس صورت میں دور و تسلسل لازم آتے ہیں جو باطل ہیں۔

بعض محققین نے لکھا ہے کہ باقی وہ ذات ہے جو اول بلا ابتدا اور آخر بلا انتہا ہو محقق نصر آبادی لکھتے ہیں کہ ذات حق اپنی ذاتی بقاء کے ساتھ اور جمیع مخلوقات اسکے فیض بقاء کیساتھ قائم ہے۔ انسان کامل جب لوازم بشریت سے علحدہ ہو کر منازل سلوک کو پورا کر لیتا ہے تو وہ بقائے دوام کا رتبہ پا لیتا ہے اور حیوٰۃ طیبۃ کا مالک ہو جاتا ہے اس صورت میں اسکے ہیکل عنصری کے ساتھ موجود رہنے اور اس کو ترک کر دینے میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔ قال اللہ تعالیٰ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً

اَلْوَارِثُ قال اللہ تعالیٰ وہو خیر الوارثین اور پھر فرمایا ونحن الوارثون اہل بصیرت جو حقیقت توحید سے آگاہ ہیں وہ دیکھتے ہیں کہ ملک و ملکوت کا ایک ایک ذرہ اس وحدہ لاشریک کے قبضہ قدرت میں قائم ہے اور ایک لحظہ بھر کیلئے اسکے اقتدار تصرف سے خارج نہیں ہو سکتا ہاں اس نے انتظام عالم کے قائم رکھنے کیلئے محض اپنے فضل و کرم سے عارضی طور پر اپنے بندوں کو بعض اشیاء کا مالک بنا رکھا ہے مگر جب وعدہ ازلی کے مطابق سلسلہ عالم کا خاتمہ ہو جائیگا اور عارضی مالک و مملوک کا سلسلہ منقطع ہو جائیگا تو حقیقت توحید کے اثبات و اظہار کیلئے وہی مالک حقیقی ندا کریگا لمن الملک الیوم چونکہ بجز اسکی ذات کے تمام نسبتیں

مالکیت و مملوکیت کی منقطع ہو جائیں گی خود ہی جواب دینگے لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَہَّارِ امام غزالی لکھتے ہیں کہ ذات باری کا یہ سوال وجواب کی حقیقت اہل توحید پر آج ہی منکشف ہے کیونکہ وہ عالم کو وصف فنا کے ساتھ متصف دیکھتے اور بقاء ذات باری اور اس کی حقیقتِ مالکیت کو اسی طرح مشاہدہ کر رہے ہیں جس طرح اہل ظاہر قیامت کے دن کھلم کھلا مشاہدہ کرینگے

حضرات مشائخ لکھتے ہیں کہ وارث وہ ذات ہے جو کسی دوسرے کیطرف سے صاحب وراثت نہ ہو بلکہ ذاتی طور پر صاحب تصرف واختیار ہو بعض لکھتے ہیں کہ وارث وہ ذات ہے۔ جسنے بے نیازی کا جامہ پہنا ہوا اور اپنی حقیقی وحدت میں یگانہ ہو۔

انسان کامل جب اسرار معرفت پر حاوی ہو جاتا ہے تو وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے علوم کا وارث بنجاتا ہے العلماء ورثۃ الانبیاء کے یہی صحیح معنے ہیں اور جب حضرات انبیاء علیہم السلام کے مدارج علوم پر ترقی کرتا ہے تو بحکم تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ وہ اسم وارث کا مظہر کامل بن جاتا ہے۔

اَلرَّشِیْدُ یہ اسم قرآن مجید میں وارد نہیں ہوا۔ رشد مصدر سے مشتق ہے جو غی و ضلالت کی ضد ہے اور جس کے معنے استقامت کے ہیں۔ اسکی توجیہ دو طرح پر ہو سکتی ہے اول تو یہ کہ رشید بمعنے راشد ہے جس کے معنے حکیم کے ہیں یعنی ایسی ذات جس کے افعال میں عبث وباطل کو دخل نہیں دوم فعیل بمعنی مُفْعِل یعنی رشید بمعنے مرشد اس صورت میں معنے یہ ہوں گے کہ رشید وہ ذات ہی جو ہر ایک مخلوق کو اس کی فطرت کے مطابق اس کی مصلحت کیطرف ہدایت کرے

امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ رشید وہ ذات ہے جس کی تدبیرات بلا کسی مشیر کے اور بغیر اعانت غیر ذات باری کے کسی کو حاصل نہیں بعض لکھتے ہیں کہ رشید وہ ذات ہے جس کو بے سعید یا شقی بنائے اور بعض لکھتے ہیں کہ رشید وہ ذات ہے جس کی تدبیر میں سہو اور [illegible] کو [illegible]

انسان کامل کا رشید ہونا اسی قدر زیادہ صحیح ہوگا جس قدر وہ اپنے دینی و دنیوی مقاصد میں عین مدائت پر کاربند ہو۔

اَلصَّبُوْرُ یہ اسم بھی قرآن مجید میں وارد نہیں ہوا صبر مصدر سے مشتق ہے جس کے معنے روکنے کے ہیں اور اس کا مفہوم قریب قریب اسم حلیم کے ہے مگر حلیم میں امن از عقوبت کا مفہوم زیادہ قوی ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ صبور وہ ذات ہے جو قبل از وقت فعل کے بجالانے میں جلدی کرے۔ بلکہ قانون ضروری کے مطابق ایسے وقت معلوم پر ملتوی رکھے۔ جو غفلت و کسل کی آمیزش سے بالکل پاک ہو۔ مگر یہ التوا ایسا نہ ہو جس کے ساتھ مخالف جانب کی کشمش بھی لگی ہو۔ کیونکہ یہ صورت انسانی صبر کی ہے جس میں داعیۂ نفس انسان کو جلد بازی پر ابھارتا ہے اور وہ نفس کا مقابلہ کرکے جانب مخالف سے باز رہتا ہے اور انسان اسوقت وصف صبر سے متصف ہوتا ہے جبکہ داعیۂ نفس کو مغلوب و مقہور کرسکے۔ مگر یہ بات بجز مجاہدۂ نفس کے حاصل نہیں ہوسکتی صبر کے مختلف مراتب ہیں ابتدا میں مقابلۂ نفس کرتے وقت سخت تکلیف ہوتی ہے مگر بتدریج یہ بات آسان ہو جاتی ہے۔

حضرات مشائخ لکھتے ہیں کہ صبور وہ ذات ہے جس کو بندہ کی کثرت معصیت کثرت عقوبت پر آمادہ نہ کرے اور بعض لکھتے ہیں کہ صبور وہ ذات ہے جو جفا کا مقابلہ عطا اور عصیان کا مقابلہ غفران کے ساتھ کرے۔

ابوبکر وراق رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اپنے اور بندوں کے درمیان صدق اور اپنے اور نفس کے درمیان صبر کیساتھ استقامت کرو اور اسی امر کو نجات اخروی کا مدار سمجھو۔ فقط

هذا آخر كلامنا في مبحث الاسماء

خاتمۃ الکتاب

واضح ہو کہ بعض اکابر مشائخ رضی اللہ عنہم کی زبان پر خاص خاص حالات میں ایسے کلمات بھی جاری ہوئے ہیں۔ جو بظاہر نصوص آیات واحادیث کے مخالف معلوم ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اکثر علماے اسلام نے بلا تاویل ایسے کلمات کہنے والے کی تکفیر کردی ہے۔ مگر بعض محتاط حضرات نے توسع اور استعارہ پر نظر کرکے ایسے کلمات کا کوئی محمل صحیح قرار دیا ہے اور تکفیر سے اجتناب کیا ہے۔ اور یہی مسلک اصوب و اسلم بھی ہے کیونکہ جب ہمیں قطعًا علم ہے کہ قائل متبع کتاب وسنت اور صحیح العقیدہ والعمل ہے۔ تو صرف ایک ایسے جملہ سے جس میں توسع واستعارہ کو بہت دخل ہے۔ ہم کیونکر تکفیر کرسکتے ہیں۔ جو اصحاب حضرات مشائخ کے کلام میں اشارات و تلمیحات اور تشبیہات واستعارات اور تمثیلات وکنایات کی حقیقت سے واقف ہیں۔ وہ یقینًا ایسے جملوں کو جو بظاہر مخالف شریعت معلوم ہوتے ہیں ہرگز موجب زندقہ والحاد قرار نہیں دیتے وجہ اس کی یہ ہے کہ سالک پر ہر ایک مقام ترقی میں ایسے معارف واسرار کا انکشاف ہوتا ہے۔ جو کسی پہلے نچلے مقام سے کہیں زیادہ دقیق وعمیق ہوتے ہیں اسلئے کوئی الفاظ ایسے نہیں جو ان حقائق کو اصلی صورت میں ظاہر کرسکیں لامحالہ ان کیفیات یا حقائق کے اظہار کے لئے مجازات وکنایات کی ضرورت پڑتی ہے اور بسا اوقات تشبیہ وتمثیل سے کام لیا جاتا ہے کوتاہ فہم اور ناقص الادراک لوگ ذوق معانی سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ حقیقت اصلیہ پر نہ آگاہ ہوکر حضرات مشائخ کے بارے میں زبان طعن کھول دیتے ہیں۔ مگر ناکسار مولف عرض کرتا ہے کہ بمقتضائے ع

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است
سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است

جب تک کوئی شخص خود صاحب مقام نہ ہو اسے نہ تو تصدیق کرنا چاہئے اور نہ تکذیب
نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم اپنی کتاب فتاوی دلیل الطالب کے ایک مقام
پر لکھتے ہیں کہ امام شوکانی نے اپنے ایک رسالہ میں حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن
عربی رحمہ اللہ کی تکفیر کر کے چالیس سال کے بعد رجوع کیا اور یہ لکھا کہ میں نے
فتوحات مکیہ میں غور کر کے شیخ اکبر کے کلام کا محمل صحیح بطریق تاویل سمجھ لیا اور اب
میں اپنی سابقہ تحریر سے توبہ کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ عبارت حسب ذیل ہے: اور کچھ شک
نہیں کہ معارف وحقائق کے لئے مدارج ہیں۔ جو ہر ایک نا اہل کی مجلس میں . .
قابل بیان نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ
خاص خاص معارف وحقائق کے بیان کرتے وقت بجز مسترشدین اہل مقام کے
دوسروں پر مکان کا دروازہ بند کر دیا کرتے کیونکہ نا اہل لوگ قصور فہم کی وجہ سے فی الفور
تکذیب وتکفیر پر آمادہ ہو جایا کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ بعض آثار میں وارد ہوا
ہے کلموا الناس علی قدر عقولہم یعنی لوگوں سے ان کے مراتب
عقول کو ملحوظ رکھ کے خطاب کیا کرو۔ جامع بخاری میں بروایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ
مروی ہے حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ
ورسولہ یعنی لوگوں سے وہ کلام کرو جس کو وہ سمجھ سکیں کیا تم پسند کرو گے کہ
لوگ اللہ تعالے اور اس کے رسول کی تکذیب کر دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ توحید ذات
باری اور مبدء ومعاد عالم اور عالم ملکوت اور حقیقت روح وغیرہ مسائل دقیقہ کے
متعلق عوام الناس میں ہرگز کوئی بحث نہیں کرنی چاہئے ورنہ بجائے فائدہ کے لوگوں کے
اعتقادات میں تزلزل اور فساد واقع ہوگا وجہ اس کی یہ ہے کہ لوگ ادبیات اور اوہام
اوہامات سے بالاتر حقائق کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں۔ چنانچہ تعلیم دینی میں تمثیلات
ہی سے کام لیا گیا ہے اگر تصریح ہوتی تو معیار عقائد کا قائم کرنا ممکن تھا جیسا کہ ابتدا

Marfat.com

تبری عن ابی ہریرہ راوی ہیں حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعائین فاما احدھما فبثثتہ واما الآخر فلو بثثتہ قطع ھذا البلعوم یعنی میں نے جناب رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے دو قسم کے علم کو ضبط کیا ہے ایک قسم کا اظہار تو میں نے کر دیا ہے اور دوسری قسم کا اگر اظہار کروں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے۔ اس کے متعلق بعض شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ دوسری قسم سے جو ناقابل اظہار ہے وہ احادیث مراد ہیں۔ جو ان اہل جور و ستم کے حالات اور اظہار اسمائے اور مذمت پر مشتمل تھیں جو حضور علیہ السلام کے بعد دین میں فتنہ و فساد کا موجب ہوتے رہے۔ مگر خاکسار مولف عرض کرتا ہے کہ یہ حضرات شارحین کا اپنا قیاس ہے۔ ورنہ صحیح یہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایسے معارف و حقائق کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جن کے اخذ کرنے سے عامۂ ناس کے افہام قاصر ہیں اور نیز خود امام بخاری کا اس حدیث کو کتاب العلم میں بیان کرنا مذکورہ بالا معارف و حقائق سے مراد لینے پر ایک پختہ قرینہ ہے ورنہ بلحاظ مناسبت مقام ضروری تھا کہ اس حدیث کو کتاب الفتن میں لکھتے۔ یہاں یہ خیال صحیح نہیں ہو سکتا کہ اگر ہم ظواہر احکام شریعت کے سوا معارف و حقائق باطن کا اقرار کریں۔ تو فرقہ باطنیہ کے مذہب کی تائید ہو گی کیونکہ باطنیہ کے عقائد ایسے باطن پر مبنی ہیں جو ظواہر شریعت کو باطل کرتے ہیں مگر وہ حضرات مشائخ جو کتاب و سنت کے بدوں ایک قدم چلنا بھی حرام جانتے ہیں اور مخالف شریعت کو [illegible] خدا اور رسول سمجھتے ہیں باطنیہ ملاحدہ کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ چنانچہ ابن [illegible] الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں قال المنیر جعل الباطنیۃ ھذا الحدیث ذریعۃ الی تصحیح باطلھم حیث اعتقدوا ان للشریعۃ باطنا و ظاھرا و ذالک الباطن انما حاصلہ الانحلال من الدین یعنی باطنیہ فرقے کے لوگوں نے اس حدیث سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ شریعت کا ایک ظاہر

اور ایک باطن۔ اور یہ باطن ایسا ہے جس سے شریعت کا تار و پود ہی اڑ جاتا ہے۔
اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایسا باطن جو منافیٔ ظاہر شریعت ہو کفر و الحاد ہے
مثلاً باطنیہ کا خیال ہے کہ نماز پنجگانہ سے ائمہ اہل بیت کے پانچ آدمی مراد ہیں اسی
طرح وہ تمام احکام کی حقیقت کو باطل کرتے ہیں سو معاذ اللہ کہ اکابر حضرات مشائخ
اس قسم کے الحاد کے قائل ہوں دیکھو ابن حجر کے لفظ و ذلک الباطن سے وہی
باطن مراد ہے جو منافی شریعت حقہ ہے نہ یہ کہ معارف و حقائق کا کوئی حصہ ایسا نہیں
ہو سکتا جو حضرات مشائخ کو بمقام مکاشفہ و مشاہدہ میں حاصل ہوتا ہے غور کرنے سے معلوم
ہوگا کہ معارف و اسرار توحید کی اصلیت کا انکار کرنا منشاء شریعت کے منافی ہے
کیونکہ حقیقت توحید کے مختلف مقامات ہیں اور انہیں میں عارف کو سیر حاصل ہوتی
ہے بھلا باطنیہ ملاحدہ کو اس نعمت بیش بہاء سے کیا تعلق؟ صاحب کتاب نور الابصار
فی مناقب آل بیت النبی المختار شیخ عبد الجواد شربینی کی کتاب در الاصداف فی
مناقب الاشراف سے نقل کرتے ہیں۔ کان علی بن الحسین عاملاً علی کتمان
اسرار اللہ تعالیٰ فی العالم کما اشار الی ذلک فی قوله رضی اللہ عنہ ؎

یا رُبَّ جوهرِ علمٍ لو اَبُوحُ بِهٖ	لَقِيلَ لِيْ اَنْتَ مِمَّنْ يَعْبُدُ الوَثَنَا
وَلَاستَحَلَّ رِجَالٌ صَالِحُونَ دَمِيْ	يَرَوْنَ اَقْبَحَ مَا يَأْتُوْنَهٗ حَسَنَا

یعنی امام زین العابدین بن حسین رضی اللہ عنہما اسرار توحید کے اخفاء پر عامل رہے
چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ "ایسے بہت سے علوم ہیں کہ اگر میں ان کا اظہار کروں تو
لوگ مجھے مشرک (بت پرست) کہہ دیں اور حضرات علماء امت میرا خون جائز کھیں
اور بدترین سلوک کو میرے حق میں اچھا سمجھیں اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی
نسبت مروی ہے کہ آپ نے کمیل بن زیاد نخعی کو ایک خطاب میں یوں فرمایا تھا اَنَّ
ھٰھُنَا لَعِلْمًا جَمًّا (واشار الی صدرہ) لو اصبتُ له حملةً یعنی سنو! کہ یہاں

Marfat.com

(میرے سینہ) میں بے پایاں علم ہے کاش! میں کسی کو اس کا اہل پاتا۔ کیا اس علم سے احکام فقہ مراد ہیں؟ ہرگز نہیں کیونکہ حضرات صحابہ میں اس علم کے ماہر ہزاروں موجود تھے۔ اور کیا کوئی دوسرے علوم دنیویہ مراد ہیں؟ ہرگز نہیں کیونکہ یہ علوم بھی آپ سے مخصوص نہ تھے اس سے معلوم ہوا کہ ان علوم سے اسرار توحید مراد ہیں نہ کچھ اور۔

دیکھو علم مترادف یقین ہے اور قرآن مجید میں یقین کے مدارج مذکور ہیں وہ مدارج بہ ترتیب علم الیقین عین الیقین حق الیقین کے الفاظ سے ظاہر کئے گئے ہیں ایسا کون بیوقوف ہے جو ان ہر سہ مراتب یقین میں امتیاز نہ کر کے علوم خداداد کا انکار کردے اور یہ کہدے کہ بجز ان علوم شرعیہ کے جو ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں کوئی اور علوم دائرہ شریعت میں داخل نہیں۔ یقین ایک کیفیت باطنی کا نام ہے پس از روئے قرآن مجید ثابت ہو گیا کہ علوم شرعیہ کی دو صورتیں ہیں اول وہ جو ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں اور دوم جو باطن سے متعلق ہیں۔ اور ان ہر دو میں لازم و ملزوم کا تعلق ہے یعنی علوم شرعیہ جو ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں ملزوم ہیں اور علوم باطنیہ لازم۔ اگر ملزوم کا وجود نہ ہو تو لازم خود معدوم ہوگا۔ اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ بدوں پابندی احکام شرعیہ کوئی شخص معارف و حقائق کا مالک نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر مشائخ رضی اللہ عنہم بالاتفاق اس امر کے قائل ہوئے ہیں کہ جو باطن منافی ظاہر شریعت ہے وہ زندقہ و الحاد ہے اور جو طریق سلوک کتاب و سنت سے وابستہ نہیں۔ وہ شیطان کا طریق ہے اور اس خیال کی تمام اکابر سلف نے امت مرحومہ تک تبلیغ کر دی ہے اس لئے اگر کوئی شخص علوم باطن کا انکار کرے تو وہ جاہل و مغرور ہے اور جو شخص ظاہر شریعت کا انکار کر کے باطن کا مدعی ہو وہ ملحد و زندیق ہے ہمیں اس موضوع پر بحث کرنے کی ضرورت دائمی نہ تھی

اگر ہم اس زمانہ میں ایسے لوگوں کو نہ دیکھتے جو یا تو سلسلۂ باطن کے منکر ہیں اور اس سلسلہ
حضرات مشائخ کی نسبت سوءِ ظن رکھ کر حصول سعادت سے محروم رہتے ہیں یا ایسے لوگ
ہیں۔ جو ظاہر شریعت کی پابندی سے دست بردار ہو کر مدعیانِ معرفت ہیں اور درحقیقت
ہر دو گروہ باطل پرست ہیں۔ اور اہل حق صرف وہ ہیں جو پابندی کتاب وسنت مقام
مکاشفہ ومشاہدہ تک ترقی کرتے ہیں جہاں تک ہمیں معلوم ہوا ہے وجہ انکار بجز
جہالت کے اور کچھ نہیں غلط فہمی سے ان لوگوں کو جو علوم شرعیہ رسمیہ کو پڑھ کر مناظرہ
ومجادلہ پر کمربستہ رہتے ہیں معارف واسرار باطن کا مالک بھی تسلیم کر لیا جاتا ہے اور
اہل باطن کو بخیال باطل مخالفان شریعت تصور کیا جاتا ہے اگرچہ وہ کتاب وسنت
سے سرمو مخالفت کو بھی حرام جانتے ہوں۔ مگر چند ایک احادیث کی بناء پر جن کی توجیہ
صحیح سے یہ منکرین بے بہرہ ہوتے ہیں۔ ایسے حضرات کے فیض صحبت سے مستفیض
نہیں ہوتے اور مقولہ لکلِّ فنٍّ رجال پر غور نہیں کرتے خضر و موسیٰ کا واقعہ اثبات باطن کافی دلیل ہے
اکثر حضرات مشائخ کرام کے بعض اقوال پر بھی نکتہ چینی کی جاتی ہے اور کوئی زمانہ
ایسا نہیں گذرا کہ اکابر ارباب معرفت اہل رسم اور الفاظ پرست لوگوں کے مطاعن
سے محفوظ رہے ہوں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ چونکہ ولایت کبریٰ مستلزم
جمیع کمالات حقہ ہے کیونکہ اس کے انوار مشکوٰۃ نبوت سے اقتباس کئے جاتے
ہیں۔ اس لئے یہ حضرات محجوبانِ ظاہر بیں کے انکار و تشنیع کا مورد اسی اتباع نبوت
میں بنا کرتے ہیں۔ اور متحمل بھی ہوتے ہیں لہٰذا صحیح طور پر یہی فرقہ عالیہ بارگاہ رب
العزت میں عزت وکرامت کے تاج اور ظاہری و باطنی کمالات کے [illegible]
خلعت سے سرفراز ہوتا ہے۔ جو سعادتمند ان کے دامانِ نسبت سے وابستہ ہوگئے
منزل مقصود کو پہنچ گئے اور جو خود پرست الفاظ کے جوڑ توڑ میں غلطان پیچان رہ کر
سوءِ ظن کے مقام میں پڑے رہے محروم رہ گئے یہ الٰہی داد ہے کسی کے باوا کی جاگیر

نہیں۔ اور نہ تو وہ در تودہ کتب رسمیہ کے علم پر موقوف ہے اور نہ یہاں بحث و جدل کا کام ہے بلکہ اول قدم اس دشوار گذار راستہ میں وہی اٹھا سکتا ہے جو بحث و جدل کو بالائے طاق رکھ کر حسنِ ارادت کے مرکب راہوار پر سوار ہو ؎

ایں نعمتِ بیدلی بہر دل ندہند ویں نزُلِ بختگان منزل ندہند
در عالمِ عشق آنچہ بے عقلاں راست یک ذرہ بصد ہزار عاقل ندہند

ہاں یہ ضروری ہے کہ طالب ایسے لوگوں کے دامِ تزویر سے ہوشیار رہے۔ جو لباس سنت اور پیرایۂ شریعت سے عاری ہوں اور جن کے عقائد سلف صالحین کے عقائد کے ساتھ مطابق نہ ہوں۔ کیونکہ ہمارے زمانہ ناہنجار میں بہت سے ہوسناک ایسے نکل آئے ہیں۔ جو بڑے بڑے دعاوی کے ساتھ عوام الناس کو راہ راست سے گمراہ کر رہے ہیں۔ اور سلف صالحین کے طریق سے جن سے بڑھ کر کوئی شخص متبع سنت نہیں ہو سکتا۔ کوسوں دور جا پڑے ہیں اس لئے میں اس رسالہ کے ناظرین کو وصیت کرتا ہوں۔ کہ وہ رجوع الی اللہ کرنے سے پہلے اس ضروری امر کا فیصلہ کر لیں کہ وہ طریق شغل و ذکر جس کے بغیر سلوک کے منازل طے نہیں ہو سکتے کس شخص سے حاصل کر سکیں گے؟ ظواہر احکام شرعیہ کی پابندی میں جو شخص حضرات ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کے طریق اجتہاد سے باہر ہو۔ اور خود آیات و احادیث سے برخلاف ائمہ مجتہدین کے استنباط کرنے کا مدعی ہو اور قرآن و سنت کے بعد جان لینا چاہئے کہ اس کی صحبت زہر ہلاہل سے کم مضر نہیں ہوگی کیونکہ مشیت ایزدی کے مطابق جب تک دین میں فتنہ و فساد کا دروازہ نہیں کھلا تھا لوگوں کو بوجہ متانت حق پسندی و سلامت روی کے کسی خاص معیار اجتہاد کی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے طالب حق کو اکتساب احکام فقہیہ کے لئے کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی۔ مگر جب اسلام میں فتنہ و فساد کو دخل ہونے لگا اور عقائد

واحکام کی صورت بدلنے لگی۔ تو احادیث نبویہ کی تدوین اور احکام فقہیہ کی ترتیب
کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ حضرات اکابرین کی مساعی جمیلہ سے [illegible]
فقہ کی تدوین و ترتیب مکمل ہو گئی۔ اور مسلک شریعت متعین ہو گیا۔ اور تمام مسائل
شرعیہ اجتہادات حضرات ائمہ اربعہ کے دائرہ میں محدود ہو گئے اور طالبان حق
کے لئے سہولت پیدا ہو گئی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج تک فقہ اسلامی [illegible]
وسعت ہرگز محفوظ نہ رہ سکتی۔ زمانۂ انقطاع اجتہاد کے بعد کوئی محدث کوئی فقیہ
کوئی شیخ کامل کوئی محقق علوم دینیہ ایسا نہیں گذرا جس نے حضرات ائمہ اربعہ
جزاہم اللہ جزاءً موفوراً کے طریق اجتہاد کا اتباع نہ کیا ہو۔ اب اگر کوئی بوالہوس مجتہد
بن کر اس کا انکار کرنے لگے تو بجز اس کے کہ وہ اپنی شقاوت کا اظہار کرے اور
کیا سمجھا جائے گا۔ ایسے لوگوں کی بات کو ایک آن کے لئے بھی نہیں سننا چاہئے۔

اب رہا مقامات سلوک کو ارباب سلوک سے حاصل کرنا سو اس کے
متعلق یوں سمجھنا چاہئے کہ جب تک طریق ذکر مطابق کتاب و سنت [illegible]
اہل تقوی سے حاصل نہ کیا جائے مقامات کا طے کرنا ممکن نہیں اور [illegible]
بجز متبعین حضرات مشائخ کرام کے صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں۔ جو خود پایۂ اجتہاد
رکھتے ہوں۔ اس لئے ممکن ہے کہ کوئی صاحب سعادت ایسا بھی نکل آئے جو
پایۂ اجتہاد رکھنے کے علاوہ صاحب مقام بھی ہو اور اسے کسی صاحب مقام سے
نسبت حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہو اور ویسی نسبت کے ساتھ جناب رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کے دامان محبت سے وابستہ ہو۔ مگر ایسے لوگوں کا [illegible]
سمجھا گیا ہے۔ اس لئے اسلم طریق یہ ہے کہ کسی ایسے عارف صاحب کمال کی
تلاش کی جائے جس نے خود کسی طریق معروف اہل السنۃ والجماعۃ کے مطابق
مقام استقامت حاصل کیا ہو۔ جس کی شناخت یوں ہو سکتی ہے کہ وہ [illegible]

Marfat.com

[illegible] قدم [illegible] کئے اور رجوع [illegible] ہو اور لوگوں سے نزدیک [illegible] اور اگر کوئی شخص بطریق سنت ہدایا و تحفہ پیش کرے تو [illegible] اور مجالس اہل دنیا میں بجز کسی نیت شرعی [illegible] اس کی مجلس میں ہرگز نہ کیا جائے [illegible] اگر ایسا شخص مل جائے تو اسے غنیمت سمجھنا چاہئے مگر حق یہ ہے کہ ایسے اصحاب کبریت احمر کا حکم رکھتے ہیں [illegible] سے کثرت نوافل و اذکار مسنونہ کو لازم پکڑنا [illegible] کیونکہ پابندی سنت [illegible] کے قلب کو نورانی [illegible] مجاہدت و ریاضت کی ضرورت [illegible]

واضح ہو کہ سالک کو مقامات توحید کے طے کرنے میں بعض اوقات ایسے حالات پیش آجاتے ہیں جن میں وہ شعور خارجی سے بالکل بے خبر ہو جاتا ہے بلکہ اس سے آگے ایک مقام ایسا بھی پیش آتا ہے جس میں اس کو اپنی ذات کا شعور بھی نہیں رہتا حتی کہ وہ عدم شعور کے شعور سے بھی بے بہرہ ہو جاتا ہے ایسے [illegible] جبروت اس پر غالب آکر اس کے آثار بشریت کو مضمحل [illegible] اور تمام سر بندہ حق میں جمعیت کلی سے متصف ہو جاتا ہے تو ایسا [illegible] ہونے لگتے ہیں جو عوام الناس کے دلوں [illegible] اگر ایسے حضرات [illegible] ہوا تو [illegible] [illegible] کی یہ ہے کہ عبد [illegible] وہ عبد ہی رہتا ہے کیونکہ ذات ممکن

Marfat.com

کبھی واجب نہیں ہو سکتی [illegible]
مثال یوں سمجھو کہ لوہا آگ [illegible]
سکتا ہے کہ اس میں آگ ہی ہے کیونکہ خواص لون و حرارت وغیرہ [illegible]
ہیں مگر وہ کبھی آگ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح عبد کامل کے لئے [illegible]
باری کا حصول محال عقلی ہے ہاں ان صفات کے مناسب [illegible]
ہو سکتے ہیں جن پر صرف بطور اشتراک اسمی وہی الفاظ [illegible]
ذات باری پر مگر ان ہر دو یعنی صفات ذات باری اور صفات [illegible] کی حقیقت ایک
نہیں ہوتی بلکہ ان میں ہر ایک بہت سے امتیاز کلی ہوتا ہے کیونکہ صفات [illegible]
اور ذاتی اور کامل اور صفات عبد حادث اور معلول [illegible]
مظہر ہو کر آثار صفات کا متحمل ہو سکتا ہے مگر وہ عین صفات باری کا حصول [illegible]
ہے کیونکہ واجب و ممکن کا ایک ہونا یا واجب کا ممکن [illegible]
واجب کا منتقل ہو کر عبد کے صفات قرار پانا بروئے دلائل [illegible]
لئے معلوم ہوا کہ جو کلمات بعض اکابر کی زبان پر [illegible]
ہیں ان کی توجیہ صحیح یہ ہو سکتی ہے کہ وہ حضرات ان کلمات کو بحیثیت ذات باری
سے ناقل ہونے کے زبان پر لاتے ہیں [illegible]
کوئی بات متصور نہیں ہو سکتی کہ محب [illegible] کلمات [illegible]
سے چنانچہ [illegible]
بھی ہو سکتی ہے کیونکہ کسی شخص کی نسبت یہ گمان بھی صحیح نہ [illegible]
وہ بحالت صحت عقل و حواس اپنے تئیں خدائے خالق السموات والارض سمجھنے
لگ جائے چنانچہ ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ کی نسبت مروی ہے کہ آپ جب مشغول
ہوتے [illegible]

Marfat.com

اپنے مستر شدین کو کہا کرتے کہ تم لوگوں نے کیوں مجھے نہیں روکا؟ اور بعض اکابر نے ایسے کلمات کی یہ توجیہ بھی کی ہے کہ عارف کامل جب عین شہود کے ساتھ اپنا مقام امکانی تو نیچے محسوس ہونے سے بالاتر دیکھ پاتا ہے تو بحالت غلبۂ سکر اپنے تقدس کا اظہار کرتا ہے مگر وہ یہ پاتا ہے کہ تقدس ذات باری نہیں اس سے بھی بالاتر ہے جس کے ساتھ اسے کچھ نسبت نہیں ہو سکتی۔ بہر صورت ایسے کلمات مجاز کیطرف لائے جا سکتے ہیں۔ مگر ان کا حقیقت پر محمول کرنا کفر صریح ہے کیونکہ بصورت حقیقت اس عقیدہ اور نصاریٰ کے عقیدہ الوہیت مسیح میں کچھ فرق نہیں رہتا۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ قلب عارف جب ہر ایک غیر اللہ سے فارغ ہو جاتا ہے تو وہ انوار الٰہیہ سے منور ہو کر انوار کا حکم حاصل کر لیتا ہے جیسے آگ اور لوہے کی مثال میں اوپر بیان ہوا۔ مگر وہ ہر دو ایک نہیں ہو سکتے۔ دیکھو ایک شاعر اس کو محسوسات خارجیہ میں کیونکر ادا کرتا ہے؟ ؎ [1]

رَقَّ الزُّجَاجُ وَرَقَّتِ الْخَمْرُ	فَتَشَابَهَا فَتَشَاكَلَ الْاَمْرُ
فَكَاَنَّمَا خَمْرٌ وَلَا قَدَحٌ	وَكَاَنَّمَا قَدَحٌ وَلَا خَمْرُ

جیسا مادیات میں یہ تشابہ مروج ہے تو روحانیات جن میں تمام تر تناسب ہے وہ بطریق اولیٰ اس تشابہ کے مستحق ہیں۔ مگر اس تشابہ سے ہر دو کا متحد ہونا لازم نہیں آ سکتا۔

پس جب حضرات اکابر کے کلام میں اس قسم کا کوئی جملہ پایا جائے تو اس کو اسی قسم کے مجاز و استعارہ پر محمول کر کے توجیہ صحیح پیدا کر لی جائے اور ظن فاسد سے برکنار رہنا اصوب و اسلم ہے۔ اس بحث کو

[1] نور کا پیالہ اور شراب ہر دو ایسے لطیف و نازک ہیں کہ ہر دو میں بوجہ تمامت مشابہت امتیاز جاتا رہا سمجھ میں نہیں آتا کہ شراب ہے اور پیالہ کوئی چیز نہیں یا پیالہ ہے شراب کوئی چیز نہیں ۱۲ منہ

Marfat.com

امام غزالی رحمہ اللہ نے مقصد اسنیٰ میں اور شیخ ابن تیمیہ نے الجواب الصحیح کی دوسری جلد میں قلمبند کیا ہے۔ شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ اس قسم کی مجازات بعض آیات قرآنیہ و کلام انبیاء میں بھی واقع ہوئے ہیں مثلاً اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یا مسیح علیہ السلام کا قول من رآنی فقد رای ابی یا حدیث من رآنی فقد رای الحق وغیر ذلک۔ بعض اہل معرفت کے کلام میں بھی یہ طریق بیان پایا جاتا ہے مثلاً ؎

ساکن[1] فی القلب یعمرہ　　لست انساہ فاذکرہ

ایک اور عارف کا کلام ہے ؎

اذا سکن الغدیر علی صفاءٍ	وجُنِّبَ اَنْ یُحَرِّکَہُ النَّسِیْمُ
بدت فیہ السَّماءُ بلا امتراءٍ	کذاک الشمس تبدو والنجوم
کذاک[2] قلوب ارباب التجلّی	یُرٰی فی صفوھا اللہ العظیمُ

کسی اور کا کلام ہے ع

انا من اھوی ومن اھوی انا

جس کا فارسی ترجمہ یہ ہے ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

---

[1] یعنی محبوب میرے قلب میں ساکن ہو کر اس کو آباد کرتا ہے جیسا [illegible] کہ مجھے یاد کی ضرورت پڑے ۱۲ منہ

[2] یعنی جب تالاب کا پانی صاف ہو اور ہوا کی موجیں بھی اسے حرکت نہ دیتی ہوں تو اس میں آسمان اور ستارے [illegible] اسی طرح عارف کا قلب جو اللہ کے ماسوا تعلق سے پاک ہوتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ نظر آتا ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

بہر صورت مذکورہ بالا امثلہ اور ان کی طرح اور اشعار یا جملے بھی کسی حقیقت پر محمول نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ حقیقت پر حمل کرنے کی صورت میں کفر صریح لازم آتا ہے اس لئے جمیع اہل تحقیق کے نزدیک ان کی صحیح توجیہ یہی ہو سکتی ہے کہ غلبۂ انوار توحید کی وجہ سے جب آثار بشریت مضمحل ہو کر عارف کی نظر سے ناپید ہو جاتے ہیں۔ اور مقام مشاہدہ میں ماسوے اللہ سے بالکل تجرد حاصل ہو جاتا تو بطریق غایت استلذاذ ایسے اس تعلق کو ظاہر کرتے ہیں جو انہیں محبوب حقیقی کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ جس طرح مادیات میں دو متناسب چیزیں باہمی اتصال سے مثل واحد کے ہو جاتی ہیں۔ تو حقائق مجردہ میں ہر دو کا مثل واحد ہونا کہیں زیادہ متصور ہو سکتا ہے مگر یہ محال ہے کہ ہر دو ایک ہو جائیں یا ایک دوسری میں حلول کر جائے لیکن غیر مادی (حقائق مجردہ) کی نوعیت تعلق کو ہم لفظوں میں ہرگز نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے اس عقیدہ صحیحہ کو کہ واجب اور ممکن دو علیحدہ علیحدہ حقیقتوں کا نام ہے ہر حال میں اپنا شعار سمجھنا چاہئیے اور جہال متصوفہ کے خیالات باطلہ سے کوسوں دور بھاگنا چاہئیے۔ کیونکہ اسلام کورانہ حسن ظن کی سخت مذمت کرتا ہے۔ بعض مدعیان مقامات اہل علم پر یوں طعن و تشنیع کیا کرتے ہیں۔ کہ علماء ظاہر کو یہ پایہ نصیب نہیں کہ وہ مقربان بارگاہ صمدیت کے مقامات کو سمجھ سکیں اس لئے اولیاء کرام کا یہ لوگ انکار کیا کرتے ہیں۔ سو ایسے جہال مرفوع القلم ہیں اور عوام الناس کے لئے موجب فتنہ۔ کیونکہ مقربان بارگاہ میں کوئی ایسا شخص نہیں ملتا جس نے خلاف شریعت کسی عقیدہ کی اشاعت کی ہو کتاب و سنت ... وہ ... ہیں ... ات ان کے معیار شہادت پر صحیح نہیں اس میں

Marfat.com

نجیر و عافیت نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بالآخر میں اپنے مسلمان بھائیوں سے استدعا کرتا ہوں کہ طریق راستی یہ ہے کہ انسان کو کسی امر میں غلو اور اصرار نہیں کرنا چاہئے ۔ اگر کسی امر کی نسبت معلوم ہو کہ شریعت حقہ کے نصوص کے برخلاف ہے ۔ تو اس کی تکذیب وابطال ہر ایک مسلمان کا فرض ہونا چاہئے اور اگر کوئی امر مجتہد فیہ ہے ۔ تو اس میں دوسرے فریق کی تکذیب کرنا موجب خطر ہے ایسے امور میں صحیح طریق یہ ہے کہ اگر خود بروئے دلائل صحیح فیصلہ نہ ہو سکے تو علمائے راسخون فی العلم کے طریق کو اختیار کرنا چاہئے اور بزرگان دین کی جو صاحب مقام ہوں مخالفت کرنے سے بچنا چاہئے کیونکہ بسا اوقات انسان اپنی کم علمی کی وجہ سے کسی حقیقت کی تکذیب کرنے لگ جاتا ہے کما قیل ؎

وکم من عائب قولاً صحیحاً　　وآفتہ من الفہم السقیم

ایسے حالات میں اگر تصدیق نہ کر سکے تو تکذیب بھی نہیں چاہئے بلکہ سکوت اختیار کرنا اسلم ہے لعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً فقط

خاکسار اس موضوع میں کچھ زیادہ بحث کرتا اور بعض دیگر مسائل ضروریہ کو بھی قلمبند کرتا مگر اہل زمانہ سے قبول حق کی توقع نہیں کیونکہ وہ اپنے مسلمات سے علیحدہ ہو کر استماع حق نہیں کر سکتے لہذا اسی قدر پر اکتفا مناسب سمجھا گیا ؎

من گنگ خواب دیدہ و عالم تمام کر
من عاجزم زگفتن و خلق از شنید نش

وکفی باللہ شہیداً ۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین فقط

ربیع الاول سنہ ۱۳۴۳ھ ہجری المقدس

ومما قلت مرتجلاً في وصف الكتاب العزيز

رُوَيدَ عَوَاذِلي بَعضَ المَلَامِ
او میری ملامت کرنے والیوں اپنی ملامت کو کچھ چھوڑ دو

فإنّي ليسَ يبرحُ بالحِمَامِ
کیونکہ میں جس حالت عشق میں مبتلا ہوں وہ موت کے بغیر نہیں جائیگی

أطعتُ هوى لذيذِ العيشِ دهرًا
میں ایک زمانہ بھر خوش زندگی کے پیچھے مارا مارا پھرا

فما عاشرتُ إلّا السقامِ
سو میں نے جو زندگی بسر کی اس کا نتیجہ رنج و ملال دیکھا

وكيفَ يطيبُ عيشُ المرءِ يومًا
انسان کو بھلا خوش زندگی کیونکر حاصل ہو سکتی ہے

إذا ما لم يكن غيظَ اللئامِ
جبکہ وہ فرومایہ (اہل دنیا) کے حق میں موجب غیظ نہیں بنے

وذقتُ حلاوةَ الأشياءِ طرًّا
میں نے تمام اشیاء کی شیرینی کو چکھا

فأحلى حلوِها مُرُّ الفطامِ
سو سب سے شیریں کو ایسا کڑوا پایا جیسے دودھ چھوٹنے

فما استحليتُ من دنياي شيئًا
سو میں نے اپنی دنیا سے کسی چیز کو شیریں نہیں پایا

سوى ترتيلِ آياتِ الإمامِ
بجز امام یعنی کتاب اللہ کی ترتیل آیات کے

ألذَّ لكلِّ من يبغي فلاحًا
ہر ایک طالب نجات

ويرجو الخيرَ في دارِ السلامِ
اور امیدوار جنت کے لئے سب سے زیادہ لذیذ

هدًى للناسِ ليس به خفاءٌ
یہ ایسا مجموعہ ہدایت ہے جس میں کوئی شک نہیں

ونورٌ قد جلا سجفَ الظلامِ
اور ایسا نور ہے جو پردہ ظلمت کو اٹھا دیتا ہے

له معنًى يحارُ الفكرُ فيه
اس کے معانی میں فکر انسانی حیران ہے

ولفظٌ فاقَ حُسنَ الانتظامِ
اور اس کے الفاظ حسن انتظام کی حد سے بڑھ گئے ہیں

إذا ما لم يُطِق أحدٌ يُباري
جب کوئی شخص اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا

فذلكَ صاحِ إعجازُ الكلامِ
تو میرے دوست سمجھ لو کہ اعجاز کلام اسی کو کہتے ہیں

كلامُ الربِّ أنزلهُ بحقٍّ
یہ پروردگار عالم کا کلام ہے جس کو اس نے غرض حق کے ساتھ

على خيرِ البريّةِ للأنامِ
بہترین خلائق یعنے جناب رسول اکرم صلعم پر اہل عالم کیلئے

إمامُ الأنبياءِ بلا امتراءٍ
حضور علیہ السلام بلا شک جمیع انبیاء علیہم السلام کے حق میں

إلى ما يبتغونَ من المقامِ
مدارج عالیہ کے حاصل کرنے کیلئے امام ہیں

ولو لم يهدِنا ما قد هدانا
اگر حضور علیہ السلام کی وہ تعلیمات ہدایت نہ ہوتی جو آپ نے ارشاد فرمائی

لكنّا في البراري كالنعامِ
تو ہم لوگ جنگلوں میں شترمرغوں کی طرح ہوتے

فروحي بالذي ضمّته نشرًا
اس شہر پر میری جان فدا ہو جو خوشبو کو اندر لئے ہے

تفوحُ شذاهُ كالمسكِ الختامِ
جسکی تیز بو چار دانگ عالم میں مشک کیطرح مہک رہی ہے

Marfat.com

ترقیم

فی قصۃ اصحٰب الکہف والرقیم

المؤلفہٗ

المفتقر الی اللہ الصمد سید احمد

حسب فرمائش

منشی فضل الدین تاجر کتب قومی مالک اخبار اشاعت بازار کشمیری لاہور

مطبع مصطفائی پریس لاہور

Marfat.com

سرسید احمد خان صاحب مرحوم [illegible]

مجموعہ لیکچر [illegible]

اس مجموعہ میں سرسید مرحوم و مغفور کے کل لیکچرز [illegible]
[illegible] میں سب جمع کئے گئے ہیں۔ اس مجموعہ [illegible]
[illegible] دعائیں جو سید صاحب نے [illegible]
[illegible] درج کر دی گئی ہیں [illegible]
[illegible] دقیق و اہم مضامین کی طرف نہایت [illegible] قیمت [illegible]

مجموعہ ہفت سالہ اخلاقی و تمدنی و مذہبی مضامین تہذیب الاخلاق

[illegible] ہفت سالہ تہذیب الاخلاق کی مضامین [illegible]
[illegible] ۱۲۹۳ ہجری چھپ کر [illegible]
[illegible] ایک [illegible] روشنی پیدا ہوتی ہے [illegible]
مضامین کا [illegible] اسلامی مسائل [illegible]
[illegible] اردو [illegible] مضامین [illegible]
[illegible] اسلام اور اسلامی [illegible]
[illegible] کہ اس مرحوم نے [illegible]
[illegible] سے روشن ہو [illegible]
قیمت

تفسیر القرآن جلد اول

[illegible] تفسیر سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرہ مصنفہ سرسید [illegible]
[illegible] ہو گئے لیکن [illegible]

احکام [illegible]

[illegible] کے ساتھ [illegible]
[illegible] قرآن [illegible] جمع کر کے [illegible]
[illegible] قرآن پاک اور نبی صاحب صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible]

[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی وافق کلامه بصنعه وطابق صنعه بکلامه فکلامه مظهر لجلاله وصنائعه مثبته لکماله فلا تبدیل لکلمات الله کما لا تبدیل لصنائع الله [illegible] وة والسلام علی رسوله محمد المصطفی خاتم النبیین الذی قال کما اوحی الیه انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الهکم اله واحد وعلی آله الذین هم ثقل من الثقلین کما قال علیه الصلوٰة والسلام انی تارك فیکم الثقلین کتاب الله وعترتی وعلی اصحابه اجمعین ؛

منجملہ اُن قصوں کے جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے ایک قصہ اصحاب الکہف والرقیم کا ہے یہ قصہ آنحضرت صلعم کی بعثت کے قبل ایشیا میں اور روم کے عیسائیوں میں اور عرب جاہلیت میں مشہور تھا اور سب کا ان قسم [illegible]

Marfat.com

سرسید احمد خاں صاحب مرحوم و مغفور کی تصنیفات [illegible]

مجموعہ لکچرز سرسید [illegible]

[illegible] مجموعہ میں سرسید مرحوم و مغفور کے کل لکچرز اور اسپیچیں [illegible] کی وفات تک جتنے ہیں سب جمع کئے گئے ہیں۔ اس مجموعہ [illegible] اور [illegible] دعائیں جو سید صاحب نے وقتاً فوقتاً [illegible] درج کر دی گئی ہیں۔ یہ دعائیں بہت ہی [illegible] [illegible] خالق حقیقی و اسد مطلق کی طرف نہایت اعتقادی [illegible] قیمت [illegible]

[illegible] ہفت سالہ اخلاقی و تمدنی و مذہبی مضامین تہذیب الاخلاق

[illegible] ہفت سالہ تہذیب الاخلاق کی مضامین [illegible] [illegible] نوبت سنہ ۱۲۹۱ ہجری چھپ کر [illegible] [illegible] ہوتے ہیں [illegible] روشنی پیدا ہوتی ہے۔ [illegible] مضامین کا [illegible] ہیں۔ اسلامی مسائل [illegible] حاصل کرنے کے لئے [illegible] [illegible] اردو لٹریچر کی حالت [illegible] مضامین [illegible] [illegible] اسلام اور اسلامی [illegible] [illegible] کا [illegible] ہوگا کہ اس مرحوم [illegible] [illegible] پڑھنے سے روشنی [illegible] قیمت [illegible]

تفسیر القرآن جلد اول

[illegible] تفسیر سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقر مصنفہ سرسید [illegible] [illegible] ہوگئے لیکن [illegible]

احکام [illegible]

[illegible] کے ساتھ کھانا کھانا [illegible] قرآن [illegible] جمع کر [illegible] لئے قرآن پاک اور نبی [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible]

[illegible] رسالہ میں [illegible]

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی وافق کلامہ بصنعہ ۔ وطابق صنعہ بکلامہ فکلام مظہر لجلالہ وصنائعہ مثبتۃ لکمالہ ۔ لا تبدیل لکلمات اللہ کما لا تبدیل لصنائع اللہ ۔ ۔ ۔ ۔ وۃ والسلام علی رسولہ محمد ن المصطفیٰ خاتم النبیین الذی قال کما یوحی الیہ انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الٰہکم الٰہ واحد ۔ وعلی آلہ الذین ہم ثقل من الثقلین کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی وعلی اصحابہ اجمعین ؛

منجملہ اُن قصوں کے جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے ایک قصہ اصحاب الکہف والرقیم کا ہے یہ قصہ آنحضرت صلعم کی بعثت کے قبل ایشیا میں اور روم کے عیسائیوں میں اور عرب جاہلیت میں مشہور تھا اور عیسائی اس قصہ کو ...

Marfat.com

دستور ہے بہت سی بے اصل اور عجیب و غریب باتیں اُس میں شامل ہوگئی تھیں خداوند تعالیٰ نے اُس قصہ کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا اور بتایا کہ اصلی صحیح قصہ کیا ہے مگر مفسرین و مورخین نے بعوض اس کے کہ اُن بے اصل کہانیوں کو جو مشہور تھیں اُس قصہ سے علیحدہ کرتے قرآن مجید کی تفسیروں اور اُن تاریخوں میں جو زمانہ اسلام میں لکھی گئیں اس طرح شامل کر دیا کہ گویا وہ کہانیاں اسلام ہی کی ہیں حالانکہ اسلام اس قسم کی بیہودہ کہانیوں سے بری ہے ؀

اس امر پر خیال کر کے میں نے چاہا کہ قصہ اصحاب الکہف والرقیم کو صاف طور پر جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے بیان کروں اور بے اصل کہانیاں جو اُس میں شامل ہوگئی ہیں اُن کو اصل قصہ سے علیحدہ کردوں۔ بحمد اللہ کہ یہ کام پورا ہوا اور اس رسالہ کا نام **ترقیم فی قصہ اصحاب الکہف والرقیم** رکھا ؀

میں نے اس قصہ کو اول صاف اور سیدھے طور پر بغیر تعرض آیات قرآن مجید کے بیان کیا ہے اور جن کتابوں سے اس کو اخذ کیا ہے بعینہ اُن کی اصلی عبارت حاشیہ پر لکھ دی ہے اُس کے بعد قرآن مجید کی اُن آیات کی تفسیر بیان کی ہے جو قصہ اصحاب کہف سے متعلق ہیں اور دکھایا ہے کہ بے اصل کہانیاں جو مشہور ہیں اُنھیں کی تردید قرآن مجید سے ہوتی ہے چونکہ مسلمانوں کو بہت کم معلوم ہے کہ عیسائی مورخ اس قصہ کی نسبت کیا خیال کرتے ہیں اور کیا رائے رکھتے ہیں اس لیے اس کے اخیر میں ایک انگریزی کتاب سے اس قصہ کا ترجمہ اُس کے مضامین سے بلا کسی قسم کی تعرض کے شامل کر دیا ہے اُس کے شامل کرنے سے صرف مقصد یہ ہے کہ عیسائی مورخوں کے خیالات جو اس قصہ کی نسبت میں معلوم

ہو جاویں اور کھل جاوے کہ جو روایتیں ہمارے علماء نے اپنی کتابوں اور تفسیروں میں لکھی ہیں وہ سب عیسائیوں کی روایتیں ہیں نہ اسلام کی ۔

اس رسالہ کے لکھنے کے وقت مندرجہ ذیل کتابیں میرے مطالعہ میں تھیں جن سے اس قصہ کو اخذ کیا ہے اور صحیح روایتوں کو غلط روایتوں سے تمیز کیا ہے ۔

تفصیل کتب مذکورہ یہ ہے :-

(۱) تفسیر مدارک (۲) تفسیر معالم التنزیل (۳) تفسیر کبیر (۴) تفسیر بیضاوی (۵) تفسیر کشاف (۶) صحیح بخاری (۷) تاریخ طبری کبیر (۸) مختصر الدول ابو الفرج الملطی (۹) آثار الباقیہ عن القرون الخالیہ لابی ریحان بیرونی (۱۰) ترجمہ فارسی سیرت محمد بن اسحق (۱۱) آثار البلاد و اخبار العباد لامام زکریا قزوینی (۱۲) تاریخ کامل ابن اثیر (۱۳) معجم البلدان یاقوت حموی (۱۴) تاریخ اسمٰعیل ابو الفداء (۱۵) مروج الذہب مسعودی (۱۶) عجائب المخلوقات عربی (۱۷) کیوریس متھس آف دی میڈل ایجز مؤلفہ ایس بارنگ گولڈ زبان انگریزی ۔

Marfat.com

اصحاب الکہف والرقیم

اصحاب کہف اور اصحاب رقیم ایک ہی گروہ کا لقب ہے۔ اصحاب کہف تو ان کو اس سبب سے کہتے ہیں کہ وہ ایک ظالم بت پرست بادشاہ کے ڈر سے ایک پہاڑ کی کھوہ میں جا چھپے تھے عربی زبان میں پہاڑ کی کھوہ کو کہف کہتے ہیں اس لیے اُن کا لقب اصحاب کہف ہو گیا ہے ❊

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ رقیم اُس شہر کا نام ہے جس میں اصحاب کہف رہتے تھے بعضوں کا قول ہے کہ پہاڑ کی کھوہ کا نام ہے جس میں اصحاب کہف چھپے تھے بعضے کہتے ہیں کہ ان کے کتے کا نام ہے جو اُن کے ساتھ تھا اس لیے اُن کو اصحاب رقیم کہنے لگے مگر ان میں سے کوئی بات اعتبار کے قابل نہیں ہے

عربی کتابوں میں اُن کے کتے کا نام قطمیر لکھا ہے اور انگریزی کتابوں میں کراٹیم یا کراٹیمر اور یہ نام ملتے جلتے ہیں صرف ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہونے میں جو فرق لہجہ اور تلفظ میں ہو جاتا ہے وہی کراٹیم اور قطمیر میں ہو گیا ہے ❊

صحیح بات جیسے کہ محمد اسمٰعیل بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں ابن عباس کی روایت سے لکھی ہے یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُن کا حال اور نام ایک زمانہ میں جست کے پترے پر کندہ کر کر اور بعض روایتوں کے مطابق پتھر پر کھود کر رکھا گیا تھا۔ رقیم کے معنی عربی زبان میں لکھے ہوئے کے ہیں اور اس سبب سے انھیں لوگوں کا لقب اصحاب الرقیم بھی ہو گیا ہے ❊

Marfat.com

[illegible] آج تک تحقیق نہیں ہوا کہ یہ لوگ تعداد میں کے تھے
[illegible] تھے اور آٹھواں اُن کا کتا تھا جو اُنکے ساتھ تھا
اُن کے ناموں میں بہت اختلاف ہے مگر وہ اختلاف زیادہ تر ایک زبان سے
[illegible] الفاظ کے تلفظ کے اختلاف سے علاقہ رکھتا ہے
[illegible] بہرحال ہم اس مقام پر اُن کے ناموں کو
[illegible] کتابوں [illegible] لکھتے ہیں ؛

تفسیر معالم التنزیل [illegible] میں اُن کی تعداد ۹ لکھی ہے

[illegible] یملیخا مرطونس کسطونس دبیرنوس [illegible] تبیونس کلبہم قطمیر ؛

تفسیر بیضاوی و کشاف و تفسیر کبیر و تفسیر مدارک

[illegible] مکشلمینا مرنوش دبرنوش شاذنوش والراعی کلبہم قطمیر ؛

تاریخ کامل ابن اثیر

[illegible] یملیخا [illegible] کشفوطط دینموس [illegible] مکشلمینا کلبہم قطمیر

معجم البلدان یاقوت حموی

یملیخا مکسملینا مشلینیا مرطونس [illegible]

۹۵ وعن علی رضی [illegible] سبعة [illegible] (بیضاوی) وکان [illegible] الفتیة [illegible] عن ابن عباس [illegible] (تاریخ طبری)

سترایؤن افستیطیوس کلبھم قطمیر ۔

تاریخ طبری

مکسلمینا تمخسلمینا یمنیخ یاملیخا مرطوس کسوطونس
بیرونس وسمونس بطونس قالوس ۔

تاریخ احمد بن ابی یعقوب المعروف بالیعقوبی

مکسلمینا مراطوس ثنادونیوس بطرنوس
دولس یوانس کیفرطو نیوطو ملیخا الراعی
کلبھم قطمیر

کیورس ملخیص مؤلفہ بارنگ گولڈ

میکسی میین مالکس مارشین ڈاینوئی سس جان
سیرابین کانسٹین ٹاین کلبھم کراٹیم یا کراٹیم ۔

شہر جس میں اصحاب کہف رہتے تھے

اکثر مورخین و مفسرین کا قول ہے جو ہر طرح صحیح معلوم ہوتا ہے کہ جس شہر میں اصحاب کہف رہتے تھے اس کا نام افسوس تھا یاقوت حموی نے اپنی کتاب معجم البلدان میں اس کے اعراب کو بھی ضبط کیا ہے ۔

مسٹر بارنگ گولڈ نے اپنی کتاب کیورس ملخیص میں اس شہر کا نام ایفی سس لکھا ہے۔ اور یقین ہوتا ہے کہ عربی تاریخوں میں یہی نام متغیر ہو کر افسوس ہو گیا ہے

Marfat.com

لانگ مین گرین کمپنی نے سنہ ۱۸۶۵ء میں بمقام لندن قدیم رومیوں کے زمانہ کا نقشہ جغرافیہ چھاپا ہے جس میں شہروں کے وہی قدیم نام ہیں جو اس زمانہ میں تھے اس میں جو نقشہ ایشیا منیر کا ہے اس میں افی سس شہر کا نام ۳۷ درجہ ۵۵ دقیقہ عرض شمالی اور ۲۷ درجہ ۲۱ دقیقہ طول شرقی پر عین دریائے ایجین کے کنارہ پر ثبت ہے اس کے قریب پہاڑ بھی واقع ہیں اور کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اسی جگہ افی سس شہر تھا جس میں اصحاب کہف رہتے تھے ٭

بعضوں[1] نے کہا ہے کہ اصحاب کہف کے شہر کا نام رقیم تھا اور بعضوں نے کہا کہ اس پہاڑ کی کھوہ کا نام[2] تھا جس میں اصحاب کہف جا رہے تھے مگر یہ صحیح نہیں یاقوت حموی نے بھی لکھا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ اہل روم کی سلطنت میں جو شہر افسوس تھا وہی شہر اصحاب کہف کا تھا محمد بن محمود القزوینی نے اپنی کتاب آثار البلاد و اخبار العباد میں افسوس ہی کو اصحاب کہف کا شہر قرار دیا ہے۔ شاید لوگوں نے اس خیال سے کہ اصحاب کہف کے نام جست کی تختی پر کھود کر شہر میں رکھے گئے تھے اس شہر کو اور بعضوں نے اس خیال سے کہ اس پہاڑ پر جس میں وہ کھوہ تھی ان کے نام کندہ ہوئے تھے اس پہاڑ کو یا اس کھوہ کو رقیم کے نام سے موسوم کر دیا ہو ٭

اصحاب کہف کس زمانہ اور کس بادشاہ کے عہد میں تھے

ابو الفرج ملطیائی[3] عیسائی مؤرخ نے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ آخر کو مسلمان ہو گیا تھا اپنی کتاب مختصر الدول میں لکھا ہے کہ اصحاب کہف دقیوس [illegible]

جو عیسائیوں کا نہایت دشمن تھا اور اُن کو قتل کرتا تھا۔ تاریخ طبری[1] میں اُس بادشاہ کا نام دقینوس لکھا ہے ٭

تاریخ کامل ابن اثیر[2] میں اُس کا نام دقیوس لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ بعض آدمی اُس کا نام دقیانوس کہتے ہیں ٭

ابو الفدا اسمٰعیل[3] نے اپنی تاریخ میں بھی یہی نام بیان کیے ہیں اور لکھا ہے کہ وہ ۵۳۹ اسکندری میں بادشاہ ہوا تھا اور [illegible]

ابو ریحان[4] بیرونی نے اپنی کتاب آثار الباقیہ عن قرون الخالیہ میں اُس بادشاہ کا نام داقیاوس لکھا ہے اور مسٹر بارنگ گولڈ نے اپنی [illegible] کیورس متھس میں اُس بادشاہ کا نام ڈی سس لکھا ہے ٭

اسی مصنف نے لکھا ہے کہ روم میں [illegible] میں گچ سے اصحاب کہف کی تصویریں بنی ہوئی [illegible] بعضوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہ ۲۵۰ء میں [illegible] کے عہد میں مارے گئے تھے ٭

عموماً مسلمان مورخ و مفسر [illegible] اصحاب کہف کے وقت دقیانوس [illegible] نام اختلافات ایک زبان کے ناموں کو دوسری زبان [illegible] سے پیدا ہوئے ہیں اور سب کے ملانے سے یقین ہوتا ہے کہ وہ رومی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا ٭

جو زمانہ کہ اصحاب کہف کا ابو الفدا نے بیان کیا ہے وہ قریباً صحیح و درست معلوم ہوتا ہے۔ اسکندر تین سو چھتیس برس قبل حضرت مسیح علیہ السلام کے تخت پر بیٹھا تھا اور اصحاب کہف

[1] وکان لهم فی تلک الزمان ملک یقال له دقینوس یعبد الاصنام (تاریخ طبری)

[2] کان اصحاب الکهف ایام ملک سمه دقیوس ویقال دقیانوس وکانوا بمدینة من الروم اسمها افسوس وملکهم یعبد الاصنام (تاریخ کامل لابن اثیر)

[3] دقیوس ویقال دقیانوس من کتاب ابی عیسی سنة واحد وکان الملک الذی قبله یعنی تغورنیانوس فتنه قصر بختنه علیه [illegible] دقیوس وقتله واعاد عبادة الاصنام [illegible] اصحاب الکهف [illegible] (تاریخ ابو الفدا)

[4] داقیاوس [illegible] اصحاب الکهف (آثار الباقیه ابو ریحان بیرونی)

پانسو چالیس سنہ سکندری میں تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سنہ ۲۵۰ء میں تھے مسٹر بارنگ گولڈ نے اُن کا تخمینا اندازے سے ۴۵۰ء قرار دیا ہے یعنی جو بادشاہ کہ زمانہ سکندر سے دقیوس تک گذرے اُنکے زمانہ سلطنت میں بھی کسی قدر اختلاف ہے اور یہ بھی ایک سبب ہے کہ اصحاب کہف کے زمانہ میں کسی قدر اختلاف پیدا ہوتا ہے مگر عام طور پر خیال کرنے سے جو زمانہ قرار دیا گیا ہے قریباً صحیح معلوم ہوتا ہے ؛

بعض روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ اصحاب کہف حضرت عیسیٰ کے زمانہ سے بہت پیشتر تھے اور حضرت عیسیٰ نے اُن کی خبر دی تھی اور بعد حضرت عیسیٰ کے زمانہ فترت میں یعنی جبکہ کوئی پیغمبر نہ تھا وہ زندہ ہوئے تھے یا اپنی نیند سے جو اخ الموت تھی اُٹھے تھے مگر اُس کی صحت کا انجیلوں یا حواریوں کے ناموں یا کسی معتبر یا مظنون طریقہ سے کوئی ثبوت نہیں پایا جاتا ؛

اصحاب کہف کا مذہب

کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اصحاب کہف عیسائی اور حضرت عیسیٰ کی اُمت میں تھے تمام کتابوں اور مختلف روایتوں سے یہی امر ثابت ہوتا ہے اور خود اُن کا واقعہ کہ ایک ظالم اور بُت پرست بادشاہ کے خوف سے جو عیسائیوں کو قتل کرتا تھا جان اور ایمان بچا کر بھاگے تھے اُن کے عیسائی ہونے کا کافی ثبوت ہے ؛

البتہ جیسا اُن کا تقدس اور خدا پرستی تاریخوں اور تفسیروں میں لکھی ہے اور جس کی نسبت قرآن مجید سے بھی اشارہ پایا جاتا ہے اُسکی نسبت شبہ

Marfat.com

ہو سکتا ہے کہ اگر وہ صلیب کو اور حضرت عیسیٰ کی تصویر کو پوجتے تھے اور کم سے کم یہ کہ تثلیث کے قایل تھے تو کیونکر اُن کو خدا پرست اور موحد مسلمان کی یا مومن خیال کیا جا سکتا ہے مگر ان میں سے کسی بات کا ثبوت نہیں ہے۔ اُس زمانہ کے عیسائیوں میں عقاید مذہبی بہت کم قرار پائے تھے اور مجھ کو عیسائی مذہب کی اکلزیاسٹیکل ہسٹری پر غور کرنے سے نہایت شبہ ہے کہ جو عقاید بعد عیسائی ہو جانے قسطنطین کے رومی اور یونانی چرچ میں قایم ہو گئے وہی عقاید عام طور پر اُس زمانہ کے تمام عیسائیوں کے تھے ؛

دقیوس ہی کے زمانہ کے قریب جس زمانہ میں اصحاب کہف کا ... کیا گیا ہے ایک فرقہ تھا جس کا ابو الفرج عیسائی مالطیہا نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ وہ اقانیم ثلاثہ باپ اور بیٹے اور روح قدس کو نہیں تسلیم کرتا تھا بلکہ وجود اور کلمہ اور حیات کو اقانیم ثلاثہ جانتا تھا اور کہتا تھا کہ ان اقانیم سے کوئی زیادتی ذات باری پر نہیں ہوتی بلکہ یہ صفات اعتباری ہیں کوئی شئے اُن کا مسمّی موجود فی الخارج نہیں ہے اور کہتا تھا کہ ذات باری موجود ہے لا بوجود اور حکیم ہے لا بحکمۃ اور حیّ ہے لا بحیوٰۃ انبیذ وقلیس کا بھی یہی مذہب تھا اس کے بعد مصنف مذکور لکھتا ہے کہ اسی مذہب کو ایک گروہ مسلمانوں نے جو صفات کے نفی کرنے والے ہیں (یعنی صفات باری سے کچھ زیادتی ذات باری پر نہیں سمجھتے) اختیار کیا ہے ؛

اسی زمانہ کے قریب ایک فرقہ فولی الشمیشاطی کا پیرو تھا جو کہتا تھا کہ تمام معلولات باری تعالیٰ کے ارادے ہیں اور اُس کا کوئی معلول ذاتی نہیں ہے اور اسی لیئے

10

لا بوجود و حکیم لا بحکمۃ و حی لا بحیوٰۃ وقال ان الموجود ... اقول هذا مذهب انبیذوقلیس بعینه فی الصفات ... الاسلامیین النفاۃ الصفات (مختصر الدول ابی الفرج) فقالوا الخارج ... لا مسمّی لیس معہا صفات اعتبارات ... قولہ فلما تری انہ علی ذات اللہ ... لیست معانی والکلمۃ والحیوٰۃ ... الثلاثۃ ہی الوجود وقال ان الاقانیم اسمہ سابیلیوس مدینۃ بیوطوا فیس ہذا الزمان ظہر فی عالوس

فی ہذا الزمان ظہر من المبتدعۃ فولی الشمیشاطی ... وکان یقول ان جمیع معلولات الباری تعالیٰ ارادیۃ ولیس لہ معلول ذاتی ... ولہذا اسمی ... السماوات ... من ... فی ظاہرہ مذہب ... بل ... مختصر الدول ابی الفرج

وہ لم یلد و لم یولد ہے اور اس لیے مسیح نہ کلمۃ اللہ ہے اور نہ جس طرح کہ ظاہر مذہب عیسائی میں ہے وہ کنواری سے پیدا ہوا ہے۔

پس جبکہ اس زمانہ کے عقائد و مذہب کا یہ حال تھا تو ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ اصحاب کہف تثلیث کے قائل تھے بلکہ مسلمانوں کو جو قرآن مجید کو برحق سمجھتے ہیں اس بات کے یقین کرنے کے لیے کہ اصحاب کہف عیسائی اور موحد خدا کو واحد اور حضرت عیسیٰ کو پیغمبر برحق مانتے تھے ثبوت کافی ہے۔ وھم کانوا مومنین مسلمین موحدین و قائلین بان لا الٰہ الا اللہ عیسیٰ رسول اللہ۔

اصحاب کہف کا قصہ یعنی وہ واقعات جو اُن پر گزرے

مذکورہ بالا حالات سے ظاہر ہے کہ اصحاب کہف تاریخی اشخاص ہیں فرضی قرار دیئے ہوئے نہیں ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جو سیدھے سادے سچے واقعی حالات اُن پر گزرے تھے اُن میں بہت لغو اور بیہودہ خلاف قیاس باتیں اور عجائبات شامل کر لیے گئے ہیں اور یہ ایک معمولی بات ہے کہ نیک اور بزرگ لوگوں پر جو ظلم اور سختی ظالموں کے ہاتھ سے ہوتی ہے بعد کو اُن کی نسبت بہت سی نرالی اور عجیب باتیں مشہور ہو جاتی ہیں اسی طرح اصحاب کہف پر جو حالات اور واقعات گزرے اُن کو بطور تعجب انگیز کہانی کے بنا لیا ہے اور بے سروپا اور محض بیہودہ باتیں مشہور ہو گئی ہیں ہمارا کام یہ ہے کہ اُن روایتوں میں سے جو قابل صحت ہیں اُن پر لحاظ کر کے صحیح قصہ اصحاب کہف کا بیان کریں اور پھر قرآن مجید کی آیتوں سے تطبیق کر دکھلاویں

Marfat.com

کہ کس قدر قصہ اُس میں کا قرآن مجید میں بیان ہوا ہے اور مفسرین کو جو اُس قصہ کے بیان میں اور آیتوں کی تفسیر میں دھوکا ہوا ہے حتی المقدور اُسکو ظاہر کریں ؛

ابو الفرج مسیحی نے اپنی تاریخ مختصر دول میں اور اسمٰعیل[2] ابو الفدا نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ غورڈیانوس رومی قیصر عیسائی ہو گیا تھا اور عیسائیوں پر مہربانی کرتا تھا اسپر دقیوس نے جس کو دقیانوس بھی کہتے ہیں اور جو بت پرست اور عیسائیوں کا دشمن تھا چڑھائی کی اور سنہ ۲۴۹ء سکندری میں اُس کو مار ڈالا اور خود بادشاہ ہوا اور عیسائیوں کو قتل یا بت پرستی پر مجبور کرنا شروع کیا ؛

اُسی کے عہد میں اصحاب کہف عیسوی مذہب پر تھے اُنکے عیسائی ہونے کی مختلف کہانیاں مشہور ہیں جنکی نسبت ہمکو بحث کرنا محض فضول معلوم ہوتا ہے۔ وہ کسی طرح عیسائی ہوئے ہوں اس امر کا مسلّم ہونا کہ وہ عیسائی تھے اُن کے اصلی واقعات کے بتانے کو کافی ہے ؛

تمام روایتیں اور تاریخیں اس بات پر متفق ہیں کہ اُس ظالم بادشاہ نے اُن لوگوں کو جو تعداد میں اُسوقت چھ تھے بلایا اور مذہب عیسوی چھوڑنے اور بت پرستی کرنے کو کہا مگر اُن سب نے انکار کیا اسپر بادشاہ نے اُنکو مہلت دی اور اُس مہلت میں وہ شہر سے بھاگ گئے اور ایک چرواہا مع کُتے کے اُنکے

... وتبعه كلبه فخرجوا من البلد الى الكهف وهو قريب من البلد (معالم التنزيل)

Marfat.com

ساتھ ہولیا اور وہ سب ایک پہاڑ کی کھوہ میں جو شہر افسوس سے کچھ فاصلہ پر تھے جاکر چھپ رہے ؛

یہاں تک روایتوں میں چنداں اختلاف نہیں ہے لیکن اس کے بعد کے واقعات میں اختلاف شروع ہوتا ہے یعنی پہاڑ کی کھوہ میں چھپنے کے بعد انھوں نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو شہر بھیجا کہ بینک سے کھانا خرید لاؤ اکثر مورخین اور اہل تفاسیر نے لکھا ہے کہ وہ لوگ پہاڑ کی کھوہ میں جاکر سو رہے اور زمانہ دراز تین سو یا تین سو نو برس سونے کے بعد جب اُٹھے تو انھوں نے ایک شخص کو کھانا خریدنے کو شہر میں بھیجا۔ بعض مورخین نے پہلی دفعہ اُسی دن جب وہ کھوہ میں جا گئے ایک شخص کو کھانا خریدنے کو بھیجنا اور پھر دوسری دفعہ تین سو برس سو کر اُٹھنے کے بعد ایک شخص کا بھیجنا لکھا ہے جو محض بیہودہ ہے اور صرف بنایا ہوا قصہ ہے اُن پر پہاڑ کی کھوہ میں سو رہنے کے خیال سے یہ قصہ گڑھ لیا گیا ہے مگر اصلیت اس کی جیسے کہ محققانہ نظر سے پائی جاتی ہے صرف اس قدر ہے :-

کہ وہ لوگ رات کے وقت شہر سے بھاگے تھے جیسے کہ قزوینی نے لکھا ہے کہ "انھوں نے رات کو بھاگنے کا قصد کیا جب رات کا اندھیرا ہو گیا تو ہر ایک شخص اپنے گھر سے کچھ مال لیکر چل کھڑا ہوا"

صبح ہوتے وقت وہ لوگ پہاڑ کی کھوہ پر پہنچے جیسا کہ قزوینی نے بھی لکھا ہے پس وہ کھوہ میں گئے رات کے جاگے رستہ چلے تھکے ہوئے تھے کھوہ

۱۴۳

Marfat.com

بالکل ان کا سمجھنا درست ہے۔ کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ دو تین پہر سونے کے بعد وہ اٹھے اور آپس میں پوچھنے لگے کہ کتنی دیر سوئے کسی نے کہا ایک دن یا کسی نے کہا کچھ کم کیونکہ وہ صبح سوئے تھے [illegible] کا اندازہ ٹھیک ٹھیک نہیں کر سکتے تھے۔

پس جو [illegible] انھوں نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو کھانا لانے کو بھیجا۔ قرینہ سے [illegible] معلوم ہوتا ہے کہ جس دن وہ [illegible] ہوئے تھے اسی دن انھوں نے کھانا لینے کو بھیجا۔ تفسیر معالم التنزیل میں محمد بن اسحاق کی روایت سے لکھا ہے کہ جب وہ [illegible] تو کھانا ان کے لیے شہر سے [illegible] لایا کرتا تھا اور چند روز تک جس کی تعداد نہیں بیان کی گئی معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] روز تک [illegible] دقیانوس کے دوبارہ شہر میں آنے تک اسی طرح خرید کر لاتا رہا۔

تب وہ بادشاہ جو ان کو تلاش کرتا تھا دیگر شہر سے [illegible] پھر آیا جیسا کہ قرینہ سے بالتصریح بیان کیا ہے [illegible] کہ وہ لوگ شہر سے بھاگ گئے ہیں [illegible] پہاڑ کی کھوہ میں ان کا پتہ لگا اور اس نے پہاڑ کی کھوہ کا منہ بند کر دیا تاکہ اسی میں بھوکے پیاسے مر جائیں۔

تفسیر معالم التنزیل میں محمد بن اسحاق کی روایت میں بھی بالتصریح مذکور ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ پہاڑ کی کھوہ کا منہ بند ہونے کے بعد وہ وہیں بند ہو گئے اور وہیں مر کر رہ گئے [illegible] معالم التنزیل [illegible]

لکھا ہے کہ خدا نے اُن کی روحوں کو وفات دی جس طرح سوتے میں ہوتی ہے وفات دیتا ہے مگر اگلے بیان سے اور اُن روایتوں سے جو بیان [illegible] ہوئیں معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] مر گئے تھے ۔

[illegible]

ابوالفرج [illegible] کی تاریخ [illegible] تفسیر [illegible] اصحاب کہف کے [illegible] کے دو سو چالیس برس بعد وہ ظاہر ہوئے تھے ۔

ابوالفدا اسمٰعیل بھی اسی بادشاہ کے زمانہ میں اصحاب کہف کا ظاہر ہونا لکھتا ہے جو بادشاہ سنہ ۷۳۱ سکندری میں بادشاہ ہوا تھا اور سنہ [illegible] میں فوت ہوا اس سبب سے کہ بموجب ابوالفدا کے دقیوس کے زمانہ میں اصحاب کہف تھے سنہ ۵۶۱ سکندری میں تھے ان کا ظاہر ہونا اصحاب کہف کا دو سو برس کے قریب تھا نہ دو سو چالیس برس جیسا کہ ابوالفرج نے بیان کیا ہے ۔

تاریخ تسقوبی میں اس بادشاہ کا نام ثیوس لکھا ہے اور [illegible] لکھا ہے کہ اُس کے زمانہ میں اصحاب کہف [illegible] کے بعد ظاہر ہوئے [illegible]

[illegible] دقیوس [illegible] تھے اور [illegible]

[illegible]

یا مرے ہوئے تھے اور زندہ ہوئے بلکہ صاف لکھا ہے کہ ظاہر ہوئے یعنی اُس کھوہ میں اُن کا ہونا معلوم ہوا ؛

علاوہ اس کے جتنی روایتیں ہیں سب سے یہی امر ماخوذ ہوتا ہے کہ درحقیقت اصحاب کہف جب معلوم ہوئے تو وہ مرے ہوئے تھے اور مرے ہوئے رہے ؛

بعض[1] تفسیر کی کتابوں میں جیسے تفسیر کبیر و مدارک و بیضاوی ہیں یہ تو لکھا ہے کہ جب بادشاہ اور لوگ اُن کو دیکھنے اور اُن سے ملنے کو گئے تو وہ زندہ ملے بادشاہ کو دعا بھی دی پھر فی الفور مر گئے ؛

اس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کا زندہ ملنا اور بادشاہ کو دعا دینا سب ایک کہانی ہے ورنہ درحقیقت وہ مرے ہوئے تھے اور طبری اور کامل ابن اثیر اگرچہ اس بات کے قائل ہیں کہ وہ زندہ ہوئے مگر جو روایتیں بیان کی ہیں اُن سے صاف پایا جاتا ہے کہ کسی شخص نے جو اُن کے دیکھنے کو گئے تھے اُن کو زندہ نہیں دیکھا ؛

طبری[2] کی ایک روایت میں ہے کہ وہ زندہ ہو گئے تھے مگر جب لوگ اُن کے دیکھنے کو کہف کے قریب پہنچے تو خدا نے اُن کو پھر مُردہ کر دیا یا پھر سُلا دیا اور لوگ اندر جانے سے ڈر گئے اور اندر نہ جا سکے ؛

دوسری[3] روایت میں طبری نے لکھا ہے کہ بادشاہ اور لوگ کھوہ میں گئے تو دیکھا کہ صرف اُن کے جسم ہیں جو کسی طرح بگڑے نہ تھے مگر اُن میں ارواح نہ تھی ؛

کامل[4] ابن اثیر میں ایک روایت زیادہ لکھی ہے کہ وہ زندہ تو ہو گئے تھے مگر اُنھوں نے

Marfat.com

[illegible]

[illegible] کا اصل [illegible] اپنے مقام

[illegible] میں پہنچتا [illegible]

[illegible] سے [illegible] معلوم

[illegible] کسی نقص کے رکھے ہوئے ہیں

[illegible] دیکھا اور [illegible] کسی نقصان

[illegible]

[illegible] اسی قسم کا ایک
واقعہ [illegible] حضرت [illegible] الدین [illegible] درگاہ [illegible] وہاں بہت
[illegible] ایک اونچی جگہ پر ایک چبوترہ تھا اور
اس [illegible] قبروں کے نشان تھے۔ اتفاق سے
اس چبوترہ کی ایک طرف کی دیواروں سے کچھ پتھر گر پڑے
اور چھید ہو گیا کہ اندر سے قبر دکھائی دینے لگی لوگوں نے اس
چھید میں سے جھانکا تو ان کو معلوم ہوا کہ قبر بہت بڑی مثل ایک
مربع کوٹھری کے ہے۔ تین لاشیں بالکل سفید کفن پہنے ہوئے
صحیح باکسی نقصان کے [illegible] رکھی ہوئی ہیں۔ اس کا چرچا ہوا
اور بہت آدمی ان کے دیکھنے کو گئے [illegible]
[illegible] امام [illegible] صاحب [illegible]
[illegible]

Marfat.com

دیکھنے کو گئے اول انھوں نے جھانک کر دیکھا تو ان کو بھی اسی طرح
مجسم اور ... لاشیں معلوم ہوئیں [illegible]
دیوار کے ... ایک ... نکال [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
ہڈیاں اور راکھ کے سوا اور کچھ نہیں [illegible]
دیکھا جاتا تھا تو وہ تمام نقش جو لکڑی میں قائم تھے [illegible] اور مسلم لاشیں معلوم
ہوتی تھیں۔ تم خیال کرو کہ اگر ہم ایک تصویر کو ایک صندوق میں رکھدیں
اور ایسی حکمت کریں کہ کسی قدر شعاع آفتاب کی اُس میں پہنچے اور
اُس کے پہلو میں ایک چھید کر کے اُسکو دیکھیں تو وہ تصویر بالکل مجسم
معلوم ہوگی۔ پس اس طرح سے اس قسم کی پرانی لاشیں جو کسی پہاڑ کے
نل میں سے دیکھی جاتی ہیں تو وہ مسلم معلوم ہوتی ہیں۔ اسی طرح اصحاب کہف کی
لاشوں کے دیکھنے والوں کو وہ لاشیں مجسم معلوم ہوئی ہونگی کیونکہ ستھس
مصنف نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف کی ہڈیاں ایک بڑے پتھر کے بکس میں بند

Marfat.com

[illegible] نہیں [illegible] کہ گویا

[illegible] میں اس کی تصدیق تاریخ طبری سے بھی ہوتی

[illegible] کہ جب

[illegible] کے ساتھ چلے گئے تو وہ کہف پر گئے

[illegible] سے کہا کہ [illegible] بھاگتی

[illegible] سے کہا کہ ان کی [illegible] تین سو برس

[illegible] بیان [illegible] ہے

[illegible] دقیانوس نے اس غار کا منہ بند کروا دیا تو یہ

[illegible] اور مر گئے ایک زمانہ دراز کے بعد جو دو سو

[illegible] برس کا ہو یا [illegible] سو برس کا [illegible] برسوں بائیس سو کو برس

[illegible] شخص نے اس کھوہ کے منہ کو کھول ڈالا جیسا کہ اکثر روایتوں میں

بیان [illegible] کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ ان لوگوں کے

[illegible] ہوں گے [illegible] کے سکے کے روپے موجود تھے

[illegible] شخص نے اس کو کھولا تھا اس نے وہ روپے پائے ہونگے

و جب بازار میں لے گیا لوگوں نے چرچا کیا ہوگا کہ اس نے خزانہ پایا ہے

[illegible] اسکو پکڑ لیے ہوں گے اور اس نے تمام قصہ پہاڑ کی کھوہ

میں لاشوں کے ہونے کا اور وہاں سے روپیہ ملنے کا بیان کیا ہوگا

پھر وہاں کے حاکم اور شہر کے لوگ ان کے دیکھنے کو آئے اور جانا

کہ ان لوگوں کی لاشیں ہیں جو دقیانوس قیصر کے ظلم سے بھاگے تھے ؛

راویوں اور لوگوں نے اس اصلی واقعہ کو اس طرح پر بنا لیا کہ اصحاب کہف

[illegible] برس بعد سونے سے اٹھے یا مردہ سے زندہ ہو گئے اور انہیں میں کا ایک شخص

[illegible]

Marfat.com

[illegible]

پھر کسی ... [illegible]

کہا کہ مسلم بغیر کسی نقصان کے ... [illegible]

ایسے واقعات میں اس قسم کی افواہیں اڑ جاتی ہیں اور ...

روایتیں بن جاتی ہیں اور کتابوں میں لکھی جاتی ہیں اور مذہبی لگاؤ سے

لوگ اُس کو مقدس سمجھتے ہیں اور معجزہ اور کرامات قرار دیتے ہیں ۔

قرآن مجید میں جس قدر اس قصہ کا بیان آیا ہے وہ بالکل سیدھا

اور صاف ہے بلکہ خدا نے اُس قصہ کو اسی مقصد سے بیان کیا

ہے کہ جو غلط باتیں اور عجائبات اُس قصہ کے ساتھ ...

اُن کی غلطی ظاہر ہو یا ان کی تکذیب کی جاوے اور بتا دیا جاوے کہ

اصل واقعہ کیا ہے ۔

مگر افسوس ہے کہ مفسرین نے جن کے کان انہی بیہودہ افواہی

روایتوں سے بھرے ہوئے تھے اور عیسائی بھی اور ان سے ...

عرب اور ایشیا کے لوگ بھی اس قصہ کو عجائبات یا کرامات اور معجزات

کے طور پر بیان کرتے تھے قرآن مجید کی آیتوں کی بھی وہی تفسیر کی

جس سے خود خدا انکار کرتا تھا۔ فمثلهم كمثل الذى قتل القتول

بما لا يرضى قائله ۔

تمام مفسرین کی سوائے معتزلہ کے یہ عادت ہے کہ اپنی تفسیروں

میں محض بے سند اور افواہی روایتوں کو بلا تحقیق لکھتے چلے جاتے

ہیں اور ذرا بھی تحقیق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ علاوہ اس کے

انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ جہاں تک ...

Marfat.com

تفسیر الآیات من القرآن العظیم

فی قصۃ

اصحاب الکہف و الرقیم

سب سے اول اس امر کا تصفیہ کرنا چاہیئے کہ اصحاب کہف و رقیم کا ایک ہی گروہ پر اطلاق ہوا ہے یا دو مختلف گروہوں پر یعنی جن لوگوں پر اصحاب کہف کا اطلاق ہوا ہے انھیں پر رقیم یعنی اصحاب رقیم کا اطلاق ہوا ہے یا اصحاب کہف ایک جدا گروہ تھا اور اصحاب رقیم جدا گروہ ۔ جو کچھ بحث ہو سکتی ہے وہ رقیم کے لفظ پر ہو سکتی ہے ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے جیسا کہ تفسیر بیضاوی اور اور کتابوں میں بھی لکھا ہے کہ اصحاب الرقیم ایک جدا گروہ تھے اور وہ تین شخص تھے کہیں جاتے تھے رستہ میں مینہ آیا ایک پہاڑ کے غار میں جو بیٹھے اوپر سے پہاڑ گرا اور غار کا مونھ بند ہو گیا - ان لوگوں نے خدا کے سامنے عاجزی کی اور اس مصیبت سے نکلنے کی دعا مانگی کچھ عرصہ کے بعد جو پتھر پہاڑ کا اوپر سے پھسل گرا تھا اور جس نے غار کا مونھ بند کر دیا تھا اور وہ نیچے کو پھسل گیا اور غار کا مونھ کھل گیا ۔

یہ قصہ امام محمد اسمعیل بخاری نے بھی اپنی کتاب صحیح بخاری میں بیان کیا ہے مگر کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس مقام پر لفظ رقیم سے اُن لوگوں کے قصہ کی طرف اشارہ نہیں ہے ؛

اول تو اس لیئے کہ اُس گروہ پر اصحاب الرقیم کا اطلاق نہیں ہوا۔ دوسرے یہ کہ خدا تعالی نے اس مقام پر دو گروہ کے قصّے نہیں بیان کیئے بلکہ صرف ایک گروہ کا قصہ بیان کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب کہف و رقیم ایک ہی گروہ کا لقب تھا ؛

ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ جہاں خدا نے اصحاب کہف کی تعداد میں لوگوں کا اختلاف بیان کیا ہے کہ کوئی تو کہتا ہے کہ وہ تین شخص تھے کوئی کہتا ہے کہ پانچ تھے کوئی کہتا ہے سات تھے پس بعض لوگوں نے تین کی تعداد پر خیال کر کے رقیم کے لفظ سے اس گروہ کا اشارہ سمجھا جن کی تعداد تین تھی اور وہ بھی پہاڑ کے غار میں اوپر سے پتھر گرنے کے سبب بند ہو گئے تھے۔ مگر جیسا کہ ہم نے بیان کیا نہ کوئی وجہ پائی جاتی ہے اور نہ اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ ان لوگوں پر اصحاب الرقیم کا اطلاق ہوا ہو البتہ قسطلانی شرح صحیح بخاری میں شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب نے اصحاب الغار کا اُن پر اطلاق کیا ہے مگر اصحاب الرقیم کا کسی نے اطلاق نہیں کیا ؛

بیضاوی اور نیز اور مورخوں اور مفسروں نے رقیم کے معنوں میں اختلاف کیا ہے بعضوں نے کہا کہ جس پہاڑ میں اصحاب کہف

Marfat.com

[illegible] اس کا [illegible] سے [illegible] جو [illegible] وہ چھا [illegible]
[illegible] سے [illegible] کیا [illegible] وہ چھا [illegible] اس [illegible]
[illegible] جو [illegible] شاہیں میں اس لیے کہ [illegible]
[illegible] وہ [illegible] الا [illegible] سے [illegible]
[illegible] کا قول [illegible] سے [illegible] کا [illegible] اور [illegible]
[illegible] الصاحب [illegible] الرقیم [illegible]
اس [illegible] سے [illegible] ولیس [illegible] الا الرقیم تھا اور [illegible] اس [illegible]
[illegible] سے [illegible] جو [illegible] سے [illegible]
[illegible] مشہور [illegible] ہوگا [illegible] کے [illegible]
[illegible] شعر [illegible] ہ

[illegible] کے [illegible] سے [illegible] کے [illegible]
[illegible] سے [illegible] الرقیم [illegible]
[illegible] الرقیم [illegible] سے [illegible]
[illegible] الحول سے [illegible] سے روایت [illegible]
[illegible] اصحاب کہف کا [illegible] کے [illegible]
[illegible] اصحاب الرقیم کے [illegible]
[illegible] کے [illegible] صدی کے [illegible]
[illegible] اس [illegible]
[illegible] کیا [illegible] سے [illegible]
[illegible] اصحاب الرقیم کا [illegible] صحیح درست [illegible] اور [illegible]
[illegible] سے [illegible] التصحیح [illegible] ہ

تمام مفسرین قصہ اصحاب کہف کی شان نزول میں لکھتے ہیں کہ نضر بن الحارث اور عقبہ بن ابی معیط مدینہ کے یہودیوں کے علماء کے پاس گئے اور ان سے آنحضرت صلعم کے حالات کہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ تم ان سے تین سوال کرو اگر وہ جواب دیں تو نبی ہیں اور نہیں تو نہیں ؛

ایک یہ کہ چند جوان جو اگلے زمانہ میں گذرے ان کا کیا حال ہے۔

ایک یہ کہ اس شخص کی جو بڑا پھرنے والا تھا اور زمین کے مشرق و مغرب تک پہونچا تھا اس کے حالات کیا ہیں ؛

ایک یہ کہ روح کیا ہے ؛

پہلے سوال کے جواب میں اصحاب کہف کا قصہ نازل ہوا مگر یہ سب غلط ہے نہ اس تمہید کی جو سوالات کے باب میں بیان ہوئی کوئی سند ہے اور نہ اس بات کی طرف کہ اصحاب کہف کے قصہ کی نسبت کسی نے سوال کیا تھا کوئی اشارہ ہے ذوالقرنین کا حال اور روح کی ماہیت بلاشبہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھی تھی اور قرآن مجید میں اس کی طرف اشارہ ہے جہاں فرمایا ہے۔ یسئلونک عن ذی القرنین۔ یسئلونک عن الروح ؛

مگر اصحاب کہف کے قصہ میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے پایا جاوے کہ وہ قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا تھا۔ معہذا نبی ہونے کی شناخت ان سوالوں کے جواب پر منحصر کرنا کیسی ایک لغو اور بیہودہ بات ہے ؛

اس روایت میں ایک صریح غلطی یہ ہے کہ اصحاب کہف کا قصہ یہودیوں کا یا یہودی مذہب کا قصہ نہیں ہے بلکہ عیسائی مذہب کے لوگوں کا قصہ ہے پس اُس کی نسبت علماء یہود سے پوچھنا یا علماء یہود کا اُس کی نسبت سوال بتانا اور اُس کے جواب پر آں حضرت کا نبی ہونا منحصر کرنا کیسا غلط ہے ٭

علاوہ اس کے یہ قصہ کچھ بہت پرانا قصہ نہیں آنحضرت صلعم کے زمانہ سے تھوڑے زمانہ پہلے کا ہے جیسے کہ آیندہ معلوم ہوگا۔ معہذا یہ قصہ عرب جاہلیت کو بھی معلوم تھا جیسے کہ اُمیہ بن ابی الصلت جاہلی کے شعر سے پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے :-

ولیس بہا الا الرقیم مجاورا ٭ وصیدہم والقوم فی الکهف ھمدُ

پس ایسے قصہ کو پوچھنا اور اُس پر نبی ہونے کو منحصر کرنا کسی طرح سمجھنے کے قابل نہیں ہے -

علاوہ اسکے خود قرآن مجید سے پایا جاتا ہے کہ قبل اس کے کہ خدا تعالے اس قصہ کی حقیقت بتلاوے آں حضرت صلعم اس قصہ کو مع اُن عجائبات کے جو لوگوں نے اُسمیں شامل کر دیئے تھے سُن چکے تھے اور متعجب ہوئے تھے خدا نے کہا اسلئے محمد کیا تو نے سمجھا ہے کہ اصحاب کہف و رقیم میری عجیب نشانیوں میں تھے۔ اور جبتک کہ آنحضرت نے وہ قصہ معہ اُن عجائبات کے جو لوگوں نے اُس میں شامل کر لیئے تھے نہ سُن لیا تو خدا کا یہ فرمانا کہ کیا تو نے اُس کو عجیب سمجھا ہے صحیح نہیں ہو سکتا بے جانی ہوئی چیز پر نہیں کہا جا سکتا کہ کیا تو نے اُسکو عجیب جانا ہے ٭

یہ کہانی کہ قریش نے احبار یہود کے کہنے سے آنحضرت صلعم سے تین سوال

Marfat.com

کہے تھے اور آپ نے فرمایا کہ میں کل اس کا جواب دوں گا مگر انشاء اللہ
تعالیٰ نہ کہا اور پندرہ روز تک نہ جبرئیل آئے نہ وحی لائے اور قریش
ایسی ویسی باتیں بنانے لگے اور آنحضرت صلعم ملول و متفکر ہوئے
محض غلط اور ساختہ کہانی ہے اور حدیث کی کسی معتبر کتاب میں یہ
روایت نہیں ہے ؛

لوگوں کی عادت ہے کہ جہاں قرآن مجید کی کسی آیت میں اس قسم کا
کوئی لفظ دیکھا جس پر کوئی قصہ مبنی ہو سکتا ہے اسکی مناسبت سے
ایک قصہ روایت کرنے لگے اور ہمارے مفسرین نے ان روایتوں
کو اپنی تفسیروں میں نقل کرنا شروع کیا۔ اسی سورہ میں یہ آیت ہے کہ
" اور تو کبھی نہ کہنا کسی چیز کے لیے کہ میں اس کو کل کروں گا بغیر
انشاء اللہ کہے اور یاد کر اپنے پروردگار کو جب تو بھول جاوے " ؛

اس آیت سے لوگوں نے یہ قصہ بنایا کہ قریش نے یہ قصہ پوچھا تھا
اور آپ نے وعدہ کیا تھا کہ میں کل جواب دوں گا مگر انشاء اللہ نہیں
کہا تھا اس پر خدا روٹھ گیا اور دو ہفتہ تک وحی نہیں بھیجی نعوذ باللہ
من هذه الشطیات ؛

اول تو غدا کے معنی کل کے یعنی دوسرے دن کے قرار دینا غلط ہیں
ہے غد اور غدا کا استعمال زمانہ مستقبل غیر معین و غیر محدود پر ہوتا ہے خدا تعالیٰ
سورہ لقمان میں فرمایا ہے کہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اس میں
غدا کے لفظ سے جس کا ترجمہ کل اور (غدا) ہے دوسرا دن مراد
نہیں ہے بلکہ اس سے زمانہ مستقبل یعنی آنے والا زمانہ مراد ہے
مطلب یہ ہے کہ کوئی نہیں جانتا کہ آئندہ وہ کیا کرے گا ؛

Marfat.com

زمانہ جاہلیت میں بھی غد کے لفظ کا اس معنی میں استعمال ہوتا تھا جیسے کہ زیاد ابن معاویہ المعروف بالنابغہ الذبیانی جاہلی شاعر نے کہا ہے :-

لا مرحبا بغدٍ ولا اهلاً بہ ٭ ان کان تفریق الاحبۃ فی غد

پس اس آیت میں جو لفظ غداً کا ہے اُس کے معنی دوسرے دن کے نہیں ہیں خدا نے فرمایا کہ جب تم آیندہ زمانہ میں کسی کام کے کرنے کو کہو تو اُس کے ساتھ انشاء اللہ کہہ لیا کرو۔ لوگوں نے اس خیال سے کہ یہ آیت سورۂ کہف کی آیتوں میں شامل ہے اور غدا کا لفظ اُس میں آیا ہے اور لوگوں کا ذی القرنین کی نسبت اور روح کی نسبت بھی سوال کرنا قرآن میں مذکور ہے ایک روایت جس کی کوئی سند نہیں ہے بنا کھڑی کی گئی ہے جسے مفسروں نے اپنی تفسیر وں میں نقل کرنا شروع کر دیا۔

خدا تعالیٰ نے اس مقام پر اصحاب کہف کے قصہ کو آخر تک بیان نہیں کیا بلکہ صرف اُسیقدر بیان کیا ہے جہاں تک اُس بات سے علاقہ رکھتا ہے جس سے اس قصہ کا عجیب و غریب اور مافوق الطبیعت ہونا لوگوں نے بیان کیا ہے باقی قصہ کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ اُس کے بیان کی ضرورت نہ تھی اس لیئے جب مقام پر اُس قصہ کو چھوڑا اپنے پیغمبر کو نصیحت کی ہے کہ جو کام آیندہ کو کرنا ہو بغیر انشاء اللہ کہے مت کہو کہ میں کر دوں گا اور اگر انشاء اللہ کہنا بھول جاوے تو اُسکو یاد کر لے یعنی یاد آنے پر کہہ لے یہ جملہ اس مقام پر اس لیئے فرمایا کہ خدا نے قصہ کو ناتمام چھوڑ کر اپنے پیغمبر سے فرمایا کہ یہ کہہ دے کہ ہدایت کرے مجھ کو میرا پروردگار اس سے بھی قریب زیادہ ٹھیک بات کی یعنی جو قصہ باقی

[illegible] گیا ہے اس لیے تحقیق طلب ہے [illegible] کی اولادی کے بعد [illegible] کر [illegible] اتنی مدت سے [illegible] شان نزول [illegible] قاضی عبدالجبار معتزلی نے بھی اس شان نزول پر اعتراض کیا ہے کہ یہ شان نزول صحیح نہیں ہے [illegible] اس قصہ کی بنا پر [illegible] خود قرآن مجید [illegible] کہ آنحضرت صلعم نے کانوں سے [illegible] [illegible] عجیب [illegible]

[illegible]

مگر ان دونوں دلیلوں میں غلطی ہے [illegible] تمام حکایات [illegible] اس کے تمام [illegible] عجیب ہیں [illegible] ان کا [illegible] جو [illegible]

آیت میں اُس کے عجیب ہونے کی نفی سے یہ مراد ہے کہ وہ ایک معمولی واقعہ ہے جو انسانوں پر گذرا ہے اُس میں تعجب کرنے کی کوئی بات نہیں ۔

دوسرا استدلال کہ اور کام خدا کے اُس سے بھی زیادہ تر عجیب ہیں اس سے لیئے گو کہ وہ قصہ عجیب ہے مگر اُس کو عجیب نہ سمجھو اور بھی بالکل مہمل اور بے معنی ہے آیت میں اُس کے عجیب ہونے کی نفی کی گئی ہے اُس میں لفظ عجبا ہے اگر اعجبا کا لفظ ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ نفی زیادہ تر عجیب ہونے سے متعلق ہوتی اور قصہ کا فی نفسہ عجیب ہونا باقی رہتا مگر جبکہ عجیب ہونے کی ہی نفی ہے تو بجز اس کے کہ وہ ایک عام واقعہ ہو جو دنیا میں ہوتے ہیں اور کوئی صفت تعجب اُس میں باقی نہیں رہتی ۔ بلاشبہ خدا تعالیٰ کی تمام نشانیاں اور اُس کی تمام مخلوقات آسمان و زمین انسان و حیوان چیونٹیاں اور جھینگے سب عجیب ہیں لیکن باعتبار نفس خلقت کے فی نفسہ عجیب ہونا دوسری چیز ہے جو امور کہ موافق عادت کے ہوتے ہیں گو وہ فی نفسہ عجیب ہوں مگر عادت کے موافق ہونے پر اُن سے کوئی تعجب نہیں ہوتا ۔ تعجب جب ہی ہوتا ہے جب کوئی چیز خلاف عادت وقوع میں آوے ۔ پس یہ آیت جو تعجب کی نفی پر دلالت کرتی ہے وہ اسی تعجب کی نفی کرتی ہے جو کسی امر کے خلاف عادت ظہور میں آنے سے ہوتا ہے حاصل یہ ہے کہ اصحاب کہف میں کوئی بات تعجب کرنے کے لایق نہیں ہے اُن پر کوئی واقعہ خلاف عادت جس سے تعجب ہو جیسا کہ لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے نہیں گذرا وہ مثل اور انسانوں کے انسان تھے

Marfat.com

اور جیسے واقعات انسانوں پر گزرتے ہیں ویسے ہی اُن پر بھی گزرے تھے کوئی امر خلاف عادت جو تعجب انگیز ہو نہیں ہوا ۔

اب یہ امر قابل غور ہے کہ قرآن مجید میں اس قصہ کو دو ٹکڑے کرکے بیان کیا ہے پہلی دفعہ بہت ہی مختصر طور پر اُس کو کہدیا ہے اور صرف وہی خاص مقام بیان کیا ہے جس کے سبب وہ قصہ عجیب ہو جاتا ہے اور پہلی آیت میں اُس کے عجیب ہونے کی نفی کی تھی اور اُس کے ساتھ کوئی ایسا لفظ بھی نہیں ہے جو اُس قصہ کے واقعی ہونے پر اشارہ کرتا ہو ۔

برخلاف اس کے جہاں پر قصہ شروع کیا ہے اُسکی ابتدا میں فرمایا ہے[1] کہ ہم بیان کرتے ہیں تجھ پر اُن کا ٹھیک واقعی قصہ پس پہلے بیان کی نسبت جو خدا تعالیٰ نے اُس کا بیان کرنا اپنی طرف نسبت نہیں کیا اور دوسرے بیان کو حق بتایا اور اپنی طرف نسبت کیا اسکے لیے کوئی وجہ ہونی چاہیے ۔

تفسیر کبیر میں[2] لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اُنکے قصے کا ایک ٹکڑا بیان کیا پھر کہا کہ ہم بیان کرتے ہیں تجھ پر اُن کا ٹھیک یعنی سچا قصہ مگر صاحب تفسیر کبیر نے بھی کوئی وجہ نہیں بیان کی کہ ان دونوں بیانوں میں کیوں اس طرح تفریق کی ہے مگر یہ لفظ صاف اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ پہلے جس قدر بیان ہوا وہ قصہ وہ نہیں ہے جس کے بتانے کا خدا نے ارادہ کیا تھا بلکہ پہلے وہ بیان کیا ہے جو لوگوں میں مشہور تھا اور جس سے وہ قصہ عجیب ہو گیا تھا اور پھر واقعی قصہ بیان کیا ہے جس میں تعجب انگیز نہیں ہے اور دونوں کے مقابلہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے

[1] نحن نقص علیک نبأهم بالحق (سورۂ کہف)

[2] اعلم انہ تعالیٰ ذکر من قبل جملۃ من واقعتہم ثم قال نحن نقص علیک نبأهم بالحق ای علی وجہ الصدق (تفسیر کبیر)

Marfat.com

کہ جس امر کو لوگوں نے باعث تعجب اس قصہ میں قرار دے رکھا تھا وہ واقعی نہیں ہے ۔

لوگوں نے جس طرح اس قصہ کو تعجب انگیز بنا لیا تھا خدا نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے کہ "جب وہ چند جوان کہف میں آ گئے تو انہوں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنے پاس سے رحمت دے اور طیار کر دے ہمارے لئے ہمارے کاموں میں بھلائی پھر ہم نے مار دیا ان کے کانوں پر کہف میں گنتی کے برسوں تک پھر ہم نے ان کو اٹھایا تاکہ ہم جانیں کہ دونوں گروہوں میں سے کون سا گروہ خوب یاد رکھنے والا ہے اس کے رہنے کی مدت کو ۔"

لوگوں نے جو اس قصہ میں تعجب انگیز بات بنائی تھی وہ یہ تھی کہ جب وہ کہف میں گئے تو [illegible] سو برس [illegible] میں سے کہ ان پر غشی چھا گئی [illegible] محمد بن اسحاق کا قول تفسیر ابن جریر میں نقل کیا ہے کہ خدا نے [illegible] ان کو وفات دی [illegible] میں روحوں کو [illegible] پس [illegible] جو اس [illegible] کر دیا جس [illegible] اور کانوں [illegible] حالت [illegible] غش [illegible]

[illegible]

ان اختلافات مدت کے لیئے کوئی لفظ سنین عدد سے زیادہ جامع نہیں ہو سکتا تھا ۔

پھر لفظ بعثنا بھی ایسا ہی جامع ہے کہ جو لوگ اُن کو سوتا ہوا سمجھتے تھے تو سوتے سے اٹھنے پر بھی بعث کے لفظ کا اطلاق ہو سکتا تھا غوش سے افاقہ ہونے پر بھی اطلاق ہو سکتا تھا اور مُردہ ہو کر زندہ ہونے پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا تھا اور یہ لفظ لوگوں کے تمام خیالات کے جامع تھے ۔

ضرب علی الاذان اور بعث کو خدا نے اس مقام پر اپنی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے فضربنا علی اذانہم ۔ ثم بعثناہم اس کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگ بھی جنہوں نے اس قصہ کو عجیب بنایا تھا اور وہی روایتیں جو بنی آتی تھیں وہ بھی اُن کا سُلانا یا غش میں ڈالنا یا مُردہ کر دینا اور پھر اٹھانا یا جلانا خدا ہی کی طرف منسوب کرتے تھے اس لیئے اس مقام پر بھی خدا نے اُسکو اپنی طرف منسوب شدہ بتایا ہے

پس جو عجیب چیز اس قصہ میں بنائی گئی تھی وہ اصحاب کہف کا اس قدر مدت دراز تک سوتے رہنا یا غش میں پڑے رہنا یا مرے ہوئے ہو کر جی اٹھنا تھا ۔ جبکہ خدا تعالیٰ نے پہلی آیت میں اس قصہ کے عجیب ہونے کی نفی کی تھی تو اس سے اُن کے اس قدر مدت تک سوتے رہنے یا غش میں پڑے رہنے یا مردہ ہو کر زندہ ہونے کی نفی لازم آتی ہے ۔

اس کی تائید خود قرآن مجید کی اگلی آیتوں سے ہوتی ہے جہاں سے خدا تعالیٰ نے خود اُن کا واقعی و سچا قصہ بیان کرنا شروع کیا ہے اور جس کی ان

Marfat.com

اِس قدر زمانۂ دراز تک سوتے رہے یا غش میں پڑے رہے یا مُردہ رہنے کا مطلق ذکر نہیں ہے نتیجہ اِس بحث کا یہ ہے کہ یہ جو لوگوں میں مشہور تھا کہ اصحاب کہف اس قدر مدت دراز تک سو کر یا غش میں پڑے رہ کر یا مُردہ رہکر زندہ ہوئے صحیح نہیں تھا ۔

اب خدا تعالیٰ صحیح قصہ اصحاب کہف کا بتاتا ہے اور فرماتا ہے کہ "ہم بیان کرتے ہیں تجھ پر اُن کا سچا قصہ ہاں وہ چند جوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے اُن کو زیادہ ہدایت کی تھی اور مضبوط کر دیا تھا اُن کے دلوں کو جبکہ وہ کھڑے ہوئے (یعنی جابر اور بُت پرست بادشاہ کے سامنے جو بت پرستی پر اُن کو مجبور کرتا تھا) اُنھوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے ہم اُس کے سوا کسی اَور کو خدا نہیں پکارتے اور جب ہم نے ایسا کہا (یعنی کسی دوسرے کو خدا کہا) تو ہم نے بیہودہ بات کہی ۔ اس کے بعد اُنہوں نے آپس میں کہا کہ "ہماری اِس قوم نے اللہ کے سوا خدا ٹھہرائے ہیں کیوں نہیں لاتے اُن کے خدا ہونے پر صاف دلیل پھر کون شخص زیادہ ظالم ہے اُس سے جس نے بہتان باندھا خدا پر جھوٹ اور جب تم اُن سے الگ ہو جاؤ اور اُس سے جس کی وہ عبادت کرتے ہیں اللہ کے سوا تو چل رہو کہف میں تاکہ وسیع کر دیوے تمہارے لیئے تمہارا پروردگار اپنی رحمت کو اور طیار کرے تمہارے لیئے تمہارے کاموں میں آرام کا ذریعہ ۔

اب خدا تعالیٰ اُس کہف کا حال بتاتا ہے جس میں اصحاب کہف جا کر رہے تھے کہ "تو دیکھے آفتاب کو جب وہ طلوع کرے تو وہ اُن کے کہف سے

دائیں جانب کو مائل ہوگا اور جب غروب کرے تو ان کو کاٹتا ہوا بائیں طرف کو جاویگا اور وہ کہف کی کشادگی میں ہیں ۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کہف کا موقع جانب شمال تھا اور لوگوں نے بھی اس کے مقابل جانب بنات النعش کہا ہے جو آسمان پر جانب شمال چند کواکب ہیں اب جبکہ تم اپنا منہ جانب شمال کرو تو مشرق تمہارے دائیں ہاتھ کو ہوگی اور مغرب بائیں ہاتھ کو اور سورج جو مشرق سے نکلے گا تمہارے پر ہوتا ہوا یعنی گویا تمہارے مقام سکونت کو کاٹتا ہوا تمہارے بائیں ہاتھ کی طرف غروب کو چلا جاویگا یہ حال خدا نے اس لیے بیان کیا تا کہ سمجھیں اور جانیں کہ اس کہف یعنی پہاڑ کی کھوہ میں بالکل اندھیرا تھا اور سورج کی روشنی کسی طرح نہیں جا سکتی تھی ۔

پہاڑ میں جو اس قسم کی کھوہ ہوتی ہے وہ دور تک لمبی اور تنگ چلی جاتی ہے اور کسی مقام پر چوڑی ہو جاتی ہے اسی چوڑی جگہ پر خدا نے فرمایا ہے کہ "وهم فی فجوة منه" یعنی اصحاب کہف اس کھوہ کی چوڑی جگہ میں تھے ۔

اس کے بعد خدا فرماتا ہے کہ یہ ہے اللہ کی نشانیوں میں سے جس کو خدا ہدایت کرے وہی ہدایت پانے والا ہے اور جس کو گمراہ کرے پھر تو اس کا کوئی دوست راہ بتانے والا نہیں پاوے گا ۔

اگر کوئی یہ سمجھے کہ خدا تعالی نے اصحاب کہف کو یا اس پہاڑ کی کھوہ کو یا اصحاب کہف کے وہاں جا رہنے کو اللہ کی نشانیوں میں سے قرار دیا ہے تو یہ محض غلطی ہوگی کیونکہ اس کے آگے جو الفاظ ہیں "من یهد الله فهو المهتد ومن یضلل فلن تجد له ولیا مرشدا"

١٧ ذلک من آیات الله من یهد الله فهو المهتد ومن یضلل فلن تجد له ولیا مرشدا (سورۂ کہف)

Marfat.com

وہ صاف بتاتے ہیں کہ اصحاب کہف جو اپنے ایمان پر اور خدا پرستی پر مستحکم تھے اور خدا نے نہایت سختی اور جبر میں بھی جو بت پرست بادشاہ کیطرف سے بتوں کے پوجنے پر ہوتے تھے اُن کے دلوں کو مضبوط رکھا اُس کی نسبت خدا نے فرمایا ذٰلک من اٰیٰت اللّٰہ ؞

اب خدا تعالیٰ اصحاب کہف کی حالت بیان کرتا ہے کہ تو انکو اگر دیکھے تو گمان کرے کہ وہ جاگتے ہیں حالانکہ وہ سوتے ہیں اور ہم اُن کو داہنی کروٹ اور بائیں کروٹ پر بدل دیتے ہیں اور اُن کا کتا کھوہ کے دہانہ پر ہاتھ پھیلائے ہوئے بیٹھا ہے ؞

خدا تعالیٰ نے اس سے پہلے اصحاب کہف کا پہاڑ کی کھوہ میں جانا بیان کیا ہے اُس کے بعد اُس کھوہ کی حالت بیان کی ہے اور اب اصحاب کہف کی حالت بیان فرمائی ہے ۔ پس یہ حالت اُنکی تب کی ہے جبکہ اصحاب کہف کھوہ میں گئے تھے نہ زمانہ موجودہ کی یا اُسکے کسی زمانہ کے بعد کی ۔ نقلبہم الفاظ کی نسبت مفسرین نے بہت سی بے اصل باتیں لکھی ہیں الا قرآن مجید سے جو اسکی تفسیر پائی جاتی ہے وہ صرف خدا کا یہ فرمانا ہے کہ نقلبہم ذات الیمین و ذات الشمال اور یہی بات سچ ہے وہ پتھریلی کھوہ میں جاکر سوتے تھے اور اُسکے سبب سے گھڑی گھڑی کروٹیں بدلتے ہوں گے اور اُن کی اس تکلیف کو خدا نے اس طرح پر ظاہر فرمایا ہے ؞

اُسکے بعد خدا تعالیٰ اُس وحشت اور خوفناک حالت کو جس میں اصحاب کہف پہاڑ کی کھوہ میں جاکر چھپنے سے مبتلا ہوئے تھے بتاتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر تو اُن کو دیکھتا تو اُن سے اُلٹا بھاگتا اور تجھ پر اُن سے رعب چھا جاتا ۔ مفسرین نے اس آیت

وتحسبہم ایقاظا وہم رقود ونقلبہم ذات الیمین و ذات الشمال وکلبہم باسط ذراعیہ بالوصید (سورہ کہف)

لو اطلعت علیہم لولیت منہم فرارا ولملئت منہم رعبا (سورہ کہف)

Marfat.com

کی نسبت بھی بہت سی اتفاقی اور سچے مستند روایتیں لکھی ہیں اور اُنکی
اس حالت کو بالاہتمام بیان کیا ہے اور بیان کرتے ہیں کہ کس طرح
صاف خیال سے [illegible] ایک شکل کی اُس وقت کی حالت کو جب وہ [illegible]
صورت میں گئے تھے بیان کیا ہے اسی طرح اس وقت کی [illegible]
درست [illegible] حالت کو ظاہر فرمایا ہے ۔

قرآن مجید [illegible] کا مرتبہ [illegible] کسی گذشتہ [illegible]
[illegible] تو [illegible] چاہتا ہے تو گذشتہ واقعہ کی موجودہ [illegible]
تفصیل سے [illegible] الحمد [illegible] فیما فعل [illegible]
[illegible] ۔

[illegible] ۱۸ [illegible]
[illegible] ایک دوست سے ملنے کو [illegible] گیا [illegible]
[illegible] قریب سمندر کی کھاڑی کے کنارے [illegible]
[illegible] ہے اُس میں ایک کھوہ ہے جس میں کسی اگلے
زمانہ میں کوئی مرتاض یعنی عیسائی درویش رہتا تھا میں اُس کھوہ کو
دیکھنے گیا تھا وہ کچھ بہت بڑی تھی کئی سو فیٹ کی لمبی ہوگی مگر ایسی
تاریک تھی کہ کوئی چیز یہاں تک کہ پاس کا آدمی بھی دکھائی
نہیں دیتا تھا۔ جو شخص اُس کے دکھانے کو ہمارے ساتھ تھا مہربانی
سے روشنی لایا کہ جو روشنی کے ذریعہ سے اُس میں جاویں۔ قریباً
نصف راستہ نے طے کیا ہوگا کہ اس زور سے اور عجیب نفرت انگیز
آواز سے ہوائی شروع ہوئی جس نے ہم کو پریشان کر دیا اور جو روشنی
ساتھ تھی وہ گل ہوگئی ہم آگے نہ گئے اور واپس چلے آئے [illegible]

اُس کھوہ میں سمندر کی جانب کوئی سوراخ یا موکھا ہے اُس میں سے یہ شدید ہوا آتی ہے - جو شخص ہمارے ساتھ تھا اُس نے بیان کیا کہ تھوڑی دور آگے قریبًا دو ڈھائی گز چوڑی ایک جگہ ہے اُس میں ہر مسٹ رہتا تھا - مَیں سمجھتا ہوں کہ اسی قسم کی جگہ پر سورۂ کہف میں خدا تعالے نے وھم فی فجوۃ منہ کا اطلاق کیا ہے ؛

یہانتک صرف اِستدلالات قرآن مجید سے پائی گئی کہ اصحاب کہف ایک بت پرست بادشاہ کے خوف سے بھاگے اور پریشانی کی حالت میں ایک وحشت انگیز جگہ میں جو پہاڑ کی تنگ و تاریک کھوہ تھی جا کر چھپے وہاں سو رہے پھر خدا نے اُن کو جگایا یعنی وہ جاگے چنانچہ خداوند تعالے فرماتا ہے "اور اسی طرح ہم نے اُن کو اٹھایا تا کہ وہ آپس میں پوچھیں اُن میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم کتنا سوئے اُنھوں نے کہا ایک دن سوئے یا ایک دن سے کچھ کم وہ بولے کہ تمہارا پروردگار جانتا ہے کہ تم کتنا سوئے ؛

پہاڑ کی کھوہ جس میں وہ جا کر چھپے [illegible] کی [illegible] نہیں [illegible] [illegible] پوچھا [illegible] [illegible] کہا [illegible] کچھ کم سوئے [illegible] [illegible] تھے اُنھوں نے کہا خدا معلوم کتنا سوئے ؛

یہاں [illegible] پہاڑ کی [illegible] جا [illegible] [illegible] مقام [illegible] قصہ

وکذالک بعثناھم لیتساءلوا بینھم قال قائل منھم کم لبثتم قالوا لبثنا یوما او بعض یوم قالوا ربکم اعلم [illegible]

میں جس کی نسبت خدا نے کہا نحن نقص علیک نبأهم بالحق کوئی
اشارہ اس بات کا ہے کہ اُن کا سوتے رہنا زمانہ طویل غیر عادی اور
غیر قیاسی اور غیر طبعی تک ہوا تھا بلکہ تمام سیاق سے پایا جاتا ہے
کہ وہ کھوہ میں چھپے وہاں سو رہے اور معمولی قاعدہ پر اُٹھے آپس میں
پوچھنے لگے کہ کتنا سوئے ؛

بعض مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ ہر گاہ اُن کے اُٹھنے
کی علت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ آپس میں سوال کریں کہ کتنا سوئے تو
زمانہ نوم میں ضرور کوئی ندرت ہوگی اور اُس ندرت کو نوم زمانہ طویل قرار
دیا ہے ۔ مگر یہ اُن کی محض غلطی ہے ایک امر کے بعد دوسرے امر کو
جو اُس کے متصل واقع ہوا ہو لام کے ساتھ بیان کرنے سے یہ
لازم نہیں آتا کہ دوسرا امر اُس کی علت ہو قرآن مجید کا سیاق کلام
ایسا ہی ہے کہ ایک واقعہ کے بعد جو دوسرا واقعہ ہوتا ہے اُس کو
لام کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے جس سے کہ تعقیب مراد ہے نہ علت
چنانچہ قرآن مجید میں بہت جگہ یہ لام آتا ہے دوسری آیت ماقبل کی [illegible]
[illegible] سورۃ میں خدا نے فرمایا ہے ثم بعثناهم لنعلم ای الحزبین
احصی لما لبثوا امدا اُن کے زمانہ نوم کی نسبت اُن کے اُٹھنے کا
[illegible] اُسکے [illegible] تمام قرآن مجید میں اس سے [illegible]
[illegible] وما جعلنا القبلة التی
کنت علیها الا لنعلم من یتبع الرسول [illegible] وما کان
له علیهم من سلطان الا لنعلم من یؤمن بالآخرة [illegible]
[illegible] فالتقطه آل فرعون لیکون لهم [illegible]

Marfat.com

پس جیسا کہ ان کے جاگنے کی مدت اُن کا باہم سوال کرنا تھا جو لبثتم [illegible] کی اُن مفسرین نے سمجھی کہ وہ کیسی ہی [illegible] [illegible] کا [illegible] بھی [illegible] بہت واقعہ [illegible] [illegible] ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ کتنا سوئے [illegible] [illegible] [illegible] سوال [illegible] [illegible] [illegible] گذشتہ والوں [illegible] [illegible] اس مقام پر جہاں لیے لوگوں [illegible] [illegible] وقت [illegible] [illegible] اُن کا [illegible] علی اذانہم فی الکہف سنین عددا ثم بعثناہم [illegible] [illegible] مقصود تھا [illegible] جنھوں نے سمجھ لیا کہ [illegible] [illegible] ہوگئے حالانکہ اس [illegible] خدا تعالیٰ [illegible] اُن کا سونا اور پھر جاگنا سلسلہ وار [illegible] [illegible] بیان کیا ہے ؛

شروع قصہ میں خود خدا تعالیٰ نے قصہ کے [illegible] کردی تھی اور اسکا عجیب ہونا صرف [illegible] [illegible] [illegible] صحیح اور واقعی قصہ میں خدا تعالیٰ نے اُن کا [illegible] [illegible] کا ذکر نہیں فرمایا پس اس مقام پر بھی اُس غلط شہرت [illegible] [illegible] [illegible] ہے ؛

[illegible] — تھے تو انھوں نے کہا کہ بھیجو اپنے میں سے ایک کو اپنے پاس [illegible] [illegible] [illegible] اچھا کھانا ملتا ہے اور اُسمیں سے تمہارے لیے کھانا [illegible] [illegible] تمہاری خبر کرے بیشک اگر وہ تمپر [illegible]

تو تمہیں مار کر مار ڈالیں گے یا تمکو اپنے مذہب میں پھیر لیں گے اور
اُس وقت تم کبھی فلاح نہیں پاؤ گے ۔

اسکی تصریح قرآن مجید میں نہیں کہ وہ صرف ایک ہی دفعہ کھانا لینے
گیا یا اسی طرح متعدد دنوں تک کھانا لایا کرتا تھا۔ مگر تفسیر معالم التنزیل میں
حسین [illegible] کی روایت لکھی ہے کہ "فلبثوا بذلک ما لبثوا"
یعنی وہ اسی طرح کرتے تھے جب تک کہ وہ کرتے رہے اور اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ ایک عرصہ تک وہ اسی طرح اپنا کھانا شہر سے منگاتے رہے
اس کے بعد [illegible] جبکہ اس طرح شہر کے لوگوں کو ان کی خبر کردی مگر
اس کے بعد خود [illegible] بنا [illegible] لوگوں نے ان کی خبر پا کر ان کے
ساتھ کیا کیا [illegible] بےشک وعدہ اللہ کا سچا ہے
[illegible] ثابت [illegible] کچھ شک نہیں ۔

اس مقام [illegible] بحث ہے وہ یہ ہے کہ دیکھنا یہ ہے جو ضمیر ہے اسکا
[illegible] عموماً مفسرین عام لوگوں کی طرف [illegible] کو ان کی خبر ہوگئی تھی
ان کا [illegible] بیان کرتے ہیں مگر لوگوں کو ان کی خبر ہو جانے سے کہ وہ پہاڑ کی
کھوہ میں چھپے ہوئے ہیں اور ان وعد اللہ حق وان الساعۃ
لا ریب فیہا سے کیا تعلق ہے ۔

اگر کہا جاوے کہ ان کی خبر ملنے کا واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ وہ
ایک مدت دراز تک سوتے رہے تھے تو اول تو ان کے مدت دراز
تک سوتے رہنے کی نفی ہو چکی اور اگر بالفرض تسلیم کیا جائے تو بھی ایک
مدت تک گو وہ کتنی ہی دراز ہو سو رہنے سے اس بات کا کہ وعد اللہ
حق وان الساعۃ لا ریب فیہا کیا ثبوت ہو سکتا ہے ۔

۹ وکذلک اعثرنا علیھم لیعلموا ان وعد اللہ حق و ان الساعۃ لا ریب فیھا (سورۃ کہف)

Marfat.com

اور اگر [illegible]

[illegible]

بعد لوگوں کو خبر ہوئی ہو [illegible]

تو پھر کیونکر ان لوگوں [illegible] سے ان کی [illegible]

مشہور احیا پر یقین ہو سکتا ہے۔

کچھ شبہ نہیں ہے کہ [illegible]

جیسا ان کو معلوم ہوا کہ لوگوں [illegible]

[illegible] جاویں گے [illegible] خدا کا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] سے اور طرح پر نہیں ہو سکتا قال اللہ تعالیٰ ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات سندخلہم جنات تجری من تحتہا الانہار خالدین فیہا ابدا وعد اللہ حقا ومن اصدق من اللہ قیلا۔

پس ان مورخین کا یہ قول ہے کہ جب [illegible] کو ان کے پہاڑ کے کھوہ میں پہنچے [illegible] اس کھوہ کا منہ بند کرا دیا [illegible] اور وہ [illegible] کے لئے [illegible] بہت صحیح و درست معلوم ہوتا ہے [illegible] مذکورہ بالا واقعہ کے کئی سو برس بعد پہاڑ کی کھوہ کا منہ جو بند کر دیا تھا کھل گیا اور اس کھوہ [illegible] اشخاص جو صرف ہڈیاں باقی تھیں معلوم

Marfat.com

اس کے بعد کی آیت میں جو لفظ ولبثوا کا ہے اُس کا عطف سیقولون
پر ہے جو اس کی پہلی آیت میں ہے یعنی کہیں گے کہ وہ رہے پہاڑ کی
کھوہ میں تین سو برس اور انہوں نے زیادہ کیے (یعنی اُسپر) نو برس تو
کہہ دے کہ خدا خوب جانتا ہے کہ کتنی مدت وہ رہے اُسی کے لیے ہے
آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی باتوں کا جاننا خوب دیکھنے والا ہے اُس کا
یعنی غیب کا اور خوب سننے والا اُس کے سوا اُن کے لیے کوئی دوست
نہیں ہے اور وہ شریک نہیں کرتا اپنے حکم میں کسی کو ۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ اصحاب کہف کسی مدت تک پہاڑ
کی کھوہ میں رہے اور اس کہنے سے لازم آتا ہے کہ وہ کسی مدت
کے بعد پہاڑ کی کھوہ میں سے نکلے مگر کوئی مورخ اس بات کو نہیں
کہتا کہ وہ کسی زمانہ میں پہاڑ کی کھوہ میں سے زندہ نکل کر چلے گئے
ہوں اور نہ کسی روایت میں ایسا بیان ہوا ہے پس جس مدت کا اس
آیت میں ذکر ہے اس سے وہی مدت مراد ہے جو ان کے پہاڑ کی
کھوہ میں جانے اور ان کی ہڈیوں کو اس میں سے نکلنے کے زمانہ تک تھی
اس زمانہ کی مدت ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہے لیکن جہاں تک کہ
تاریخ سے معلوم ہو سکتا تھا اُسکو ہم بیان کر چکے ہیں ۔

یہ ہے صحیح قصہ اصحاب کہف کا بعض لوگوں کو جو ان کی بہت پرانی
لاشیں برآمد ہوئی ہیں شبہ پڑا ہے کہ یہ لاشیں اصحاب کہف کی نہیں
معجم البلدان میں یاقوت حموی نے ایک قصہ لکھا ہے کہ واثق باللہ
نے محمد بن موسیٰ نجومی کو روم میں بھیجا کہ وہ اصحاب کہف کو دیکھے
اور وہ روم کے ایک شہر میں گیا وہاں ایک چھوٹا سا پہاڑ تھا کہ اُس کا

۵ ولبثوا فی کہفہم ثلاث مائۃ سنین وازدادوا تسعا قل اللہ اعلم بما لبثوا لہ غیب السموات والارض ابصر بہ واسمع ما لہم من دونہ من ولی ولا یشرک فی حکمہ احدا ۱۸ | ۲۵ | ۲۶ (سورہ کہف)

Marfat.com

فوج قسطنطنیہ کے اُس [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
اور کچھ معلوم نہیں ہو سکتے

۱۸۹۶ء میں جب [illegible] انگریزی [illegible]
کرنے کو ترکمانوں کے [illegible] گیا تو اس وقت ایک شخص نے
ایک پہاڑ کا جس کا نام اُس نے کوہ رقیم لیا ہے اس طرح پر بیان
لکھا ہے :-

کوہ رقیم جس میں سات شخص خوابیدہ ہیں زیارت مسلمانوں کی
ہے اور ہمارے کیمپ سے چار میل جنوب و غرب کو وادی عراق
میں ہے کیمپ کے مسلمان اُس کی طرف چلے اور ہم بھی [illegible]
[illegible] صاحب دوسری پلٹن [illegible] گیا
[illegible] مقام کو اس لئے متبرک مانتے ہیں کہ اصحاب کہف کا ذکر قرآن [illegible]

Marfat.com

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] مقام [illegible] میں تھا [illegible] جانب [illegible] ہے اور یہاں

ایک [illegible] قلعہ [illegible] ہے [illegible] قلعہ کی [illegible]

[illegible] ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مقام [illegible] تھا جو [illegible]

مشرق کی طرف سات میل کے فاصلہ پر ہے [illegible] ایک آباد جگہ

تھی اور بڑا [illegible] تھا جس [illegible]

ہے یہ مقام ویران [illegible] اور [illegible] ہے [illegible]

اس وقت [illegible]

سادات کا [illegible] کے [illegible]

خاندان کی [illegible]

مجاورین [illegible] ان [illegible]

لوگ [illegible] یہاں [illegible]

ایک چھوٹی سی مسجد [illegible]

بیس فٹ [illegible] بنا ہوا ہے [illegible]

[illegible]

ایک وسیع [illegible]

Marfat.com

[illegible]

تھے کچھ میں اور یہاں سے راستہ [illegible]
سے بہت کچھ کرامات [illegible]
موجود [illegible]
اور [illegible]
[illegible]

[illegible]

کر [illegible] ایک شخص
کپڑا اٹھا کر دیکھنا چاہا تھا فوراً اندھا ہو گیا تھا۔ اور کہا کہ اگر [illegible]
سے تو ادھر دیکھو اور یہ کہکر شمع ایک طرف پھیری دیوار کے ساتھ
لگے ہوئے [illegible] نظر آئیں۔ گمان تھا کہ لگتا سوتا ہے۔ واللہ اعلم کیا
اسرار ہے [illegible]

[illegible] کا برآمد ہونا اگرچہ درحقیقت اور فی الواقع [illegible]
[illegible] میں سے [illegible] ہزاروں [illegible]
[illegible] کرتے تھے چنانچہ بہت سے [illegible]
[illegible] موجود ہیں۔

Marfat.com

ایشیا میں بھی قدیم زمانہ میں ممی بنانے کا کسی قدر رواج ہوا تھا اور اس سبب سے بعض ایشیا کے مقاموں سے ایسی لاشیں برآمد ہوئی ہیں۔ علاوہ اس کے بعض ملکوں اور پہاڑوں میں سے بسبب تاثیرات ملکی اور برف کے اسی طرح کی اُفتادہ لاشیں بھی نکل آتی ہیں اور بعض لوگ اُن کو اصحاب کہف کی لاشیں سمجھ جاتے ہیں ؛

علاوہ ان کے ان مقاموں کے خادم روپیہ کمانے کے لیے بہت کچھ فریب کیا کرتے ہیں اور جھوٹی روایتیں بیان کرتے ہیں ہمارے زمانہ میں سید احمد صاحب سکھوں سے لڑ کر شہید ہوئے اُن کی لاش میدان جنگ میں دستیاب نہیں ہوئی غالباً اس وجہ سے کہ فاتحین نے کسی طرح پر لاش کو گم کر دیا اور جو غائب ہوئے تھے وہ یقیناً پہچان نہیں سکتے تھے پس اُن کے مریدوں کو موقع ملا اور اُنھوں نے کہا کہ وہ زندہ ہیں اور پہاڑ کی کھوہ میں خدا کی عبادت اور نماز میں مشغول ہیں اور اُنھوں نے کھوہ میں ایک لکڑی پر عمامہ رکھ کر اور جبہ کرتا پہنا دیا تھا اور دور سے لوگوں کو دکھا دیتے تھے کہ وہ بیٹھے نماز میں مشغول ہیں ہزاروں لوگ اب بھی بعض بزرگوں کی نسبت یقین رکھتے ہیں کہ وہ سینکڑوں برس سے پوشیدہ زندہ ہیں اور وقت مقرر پر تشریف لاویں گے۔ یہودی چند بزرگوں کو زندہ جانتے ہیں مسلمان و عیسائی حضرت عیسیٰ کے زندہ ہونے اور پھر دنیا میں آنے کا یقین کرتے ہیں۔ شیعہ حضرت امام مہدی کے پوشیدہ ہو جانے اور ان کے وقت ظہور تک جو قیامت کے قریب ہوگا زندہ ہونے کے قائل ہیں۔ اس قسم کے خیالات و اعتقادات ایسی باتوں پر جو لوگ بنا لیتے ہیں زیادہ یقین کر لینے کے باعث ہوتے ہیں فقط

تمت

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سات سونیوالے یعنی اصحاب کہف

ترجمہ کتاب کیوریس متھس آف دی میڈل ایجز

مؤلفہ ایس بارنگ گولڈ ایم اے

یہ قصہ جسپر ہم اس مضمون میں بحث کرتے ہیں پچھلے زمانہ کے عجیب اور حیرت انگیز قصوں میں سے ہے جیکس ڈی وارین نے اسکو اپنی کتاب میں جس کا نام لیجنڈا آریا ہے اس طرح بیان کیا ہے ÷

یہ سات سونیوالے افی سس کے باشندے تھے بادشاہ ڈی سیس جس نے نصاری پر بہت ظلم کیا تھا جب وہاں پہونچا تو اس نے یہ حکمدیا کہ ایک معبد اصنام کی پرستش کے لیئے بنایا جاوے اور سب لوگ اُس کے سامنے بتوں پر قربانی

Marfat.com

کریں۔ نصاری تلاش کروا کر بلائے گئے اور حکم سنایا گیا کہ وہ بت پرستی
اصنام ان میں سے جسے چاہیں اختیار کریں۔ اس حکم سے شہر میں ایک
آفت برپا تھی نہ دوست دوست کا ساتھی رہا نہ باپ بیٹے کا نہ بیٹا باپ کا ؛
اس زمانہ میں افی سس میں سات عیسائی تھے جن کے نام مکسی
ملینین - مالکس - مارسینن - ڈایونی سس - جان
سراپین - کانسٹن ٹین تھے انھوں نے بتوں پر قربانی
کرنے سے انکار کیا اور اپنے مکان میں نماز روزہ کرتے رہے ڈی
سیس کے سامنے ان پر یہ الزام لگایا گیا اور انھوں نے اپنے
عیسائی ہونے کا اقرار کیا۔ بادشاہ نے کچھ مہلت دی تاکہ وہ جو طریقہ
آئندہ اختیار کریں اسپر بخوبی غور کر لیں۔ اس مہلت کو انھوں نے
غنیمت سمجھکر اپنا تمام مال و اسباب غربا کو دیدیا اور خود یہ ارادہ کر کے
گئے کہ سیلین پہاڑ کے غار میں جا کر چھپ رہیں ؛

ان میں سے ایک شخص مالکس نامی طبیب کا بھیس بدل کر شہر میں کھانا
خریدنے کو گیا ڈی سیس نے جو کچھ عرصہ کے لیے افی سس سے چلا گیا تھا
واپس آکر یہ حکم دیا کہ وہ ساتوں شخص تلاش کیے جاویں مالکس ڈرتا ہوا شہر سے
بھاگا اور اپنے اصحاب سے بادشاہ کے غصہ کا سب حال بیان کیا۔ سب
بہت ڈرے مالکس نے ان سے روٹی کھانیکو کہا تاکہ ان میں کچھ
طاقت آوے اور مصیبت میں ہراساں نہوں کھانے سے فارغ ہو کر وہ
رو رو کر باتیں کرتے رہے تھے کہ خدا کے حکم سے ان پر خواب طاری ہو گیا ؛

... اللہ علی آذانہم النوم فی الکہف (معالم التنزیل) ؛

Marfat.com

شہر میں کھانے نے اُن کو جا بجا تلاش کیا مگر کہیں پتا نہ لگا ڈِی سِیس
اس سے اور بھی زیادہ برافروختہ ہوا اور اُن کے والدین کو بلا کر یہ کہا کہ وہ اُن کا
پتا اور نشان نہ بتائیں گے تو سب مار ڈالے جائیں گے - انھوں نے
جواب دیا کہ وہ ساتوں جوان اپنا مال و اسباب غربا کو تقسیم کر کے چل
گئے ہمکو یہ معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں ڈِی سِیس نے اس خیال سے
کہ ممکن ہے کہ وہ غار میں چھپ رہے ہوں اُس کا مونہہ پتھروں سے
بند کرا دیا تاکہ وہ بھوک کے مر جاویں ؛

تین سو ساٹھ برس اسی طرح گذر گئے تھیوڈوسیس کے
تیسویں سال میں بعض ملحدوں نے مسئلہ انبعاث موتی کا انکار کیا
ایک شخص سیلئس کے پہاڑ کے پاس اصطبل بنواتا تھا غار کے
مونہہ پر پتھروں کا ڈھیر دیکھکر سب پتھر تعمیر کے لیے اٹھوا لیے
اُس وقت اُن ساتوں کی آنکھ کھلی یہ سمجھا کہ ایک ہی شب خواب میں
گذری ہے مالکس سے پوچھا کہ ڈِی سِیس نے انکی نسبت
آخر حکم کیا دیا ہے اُس نے کہا کہ وہ ہمکو یہاں تک تنگ کرے گا
کہ ہم مجبور ہو کر بتوں کو پوجیں میکسی مین نے کہا خدا جانتا ہے
ہم کبھی نہیں کریں گے - پھر اپنے ساتھیوں کی طرف مخاطب ہوا
اور مالکس سے کہا کہ جس طرح ہو وہ شہر جا کر اس امر کی خبر لاوے اور کچھ
کھانے کے واسطے بھی لاوے - مالکس پانچ سکے لیکر غار میں سے
نکلا یہ پتھر دیکھکر حیران ہوا - پھر شہر کی طرف چلا شہر کے قریب
پہونچکر دروازہ پر صلیب لگی ہوئی دیکھی اور بھی زیادہ متحیر ہوا دوسرے
دروازہ پر گیا - وہاں بھی یہ متبرک نشان موجود تھا - اسی طرح

۵۴

Marfat.com

شہر کے ہر دروازہ پر یہی دیکھا اس کو یقین ہوا کہ شاید خواب کا کچھ اثر
ابتک باقی ہے آنکھیں ملتا ہوا شہر میں داخل ہوا اور ایک نان بائی
کی دوکان کی طرف بڑھا لوگوں کی زبان سے خدا کا نام سن کر اور بھی
حیرت ہوا کہا کہ کل اس نام کے لینے کی ایک کو بھی جراءت نہ تھی آج
عیسیٰ کا نام ورد زبان ہے - یہ کیا ماجرا ہے - شبہ ہوا کہ شاید یہ اور
کوئی شہر ہو - ایک راہ چلتے سے شہر کا نام پوچھا - سن کر کہ یہ شہر
افسس ہے سخت حیران ہوا - نان بائی کی دوکان پر جاکر روپیہ
دکھایا - سکہ کو دیکھکر طباخ نے پوچھا کہ تجھ کو کہیں سے خزانہ مل گیا
ہے - نان بائی آپس میں باتیں کرنے لگے یہ سمجھا کہ انھوں نے
مجھ کو پہچان لیا ہے اور بادشاہ کے سامنے لے جانے کو ہیں کہا کہ
خدا کے واسطے مجھے چھوڑ دیں روٹی اور روپیہ سے باز آیا اسی طرح
بچے لیکن دوکاندار نے اس کو پکڑ کر یہ کہا کہ تم کون ہو اس سے
کچھ غرض نہیں جو تم کو خزانہ ملا ہے وہ ہم کو بھی بتاؤ کہ ہم تمہارے شریک ہیں
اس وقت ہم تم کو چھپا دینگے مالکس خوف کے مارے کچھ جواب نہ دیسکا
اس کے گلے میں رسی ڈال کر بازار میں سڑک پر کھینچتے پھرے شہر میں
بھی یہ خبر مشہور ہوئی ہر طرف سے لوگ جمع ہوئے کسی نے اسکو نہ پہچانا وہ
اپنی لاعلمی بیان کرتا رہا سب کے چہروں پر نظر دوڑائی مگر کوئی ایسا نظر
نہ پڑا کہ جس سے کچھ بھی پہلا تعارف ہو سینٹ مارٹن لشپ اور
منیٹی پیٹر حاکم شہر نے یہ حال سن کر جوان اور طباخ کو بلایا اور جوان سے
پوچھا کہ یہ خزانہ کہاں سے ملا ہے اس نے کہا کہ خزانہ تو کہیں
سے نہیں ملا یہ چند سکے میری تھیلی میں تھے پھر اس سے دریافت

کیا کہ کہاں سے آئے اُس نے کہا کہ میں افی سس کا باشندہ تھا اگر یہ شہر افی سس ہی ہے گورنر نے کہا کہ تمہارے ماں باپ اور اقارب اگر یہاں رہتے ہوں تو بلاؤ جوان نے اُن کے نام بتائے اور کہا کہ یقیناً وہ یہاں رہتے ہیں مگر شہر میں ان ناموں کا کوئی نہیں تھا۔ گورنر نے چلا کر کہا کہ تم یہ کیونکر کہہ سکتے ہو کہ یہ تمہارے ماں باپ کا روپیہ ہے۔ یہ بادشاہ ڈی سیس کے عہد کا سکہ ہے جکو تین سو چہتر برس گذرے اور سکہ حالی کے بالکل مشابہ نہیں کیا تم افی سس کے حکام اور بوڑھے لوگوں کو بتاتے ہو یہ خوب سمجھ لو کہ اگر تم اُس کا پتہ نہ بتاؤ گے تو تم تمام قانونی سختیاں برداشت کرنی پڑینگی مالکس نے عرض کیا خدا کے واسطے آپ پہلے مجھ کو ان چند سوالوں کے جواب دیں اس وقت میں کچھ کہہ سکوں گا۔ بادشاہ ڈی سیس کہاں چلا گیا ہے۔ بشپ نے جواب دیا کہ میرے بچے اس نام کا اب کوئی بادشاہ نہیں جس کا یہ نام تھا اُس کو مرے ہوئے ایک عرصہ گذرا مالکس نے کہا کہ جو بات سنتا ہوں اُس سے اور شش و پنج میں ہوتا ہوں سیلئن پہاڑ تک میرے ہمراہ چلو تا کہ میں اپنے ساتھیوں کو دکھاؤں کل ہی ڈی سیس کے ظلم سے بھاگ کر جنہنے اُس پہاڑ میں پناہ لی تھی بشپ نے گورنر سے کہا کہ "یہاں خدا کا ہاتھ ہے۔ ایک انبوہ کثیر اُس کے ساتھ چلا۔ اول مالکس غار میں اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور پھر بشپ۔ وہاں اُنھوں نے اُن بزرگوں کو غار میں بیٹھا ہوا دیکھا۔ بشاش چہرہ مثل گلاب کے ترو تازہ دیکھکر سب گر پڑے اور خدا کو سجدہ کیا۔ گورنر نے اُسی وقت یہ خبر

تھیوڈوسیس کے بھی عہد میں اُن سمس کو دوبارہ ہوا۔ تمام اکابر شہر
اُن سے ملنے اور اُسی غار کی طرف سے لے گئے۔ بادشاہ کو دیکھکر ان
کے چہرے مثل آفتاب کے روشن ہوئے۔ بادشاہ نے
خدا کا شکر کیا اور ان سے بغلگیر ہوکر کہا کہ میں نے تم کو کیا دیکھا گویا مسیح
کو لعازر کو زندہ کرتے ہوئے دیکھا۔ میکسی مین نے جواب دیا کہ ہم
ایسا ہی بات کہتے ہیں اور آپ یقین کیجئے کہ خدا نے ہم کو حشر سے
پہلے اس واسطے اٹھایا ہے تاکہ تم اس امر کو برحق سمجھو کہ قیامت کو
مُردے ضرور اٹھائے جائیں گے کیونکہ جیسا بچہ ماں کے رحم میں
رہتا ہے اور کچھ ایذا نہیں پاتا اسی طرح ہم بھی خواب میں رہے اور
کوئی تکلیف نہ اٹھائی یہ کہکر انھوں نے سر جھکایا اور جان بحق تسلیم
کی۔ بادشاہ اٹھکر ان پر جھکا اور بغلگیر ہوکر رویا۔ حکم دیا کہ سُنہری
صندوق ہو اور ان میں یہ لاشیں بطور یادگار زمانہ رکھی جاویں مگر
اُسی شب کو ان بزرگوں کو خواب میں دیکھا کہتے ہیں کہ ہم اب تک
زمین میں سوتے تھے اب بھی زمین ہی میں سونے دو جب تک
کہ خدا دوبارہ نہ اٹھاوے ۔

یہ دلچسپ قصہ اس طرح پر بیان کیا گیا ہے۔ ہم تک شاید یہ مشرق
سے پہونچا ہے جیکوبس سروجین سس میسوپوٹیمیا کی پانچویں یا
چھٹی صدی کے بشپ نے سب سے پہلے قلمبند کیا ہے
گریگری آف ٹورس شاید سب سے اوّل اُسکو یورپ میں لایا
ہے ڈایونیسیس آف انٹیاک نے نویں صدی میں یہ قصہ
شامی زبان میں کہا ہے فوتیس باشندۂ قسطنطنیہ نے بھی اسکو لکھا

٥٥

Marfat.com

وہ لکھتا ہے کہ یہ قصہ قرآن شریف میں بھی ہے ؎

میٹیا فرلس ٹس بھی اس کا حوالہ دیتا ہے دسویں صدی میں یوٹی کیس نے اس کو اپنے عربی قصوں میں درج کیا ہے کا پتک اور میرونابیٹ کی کتابوں میں بھی اس کا پتہ ملتا ہے بعض پرانے مورخین نے بھی اس کو اپنی تصانیف میں درج کیا ہے جیسے کہ پالس ڈیاکونس اور ناسی فورس وغیرہ ؎

ان سونیوالوں کی نسبت ولیم آف مامس بری ایک عجیب قصہ بیان کرتا ہے اُس کا بیان ہے کہ بادشاہ ایڈورڈ ملقب بمقدس ایسٹر کے جلسہ کے دن ویسٹ منسٹر کے محل میں تاج شاہی پہنے ہوئے بیٹھا تھا پادری اور رؤسا شہر سب جمع تھے اثنا ردعوت میں بادشاہ گوشت اور شراب چھوڑ کر خدائی باتوں کا دھیان کرنے لگا اور اسی میں دیر تک محو رہا یکایک اس زور سے ہنسا کہ سب حیران رہ گئے کھانے کے بعد کپڑے اتارنے کے لیے جب خوابگاہ میں گیا تو چند رئیس بھی پیچھے پیچھے گئے ارل ہیرلڈ جو اُس کا جانشین ہوا اور ایک ایبٹ اور ایک بشپ جو اُسکے ساتھ تھے انھوں نے اس سے اس ہنسی کا سبب پوچھا بادشاہ نے جواب دیا کہ میں نے ایک عجیب بات دیکھی ہے میری ہنسی بے وجہ نہ تھی انہوں نے عرض کیا کہ ہمکو بتائیے - تھوڑی دیر سوچ کر کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ افی سس کے سات سونیوالوں نے (جو دہنی کروٹ پر دو سو برس سے سیلیئن پہاڑ کی غار میں سوتے ہیں) آج دفعتاً بائیں کروٹ بدلی ہے - یہ خدا کی مہربانی ہے کہ میں نے ان کو

Marfat.com

[illegible] سر الٹ [illegible]

[illegible] پورا حال بیان کیا

[illegible] جانا اس کا کسی سے اگر

[illegible] بادشاہ نے [illegible] اس طور پر بیان کیا کہ

[illegible] نے [illegible]

[illegible] ایک پادری بادشاہ ایڈورڈ کی

[illegible] بادشاہ [illegible]

[illegible]

[illegible] مسلمان [illegible] اور

[illegible] حیثیت

[illegible] وقت [illegible]

سات سو [illegible]

[illegible] الف [illegible]

[illegible] بیان کیا [illegible]

[illegible]

ایم کیراجان نے ۱۳ صدی میں چھاپی ہے اور اسپین کے ایک
شاعر نامی **اگسٹن موریٹو** نے ایک ڈرما اسی پر لکھا ہے
جس کا لاس سیٹی ڈرمین ٹیز نام ہے جس کا کہ **کامیدیس
نیودس اسکوجی ڈاسس دی لاس مجوریس ان
جینی ادس** کی اُنیسویں جلد میں حوالہ ہے اور **ڈاکٹر نیبل**
نے بھی اسی مضمون پر ایک نظم لکھی ہے - قرآن میں یہ
قصہ کسی قدر زیادہ ہے اُس میں یہ لکھا ہے کہ ان سونے والوں
نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی پیشین گوئی کی
ہے اُن کے ساتھ ایک کتا بھی ہے جس کا نام **کرات
کرائیم** ہے جو اُن کے پاس سوتا ہے اور یہ کتا بھی
پیشین گوئی کرسکتا ہے اور اس کتے پر خاص خدا تعالے کا
یہ بھی احسان ہے کہ یہ بھی اور دس جانوروں کے ساتھ بہشت میں
جاویگا - دوسرے بہشت میں جانیوالے جانور یہ ہیں - حضرت یونسؑ
کی مچھلی - حضرت سلیمانؑ کی چیونٹی - حضرت اسمٰعیلؑ کا برہ - حضرت
ابراہیمؑ کا گوسالہ - ملکہ سبا کا گدھا - حضرت صالحؑ کا ناقہ - حضرت
موسیٰؑ کا بیل - بلقیس کا ہدہد - اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
سواری یعنی براق - ایسے زمانہ میں جب لوگ مقدسین کی یادگاروں
کو سونے اور جواہرات سے بھی بیش بہا سمجھتے تھے تو ان سونیوالوں
کی یہ خواہش کرنی کہ اُن کو زمین ہی میں رہنے دو شاید کسی قدر بیجا
تھی اور یہ خواہش پوری بھی نہ ہوئی کیونکہ اُن کی ہڈیاں ایک
بڑے پتھر کے بکس میں بند کر کے **مارسیلس** کو بھیجی گئی تھیں

جواب بھی سینٹ وکٹر کے گرجا میں دکھائی جاتی ہیں روم میں ویلٹیوریم
کے عجائب خانہ میں ان کی گندھک اور پلسٹر کی جوڑی ہوئی تصویریں
موجود ہیں ہر ایک کے سامنے اُس کا نام اور چند صفات بھی کندہ ہیں
کانسٹن ٹین اور جان کے پاس دو عصا ہیں میک سی مین کے
پاس ایک گرہدار عصا ہے مالکس اور مارسین کے پاس دو تیر
ہیں سیراپین کے سامنے ایک جلتی ہوئی مشعل اور ڈیونی سس
کے سامنے ایک بڑی میخ ہے جس کو کہ ہیوریس اور ایس پالی
اس نے بیان کیا ہے کہ ایذا رسانی کے واسطے کام میں لائی جاتی
تھی ◆

ان سات شخصوں کو نوجوان امرد کندہ کیا ہے واقعی میں پُرانے
شہیدوں کے قصے میں بھی اُن کو لڑکا کہا گیا ہے اس پلسٹر کی بنی ہوئی
تصویروں سے بعضوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ ساتوں شخص
ڈی سیس کے عہد میں مارے گئے تھے اور مذکورہ بالا غار میں
دفن کیے گئے تھے اور تھیوڈوسیس کے عہد میں اُن کی ہڈیاں [illegible]
میں برآمد ہوئیں تو اُس وقت سے یہ قصہ مشہور ہوا میرے خیال کے
موافق غالباً یہ صحیح ہے ان سونے والوں کا قصہ اور سات کی تعداد بہت
پُرانی اور حضرت عیسیٰ سے پہلے کی ہے ◆

مثل اور پُرانے قصوں کے اس کو بھی عیسائیوں نے اخذ کر کے
مذہبی بنا لیا ہے ◆

پلینی ایک قصہ نگار نامی ایپی منیڈیز کے قصہ میں لکھتا ہے کہ
وہ [illegible] جاتا ہوا آندھی کے [illegible]

میں جاکر سو رہا ستاون برس کے بعد خواب سے بیدار ہوا تمام دنیا بدلی ہوئی نظر آئی اُس کا بھائی جو اُس وقت بچہ تھا اب بالکل بوڑھا سفید تھا ؛

ای پی مینی ڈیز کو وہ لوگ جو **پیری اینڈر** کو مستثنیٰ کرتے ہیں سات عقلا میں سے شمار کرتے ہیں یہ **سولن** کے عہد میں تھا دو سو نو اسی برس کی عمر میں جب مرا تو لوگ اُسکو اوتار ماننے لگے اور خاصکر **ایتھینس** کے باشندے اسکی بہت عزت کرتے ہیں ؛

اس قصہ کا ماخذ ایک بہت پُرانا قصہ ہے جس میں [illegible] چرواہے کا حال ہے کہ وہ ہمیشہ سے سوتا ہے اور جو [illegible] نے اسکو دوامی جوانی اور خوبصورتی عطا کی ہے۔ عرب [illegible] قصوں کے موافق **سینٹ جارج** [illegible] تینوں دفعہ مارا گیا ؛

اسکینڈی نیوین کے قصوں [illegible] ہیں کہ وہ خواب راحت میں اس امر کا منتظر ہے کہ کوئی پکارے [illegible] **شارلیمین** بھی ہیس میں تاج پہنے ہوئے اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تلوار ہاتھ میں رکھے ہے۔ دجال کے وقت کا منتظر ہے کہ اُس وقت اُٹھکر **ولیون** کے خون کا بدلہ لے **اوجیرڈی ڈین** بھی اسی طرح **ای ویلون** کے خوابگاہ سے بیدار ہو کر حق کا بدلہ لینے اُٹھیگا ؛

افسوس کہ وہ **شیلس وگ ہوسٹین** کی لڑائی میں ظاہر ہو چکا تھا۔ بچپن کی ایک بات پر جب غور کرتا ہوں تو حیرت انگیز

Marfat.com

اس وقت سو رہی ہوئی ہے مگر مجھ کو خوب یاد ہے کہ اس مقام پر کیف ہاسر
برگ سے گھوم کر گیا ہوں مجھ سے یہ کہا گیا تھا کہ یہاں فریڈرک بار
بروسا اور اسکے چھ نائٹس سو رہے تھے اتفاق سے ایک چرواہا بھی
غار کی راہ سے پہاڑ میں جا پہنچا دیکھتا کیا ہے کہ ہال میں ایک پتھر کی
میز رکھی ہے بادشاہ میز کے سامنے بیٹھا ہے سرخ داڑھی پتھروں کے
اندر دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس چرواہے کی آہٹ سے فریڈرک
خواب سے بیدار ہوا پوچھا کہ کیا کوے پہاڑوں پر اڑ رہے ہیں چرواہے
نے کہا ہاں حضور اڑتے ہیں تب بولا کہ ایک صدی تک اور سونا
چاہیے۔ جب اس کی داڑھی تین دفعہ پتھر کے گرد لپٹ جاوے گی
اس وقت وہ اور اسکے نائٹس نیند سے بیدار ہوں گے اور جرمن
کو غلامی کی حالت سے نکال کر یورپ کی اعلے درجہ کی سلطنت
بناوینگے سوئٹزرلینڈ میں بھی روٹلی میں تین ٹیلیس بھی اس
کے منتظر ہیں کہ ملک کی سخت ضرورت کے وقت بیدار ہوں
ایک چرواہا ان کے آرام کے مقام تک جا پہنچا تب ایک ٹیل کی آنکھ کھل گئی
پوچھا کیا وقت ہے اس نے جواب دیا کہ دوپہر ٹیل یہ کہکر
ابھی وقت نہیں آیا پھر سو گیا اسکاٹلینڈ میں بھی ایل ڈون کی
پہاڑیوں کے نیچے ٹامس ارسلڈون بھی سو رہا ہے
فرانس کے مقتولین جو بی لرمو پر مارے گئے تھے سو رہے ہیں
موقعہ کے منتظر ہیں کہ اٹھکر بدلا لیں۔

جب قسطنطنیہ پر ترک قابض ہوئے تو ایک پادری سیکرمنٹ
کے بعض رسومات سینٹ صوفیہ کے گرجا کی اندر کی منبر پر ادا کر رہا تھا اس

Marfat.com

شخص نے خدا سے دعا کی کہ یا الٰہی اس متبرک جگہ کی عزت رکھنا اسی وقت دیوار شق ہو گئی پادری سیکرامنٹ لیکر دیوار میں چلا گیا وہاں سر جھکائے حضرت عیسیٰ کے سامنے سو رہا ہے اس وقت کا منتظر ہے کہ ترک قسطنطنیہ سے نکالے جاویں اور سینٹ صوفیہ بے حرمتی سے بچے +

شمالی امریکہ میں بھی ایک شخص رپ وان ونکل بیس برس تک کیٹسکل کے پہاڑ میں سوتا رہا ۔ غرناطہ کا بادشاہ ابو عبد اللہ بھی الحمرا کے قلعہ کے پاس ایک پہاڑ میں جادو میں جکڑا ہوا پڑا ہے عرب میں حضرت الیاس بھی خروج دجال کے منتظر ہیں آئرلینڈ میں برین بروہم بھی سو رہا ہے اس بات کا منتظر ہے کہ فی نان میں ہنگامہ ایسا برپا ہو کہ جس میں لوگوں سے عملی کارروائی کی ہو سکے تو وہ آکر ملک کی مدد کرے ویلس میں بھی آرتھر کی غیبت کے قصے لوگوں کی زبان پر ہیں سمرو یا میں بھی نذر لیزر ہے جو ترکوں کی لڑائی میں کاسوو‌ا کے مقام پر مارا گیا تھا اس کے بھی دوبارہ ظاہر ہونے کی لوگ امیدیں کرتے ہیں۔ فلوڈین کی لڑائی کے بعد ایک صدی تک لوگ اسی امید میں رہے کہ جیمس چہارم پھر واپس آوے پرتگال میں سی بیس ٹین کی نسبت لوگوں کا یہ یقین ہے کہ یہ جوان دلیر بادشاہ جس نے مور کو پر حملہ کر کے اپنے ملک کو تباہ کیا تھا کہیں سو رہا ہے جب موقعہ آویگا تو بیدار ہو کر اپنے ملک کو بچاویگا ناروی میں اولف ٹرنگ ویسن بھی اسی تاک میں ہے نپولین بوناپارٹ کی نسبت بھی فرانس کے کسانوں کا یہی یقین ہے کہ وہ بھی کہیں سو رہا ہے +

[illegible] پولاڈس کا بیان ہے کہ سینٹ جان وفی
[illegible] افی سس میں سوتا ہے جس طرح جان سینٹ ڈی وانس [illegible]
حالات میں شرح بیان کرتا ہے پیٹموس سے ترکی افی [illegible]
وہ ایک [illegible] شہر سمرنا کے قریب ہے یہاں سینٹ جان [illegible]
وفات پائی اور اتھی نی کے پہاڑ کے نیچے ایک قبر میں دفن ہوا [illegible]
ایک خوبصورت گرجا ہے ہمیشہ سے اس جگہ پائی گئی [illegible]
جان کی قبر میں اور کوئی چیز سوائے من و سلویٰ کے [illegible]
طعام الملائک کہتے ہیں نہیں ہے اس کے [illegible]
میں اکٹھا لیا ہے یہ تمام جگہ اور شہر لوگوں کے [illegible]
کہ سینٹ جان نے اپنی زندگی ہی میں اپنی قبر ہولناک [illegible]
اس میں لیٹ رہا۔ اس روایت کے موافق بعضوں کا مقولہ ہے کہ
وہ مرا نہیں بلکہ خواب راحت میں ہے قیامت کو اٹھے گا۔ در اصل
وہاں کوئی عجیب چیز ہے لوگوں نے بارہا قبر کی مٹی کو ہلتے ہوئے دیکھا
ہے شاید نیچے کوئی ہلنے والی چیز ہو سینٹ جان کے قصہ کو
افی سس سے جو تعلق ہے شاید اس خیال سے لوگوں نے وہاں
کے سات شہیدوں کو سات سونے والے سمجھے ہیں ایس لینڈ
کے قصوں میں ہے کہ فیڈمنگر شمالی ناروے کا باشندہ اتفاق سے
ایک غار میں جا کر سو رہا تیس برس تک سوتا رہا تیر و کمان پاس پڑے
تھے کسی پرند اور درندہ نے اس کو نہ چھیڑا۔

فی الحقیقت بعض لوگوں کے حالات میں درج ہے کہ وہ واقع میں ایک
عرصہ دراز تک سوتے رہے لیکن اس موقع پر کسی کو بیان کرنا مناسب نہیں

Marfat.com

سمجھتا کیونکہ قصّہ موجودہ کا ماخذ کوئی سچا واقعہ نہیں ہے بلکہ اسکو عیسائیوں نے کفار کے قصص سے اخذ کرکے مذہبی قرار دے لیا ہے ؛

سات کا عدد جو اکثر قصوں میں آتا ہے اُس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے **باربروسا** ہر سات سال کے بعد اپنی نشست بدلتا ہے **شارلیمین** بھی اتنے ہی عرصہ کے بعد کرسی سے اُٹھتا ہے **اوجیر ڈینماک** بھی ہر سات سال کے بعد اپنا عصا فرش پر مارتا ہے **سوئیڈن** میں **اولاف ریڈبیرڈ** بھی اسی قدر عرصہ کے بعد آنکھ کھولتا ہے ؛

میرے یقین کے موافق جس قالب میں یہ دلچسپ قصّہ ڈھالا ہے وہ یہ ہے کہ سرما میں سات ماہ تک زمین آرام لیتی ہے **جرمن** اور **سکینڈنیوین** کے کفاروں کے قصہ میں یہ موجود ہے کہ **ہیرو** سخت ضروریات کے وقت **فادرلینڈ** کی حمایت کے واسطے اُٹھیں گے ؛

عیسائیوں کے اِس مذہبی قصّہ کے موافق بھی یہ جوان شہدا مذہبی الحاد کے وقت اُٹھتے ہیں تاکہ مسئلہ انبعاث موتی پر ایک حقانی شہادت ہو ؛

اگر کفاروں کے قصہ میں کوئی جلال اور عظمت ہے تو اِس عیسائی قصہ میں یہ خوبی ہے کہ یہ ایک عمدہ مذہبی مسئلہ بتاتا ہے **اواگون** کے قصہ پر بھی اِس کو اِس وجہ سے ایک فضیلت ہے **ہاف مین** نے اُسکو ایک دلچسپ قصہ کے طور پر لکھا ہے اور **ٹراینس** نے اُسکو منظوم کیا ہے ؛

(تمام حقوق محفوظ)

الحمد للہ کہ ہر دو رسائل نافعہ خاص و عام دافعہ وساوس اوہام

یعنی

سلم الوصول

الی السماء

اسراء الرسول

نزول الملائکہ

از تصنیفات

حامی سنت ماحی بدعت حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

فروری ۱۹۰۵ء

پنجاب پریس شہر سیالکوٹ میں منشی [illegible] مالک مطبع کے اہتمام سے چھپے

Marfat.com

پنجاب [illegible] سیالکوٹ کی عجیب وغریب

مترجم حمائل شریف

[illegible]

عاشقان کلام مجید اور شیدائیان [illegible] کہ صحیفہ [illegible]
ثواب و دارین حاصل کریں۔ اس میں مندرجہ [illegible]
[illegible] ہے اور ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے عاشق کلام مجید کے [illegible]
[illegible] میں اصلی متن اور نصف میں اُردو ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب [illegible]
[illegible] اور نہایت خوش خط اور واضح ہے۔ (۳) ہر ایک آیت کا نمبر [illegible]
[illegible] فہرست سیپاروں اور سورتوں کی [illegible] (۵) اخیر میں لغات القرآن بطور ضمیمہ شامل
[illegible] (۶) کاغذ [illegible] سفید لگایا گیا ہے (۷) خوشخطی صحت وصفائی میں از حد محنت کی گئی ہے۔
[illegible] ایسی حمائل شریف با ترجمہ اس قدر خصوصیتوں والی آج تک چھپی ہے اور نہ چھپے گی ہی قیمت
[illegible] کر دی گئی ہے تاکہ ادنیٰ و اعلیٰ اسے خرید [illegible] مجلد [illegible] مجلد سنہری [illegible]

مترجم اَوراد عشرہ

مفصلہ ذیل دس اعلیٰ درجہ کے اوراد جیبی تقطیع پر بہت عمدہ چھاپے گئے ہیں
[illegible] اعلیٰ درجہ کے خوشخط خوشنما اور جلی قلم سے لکھے گئے ہیں نصف صفحہ میں عربی نصف میں بامحاورہ
[illegible] ترجمہ کیا [illegible] عجیب [illegible] پڑھنے کو دل چاہتا ہے ہر ایک مسلمان کے پاس انکا
[illegible] (۲) اوراد فتحیہ (۳) دعا مغنی (۴) درود [illegible]
[illegible] (۸) دعائے گنج العرش (۹) مختلف بزرگوں کی
[illegible] ۱۲ [illegible] مجلد [illegible]

Marfat.com

سلّم الوصول

الى

اسراء الرسول

لا اله الا الله محمد رسول الله

الحمد لله الاول الاحد * الواحد الملك العدل الصمد * الحكم الواسع الودود * المصور السلام العلام المحمود * مدكور الدهور * مصلح الامور ومصور الصور * هو الله لا اله الا هو * ولا مالك ولا لما سواه * محاء للمعاد والاصدار * وعلام الاسرار * مسهل الاوطار * وممطر الامطار * مصح الداء * وارحم الرحماء * سامع العود والهود والدعاء * وسامح المكارم والآلاء * له الحول والعلاء * وله الطول والعطاء * اعلى سمك السماء * وسطح المهاد واسر الماء * ركد المهاد * وطود الاطواد * علم آدم الاسماء كلها * وحمل اولاده سهلا وماء * احمده حمدا لاحد ولا امد له * وامدحه مدحا لا عدل ولا كد له * لامده كل ماسور * وسائل كل عاسور * والسلام الاكمل الاعم * على رسوله الاكرم * ومرسله المكرم مودود كل صالح * ومحسود كل طالح * ارسله الله للعلام * مسدد العمائد الاسلام * وممهد المسالك

Marfat.com

رسوالخ الاحکام * ومحدد الحد ود الحلال والحرام * ومهدداً لاعداء الاسلام * اعطاہ صروع الالاء * واصعدہ مصاعد السماء * حصل لہ المرام * وکمل علاء الاکرام وعدہ اللہ الودود * المورد الاطہر والمحل المحمود * ولواء الحمد والعطاء الموعود المعهود * وعلی عراسہ امام اهل الاسلام * والہ الاطہار الکرام * ورهطہ الاحرار اولی الاحلام وسائر رسلہ واملائکہ اولی العلاء والاکرام *

امابعد پس واضح ہو کہ رسالہ شہادت القرآن میں حضرت عیسی علیہ السلام کا بجسدہ العنصری آسمان پر اٹھایا جانا بغایت تحقیق ونہایت تدقیق معقولاً ومنقولاً ثابت کر دیا گیا ہے اور لفظ توفی کی نسبت بڑی عجیب و دلچسپ بحث سی بحوالہ کتب لغت ومحاورات عرب وتفاسیر معتبرہ محقق کر دیا گیا ہے کہ اس لفظ کے معنی بحسب الوضع اخذ الشئی وافیاً ہیں یعنی کسی چیز کو پورا پورا پکڑ لینا۔ اور براہین قویہ قاہرہ سے رفع الی السماء کو معقول طور پر ممکن الوقوع ثابت کر دکھایا ہے۔ اور حضرت روح اللہ علیہ السلام کے رفع آسمانی اور نزول عینی کی حکمت لطیف طور پر قرآن شریف سے بیان کی گئی ہے جس کے بعد سلیم الفطرت انصاف پسند محقق شخص کو کوئی شک باقی نہیں رہ سکتا اور مخالف کے پاس اس کے نقض وتردید میں بجز انواع حیل کاسدہ واوہام فاسدہ کے اور کچھ نہیں *

چونکہ مرزا غلام احمد صاحب نے بھی رسول اللہ صلعم کے معراج جسمانی کا انکار حضرت روح اللہ علیہ السلام کے انکار رفع الی السماء کے ضمن میں کیا ہے اور اُنکے انکار کی بناء ی وجہ بھی یہی ہے کہ تا معراج جسمانی کے اقرار سے رفع عیسوی کا بھی اقرار لازم نہ آوے۔ ورنہ اُنکا معراج جسمانی کا انکار کسی دلیل نقلی یا عقلی پر مبنی نہیں ہے اور نیز مرزا صاحب کے بعض مرید عوام الناس کو اس مغالطہ میں ڈالتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ

کے رفع الی السماء سے جناب رسول اللہ سید الثقلین صلعم کی کسر شان لازم آتی ہے اسلئے رسالہ شہادت القرآن مثبتہ حیات و رفع عیسوی کے لکھنے کے ایام میں عزم مصمم کرلیا کہ اس کتاب کے ختم ہونے پر ایک رسالہ مثبتہ معراج جسمانی بھی جلد تیار کیا جاوے۔ تاکہ آں حضرت صلعم کا معراج جسمانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع یعنے معراج کی نظیر بھی ثابت ہوجائے اور یہ بھی ظاہر ہوجائے کہ حضرت خاتم النبیین صلعم کو معراج عیسوی سے بڑھکر اعلیٰ وارفع معراج ہوا تھا لہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء میں آپکی کوئی منقصت نہیں مگر چونکہ رسالہ شہادت القرآن کے ایام طبع ہی میں اس عاجز کو سفر حج کا اتفاق پڑا جزاہ اللہ تعالیٰ کے بہت بھاری احسانات میں سے ہے اور اس میں قریباً چھ ماہ لگے اس لئے اتنی مدت تک اس رسالہ معراج کی بابت اہتمام نہ ہوسکا۔ اب باسلامت واپس آنے پر سب سے پہلا کام میں رسالہ معراج کو لکھنا مناسب سمجھا لیکن بسبب چند عوائق و موانع کے اہتمام طبع نہو سکا۔ والالتماس من کرام الناس ان یعفوا الزلل و یسدوا الخلل لان جهد المقل مشکور و باذل الوسع معذور وانا العبد الحقیر الراجی رحمة ربه الکریم الکبیر العاجز محمد ابراهیم میر السیالکوتی اللھم تقبل منی کما تقبلت من خلیلک الحنیف الاواہ الحلیم انک انت السمیع العلیم واغفرلی خطیئتی یوم الدین وارحم من احسن الی من المسلمین ولا تخزنا یوم یبعثون یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم واجعل لی لسان صدق فی الاخرین واجعل اعمالی کلھا صالحة خالصة لوجهك الكريم اللهم انت عضدی ونصیری بك احول وبك اصول تکن لی جارا من شر من عادانی من المعاندین واحفظنی من نزغة الشیطان وحزبه کما تحفظ عباد ك الصالحین

Marfat.com

اس کتاب میں ایک **مقدمہ** اور ایک **وصل** اور **دو فصلیں** ہیں +
مقدمہ میں اس امر کا بیان ہے کہ انبیا علیہم السلام اور اکابر اولیائے کرام قوی جسمانیہ و روحانیہ میں خلقتہً واستعداداً دیگر افراد بنی آدم سے ممتاز ہوتے ہیں
وصل میں آیت ولن تجد لسنتنا تحویلا وغیرہا کی صحیح تفسیر ذکر کی گئی ہے۔
فصل اول میں معراج جسمانی کو آیات کتاب اللہ وحدیث رسول اللہ صلعم سے ثابت کیا گیا ہے اور اسکے بعد علمائے امت اسلاف واخلاف کے اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ دوسری فصل میں منکرین معراج کے شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔

مقدمہ

اللہ تعالیٰ منعم حقیقی وجواد مطلق نے انسان کو قوی روحانیہ وجسمانیہ ہر دو قسم عنایت فرمائے ہیں۔ تاکہ بوقت حاجت انہیں رفیق راہ بنائے اور توفیق ایزدی اپنے مطلب ومقصود کو پائے اگرچہ یہ سب اسباب ہمجنسوں میں ایک ہی باغ کے خوشنما پودے ہیں۔ مگر حدیقہ پیرائے قدرت ہر ایک کی تربیت مناسب اسباب اور مناسب مقدار سے کرتا ہے اور اسکی حکمت بالغہ اسی امر کی مقتضی ہے۔ تفاوت طبائع کا مسئلہ حکمائے سلف وخلف میں بالاتفاق مسلم ہے۔ ان ہمجنسوں میں بعض افراد ایسے بھی معاین ومشاہد ہیں جو کسی نہ کسی خصوصیت میں دیگر بنی نوع سے ممتاز وممیز ہیں اور یہ امر تفاوت وتفضیل صرف روحانی قوت اور ادراک میں ہی نہیں بلکہ قوی محرکہ میں اس سے بھی زیادہ واضح وظاہر ہے اور ایسا عیاں ہے کہ محتاج بیان نہیں۔ اسی طرح ہر انسان کی شکل وصورت۔ قد وقامت۔ قوت وطاقت شجاعت وہمت۔ ادراک وتمیز اور اخلاق وعادات میں فرق بین ہے۔ اور ان امور مذکورہ میں بعض کا بعض سے افضل واعلیٰ ہونا روز روشن کی طرح ظاہر ہے

Marfat.com

یہ تفاوت و تفضیل صرف نوع انسانی ہی میں نہیں پائی جاتی بلکہ اس کارخانہ قدرت میں جس طرف نظر اٹھاؤ اس حکیم کی صنعت عجیبہ و حکمت غریبہ نادر طور پر تمہارے علم کو محدود اور تمہاری عقل کو حیران کرتی جائیگی۔ چنانچہ سورۂ ملک میں فرمایا

ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئا وھو حسیر

یعنی ہماری قدرت میں بار بار نظر کرو تو تیری نظر کھسیانی ہوکر تیری طرف لوٹ آئیگی اور کوئی نقص نظر نہ آئیگا۔ تم اپنے خیال سے بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر پرواز کرکے اسکی قدرت کے کرشموں کا مشاہدہ کرلو کہ بعض پہاڑ اپنی بلندی کے اعتبار سے اور بعض قیمتی اشیاء کی کانوں کی وجہ سے دیگر ہمجنسوں پر کس طرح فوقیت رکھتے ہیں۔ غواص توجہ کو سمندر کی تہ میں غوطہ دو اور اپنی آنکھوں دیکھ لو کہ بعض سمندر دوسروں پر قیمتی موتیوں کے مخزن ہونیکا کیسا فخر رکھتے ہیں۔ سمند فکر کو روئے زمین کے وسیع میدانوں میں جولان دو اور معائنہ کرلو کہ بعض ریگستان ہیں۔ بعض جنگل میدان بعض سنسان جنگل ہیں۔ اور بعض میں انواع و اقسام کے طیور و بہائم جو صبح و شام اس سبوح قدوس کی تسبیح گا کر جنگل میں منگل منا رہے ہیں۔ اسی طرح اجرام فلکیہ کی طرف نظر اٹھاؤ تو اس میں بھی آفتاب و ماہتاب ایسے نظر آئینگے۔ جنکے سامنے دیگر سب ستارے بے حقیقت ہوکر مات پڑجاتے ہیں۔ اسی طرح نوع انسانی میں اس خالق حکیم نے بہت سے ایسے افراد پیدا کئے ہیں جنکے نفوس طیبہ ان قیمتی موتیوں اور ان کے صدور صافیہ ان لعل خیز معدنوں اور ان کے قلوب انوار [illegible] اس عالمتاب نیر اعظم اور ان کی برکات اس رونق بخش بادلوں [illegible] اکمل و اعلیٰ ہیں۔ بلکہ ان اشیاء کی ان کی برکات و فیوض کے مقابلہ میں کچھ بھی حقیقت نہیں۔ کیونکہ ان اشیاء کا مستفید ہونا [illegible] روا رکھا گیا ہے اور خود محض بیجان ہیں۔ یہ افراد صلوات اللہ علیہم و سلامہ حسب استعداد فیوض

Marfat.com

رحمانیہ سے مستفیض ہوتے ہیں اور اپنی فطرت کے مطابق انعامات جزیلہ و مواہب جلیلہ کے موارد بنتے ہیں۔ ان افراد سے میری مراد انبیاء علیہم السلام اور اُن کے متبعین میں سے اکابر اولیائے عظام ہیں کہ مخلوق الٰہی میں اُن کے میزان پر اور کوئی نہیں تُل سکتا + انبیاء علیہم السلام کا قویٰ روحانیہ و مدرکہ میں ایسا ممتاز ہونا کہ دیگر افراد بنی آدم کیا اکابر صدیقین اور کیا اور سب کے سب اُنکی تربیت کے محتاج ہوں ہر مقرِ نبوت کے نزدیک مسلّم ہے لہٰذا اس امر کو اس کتاب میں ثابت کرنیکی ضرورت نہیں۔ مومن، متبع سنت مقتفی آثار سلف کیلئے تفاسیر و کتب حدیث میں اسکی مثالیں بہت ہیں۔ مثلاً رسول اللہ صلعم کا نماز میں صحابہ کی صفوں کو بحالت امامت اپنے پیچھے سے دیکھ سکنا (صحیح بخاری) اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا چیونٹی کی آواز کو سُن اور سمجھ لینا اور اُن کے اکابر متبعین میں سے ایک کا بلقیس شہزادی کے تخت کو آنکھ جھپکتے ہیں اُن کے سامنے لا حاضر کرنا۔ (سورۃ نمل) اور حضرت یعقوب ؑ کو حضرت یوسف ؑ کے کرتے کی خوشبو کا بہت بعید فاصلہ سے پہنچ جانا اور اُن کا باوجود مدت مدید کی مفارقت کے اُسے پہچان لینا۔ وغیرہ اور انکی دیگر کمالات اعجازی طور پر دوسروں سے بدرجہا قوی تر ہیں۔ گو اُن کے جسم اور اعضا بالکل دوسروں کی مانند نظر آتے ہیں۔

وصل

بعض لوگ آیت ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا کو معجزہ اور کرامت کے انکار کا بہانہ بناتے ہیں حقیقت میں وہ اس قول وخیال میں سخت غلطی پر ہیں۔ کیونکہ اس آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ سارے قرآن شریف میں جہاں کہیں سنۃ اللہ پر عدم تبدیل کا حکم لگایا گیا ہے۔ ان سب مقامات میں سنۃ اللہ سے مراد

Marfat.com

عذاب الٰہی ہے۔ اور قرآن شریف میں اس امر کا ایسا التزام کیا گیا ہے۔ کہ سارے
قرآن شریف میں ایک مقام بھی اس سے خالی نہیں۔ سو اللہ تعالیٰ اس عذاب
مہلک کی نسبت فرماتا ہے۔ کہ میرے بھیجے ہوئے عذاب کو نہ تو کوئی بدل سکتا ہے
اور نہ کوئی ٹال سکتا ہے۔ اس امر کے سمجھنے کا آسان طریق یہ ہے کہ انصاف پسند
طالب وہ سب مقامات جہاں یہ الفاظ یا اُن کے ہم معنے الفاظ وارد ہوئے
ہیں نکال کر ماقبل و ما بعد پر بغور نظر کرے تو بفضلہ تعالیٰ ان الفاظ کے ساتھ ہی
عذاب الٰہی کا ذکر بالتصریح موجود ہوگا۔ پس قاعدہ نظم و ارتباط قرآن کریم اس کو
اس امر کی تسلیم پر مجبور کر دیگا۔ کہ ان سب آیات میں سنۃ اللہ سے مراد عذاب
الٰہی ہے۔ چنانچہ وہ سب مواضع ذیل میں درج کیجاتی ہیں۔ ناظرین بنظر انصاف
ملاحظہ فرمائیں اور حق کی داد دیں ؛

موضع اول

وان کادوا لیستفزونك من الارض لیخرجوك منها فاذا لایلبثون خلفك الا قلیلا سنۃ من قد ارسلنا قبلك من رسلنا ولا تجد لسنتنا تحویلا

(سورہ بنی اسرائیل رکوع)

اے پیغمبرؐ کفار مکہ تو تم کو سرزمین مکہ سے اُکھیڑ ہی چلے تھے کہ تم کو اس سے باہر نکال دیں اور ایسا ہوتا تو تمہارے گئے پیچھے یہ لوگ بھی چند روز سے زیادہ نہ رہنے پاتے۔ تم سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے ان سب کے متعلق ہماری یہی سنت رہی ہے اور تم ہماری سنت کو کبھی بھی ٹلتے نہ پاؤ گے ؛ اس مقام پر صاف مذکور ہے کہ کفار مکہ پیغمبر صلعم کو مکہ شریف سے خارج کرنا چاہتے تھے حق تعالیٰ نے آپکی تسلی فرمائی۔ کہ اگر آپکو یہاں سے نکال دینگے تو آپکے پیچھے یہ لوگ خود بھی تھوڑا ہی رہینگے۔ کیونکہ دشمنان انبیاء سے ان کا انتقام لینا ہماری قدیمی سنت ہے۔ اور یہ کبھی بھی محول نہ ہوگی۔ اس سورت کے اخیر رکوع میں فرعون کی نسبت فرمایا:۔

Marfat.com

فاراد ان یستفزھم من الارض فاغرقناہ ومن معہ جمیعا وقلنا لبنی اسرائیل اسکنوا الارض (اسراء ع ۱۲)

فرعون نے چاہا کہ بنی اسرائیل کو ملک میں سے اکھیڑ کر باہر کرے اور ہم نے اُس کو اور جو اُس کے ساتھ کے تھے سبکو غرق کر دیا۔

گویا پہلے دشمنان انبیاء میں سے ایک دشمن فرعون کا ذکر کرکے سنۃ جاریہ کی ایک نظیر و مثال بھی ذکر فرمادی

موضع ثانی

لئن لم ینتہ المنفقون والذین فی قلوبھم مرض والمرجفون فی المدینۃ لنغرینك بھم ثم لا یجاورونك فیھا الا قلیلا ملعونین اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (احزاب ع ۸)

منافق اور وہ لوگ جنکی نیتیں بد ہیں اور جو لوگ مدینہ میں جھوٹی افواہیں اڑایا کرتے ہیں اگر اپنی حرکات سے باز نہ آئینگے تو اے پیغمبر ہم تم ہی کو ان پر ایک نہ ایک دن مسلط کر دینگے۔ پھر یہ لوگ مدینہ میں تمہارے پاس ٹہرنے نہیں پائینگے مگر چند روز اور وہ بھی طور پر پھر ان کا یہ حال ہوگا کہ جدھر نکلے دھتکارے ہوئے جہاں ملے پکڑا اور مار کر ٹکڑے اُڑا دیئے۔ جو لوگ پہلے ہو گزرے ہیں ان میں بھی خدا کا یہی دستور رہا ہے۔ اور اے پیغمبر تم خدا کے دستور میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے" اسمیں بھی عذاب آلہی کا ایسا صریح ذکر ہے کہ محتاج بیان نہیں۔

مقام سوم

ولا یحیق المکر السیء الا باھلہ فھل ینظرون الا سنۃ الاولین فلن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا اولم یسیروا فی الارض فینظروا

اور بری تدبیر (انسی) بری تدبیر کرنے والے ہی پر پڑتی ہے۔ تو کیا یہ لوگ اسی سنت کے منتظر ہیں جو اگلے لوگوں کے ساتھ برتی گئی تو پھر اے پیغمبر تم خدا کی اس سنت کو ہرگز

Marfat.com

کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم (فاطر ع)	بدلتی اور ملتی نہ پاؤ گے۔ کیا یہ لوگ زمین پر

چلے پھرے نہیں کہ جو لوگ ان سے پہلے ہوگزرے ہیں انکا کیسا خراب انجام ہوا"
اس مقام پر بھی عذاب صاف طور پر مذکور ہے لہذا تفصیل کی ضرورت نہیں +

موضع چہارم

ولو قاتلکم الذین کفروا لولوا الادبار ثم لا یجدون ولیا ولا نصیرا سنۃ اللہ التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (فتح ع ۳)	اور اگر کافر اسوقت تم مسلمانوں سے لڑتے تو ضرور پیٹھ کر بھاگ جاتے۔ پھر اُن کو نہ کوئی حامی ملتا اور نہ مددگار یہ اللہ کی سنت ہے جو پہلے سے ہوتی چلی آئی

ہے۔ اور اے پیغمبر تم اللہ کی سنت کو تبدیل ہوتے نہ پاؤ گے "
اس آیت میں بھی کفار کی سخت پستی اور کس مپرسی حالت اور ہلاکت کا ذکر ہے پس سنۃ اللہ پر عدم تبدیل کا حکم تین مواضع میں لگایا گیا ہے۔ وہ بھی چار آیتیں ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔ علاوہ اس کے اس مضمون عدم تبدیل عذاب الٰہی کو مواضع کثیرہ میں بالفاظ دیگر بیان کیا ہے۔ گویا وہ آیات تفسیر ہیں سنۃ اللہ کی چنانچہ سورہ مومن کے اخیر میں فرمایا "جب انہوں نے ہمارے عذاب ہلاکت کو آتے دیکھ لیا

فلم یک ینفعھم ایمانھم لما راوا باسنا سنت اللہ التی قد خلت فی عبادہ وخسر ھنالک الکفرون (مومن ع ۹)	تو اسوقت اُن کا ایمان لانا کچھ بھی مفید نہ ہوا۔ یہ سنۃ اللہ ہے جو ہمیشہ اس کے بندوں میں جاری ہے اور نزول عذاب

کے وقت کافر ہی خسارے میں رہے " اسی طرح سورہ انعام اور سورہ یوسف میں

ولا یرد باسہ عن القوم المجرمین (انعام) ولا یرد باسنا عن القوم المجرمین (یوسف)	کہ مجرم لوگوں کے سر سے ہمارا عذاب کسی صورت سے نہیں ٹل سکتا۔

اس بیان و تفصیل سے ناظرین انصاف کر پر روشن ہوگیا کہ متعقلین

Marfat.com

کا انکار معجزہ وکرامت کے لئے آیت ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا وغیرہ سے تمسک کرنا بغایت ضعیف ونہایت سخیف ہے۔ قوانین الٰہیہ کا کوئی شخص احاطہ نہیں کرسکتا۔ اُس نے ہر امر کے لئے قانون اور وقت مقرر کئے ہیں جن کو نہ ہم جانتے ہیں اور نہ اُن کی حقیقت وکیفیت کو پہنچ سکتے ہیں۔ معجزہ اور کرامت بھی ایک قانون ہے جو وہ اپنی قدرت کاملہ کے ظاہر کرنے اور منکرین پر اپنی حجت بالغہ کے پورا کرنے کے لئے وقت مقرر پر ظاہر کرتا ہے پس معجزہ وکرامت کو داخل وموافق قانون قدرت سمجھنا چاہیئے نہ کہ خلاف وخارج۔ ہاں خلاف عادت ضرور ہوتے ہیں اور اسی بات سے اسکی بالادستی قدرت انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کے لئے ظاہر ہوتی ہے جس سے وہ مخبر لوگوں اور جھوٹے مدعیان نبوت سے متمیز ہو جاتے ہیں اس مضمون کو ہم نے رسالہ شہادت القرآن میں قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے طالب تفصیل اسکا مطالعہ کرے۔

فصل اول

دربیان اثبات معراج جسمانی از قرآن وحدیث

سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ لنریہ من اٰیاتنا انہ ھو السمیع البصیر (سورت اسراء ع۱)	وہ (خدا عجز ودرماندگی کے عیب سے) پاک ہے جو اپنے بندے (محمدؐ) کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لیگیا جس کے گردا گرد ہم نے برکتیں دے رکھی ہیں تاکہ ہم اسکو

اپنی قدرت کے چند نمونے دکھائیں۔ وہ خدا سب کی باتیں سننے اور سب کو دیکھنے والا ہے سبحان الذی:۔ اللہ تعالیٰ علیم حکیم نے قرآن شریف کی سورتوں کو مختلف

Marfat.com

مناسب مناسب عنوانوں سے شروع کیا ہے۔ اور یہ انواع افتتاح تعداد میں دس ہیں۔ اوّل ان میں سے حمد و ثنائے الٰہی ہے۔ اور **ثنا** دو قسم پر ہے تحمید اور تسبیح **تحمید** تو یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کو صفاتِ جلال و نعوتِ کمال کے ساتھ موصوف جانا جائے۔ اور **تسبیح** یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صفاتِ نقص سے منزہ و مبرا مانا جائے پانچ سورتیں فاتحہ۔ انعام۔ کہف۔ سبا اور فاطر کلمہ الحمد للہ سے اور دو سورتیں فرقان اور ملک تبارک الذی سے شروع ہوئی ہیں۔ اور سات سورتوں بنی اسرائیل۔ حدید۔ حشر۔ صف۔ جمعہ۔ تغابن اور اعلےٰ کے ابتدا میں عنوان تسبیح ہے پس ہر دو تحمید اور تسبیح سات سات سورتوں کے شروع میں وارد ہوئیں۔ **تسبیح** ایک ایسا کلمہ ہے جسے ذات باری نے صرف اپنی ذات کے لئے خاص کیا ہے اور غیر پر اس کا اطلاق جائز نہیں۔ اور چونکہ قصہ **معراج** میں اللہ سبحانہ کے کسی مکان میں متحیز ہونے کا وہم ہو سکتا تھا۔ جو شان الٰہی کے شایان نہیں۔ اسلئے اس سورت اسراء کو لفظ سُبحان سے شروع کر کے وہم تحیز و تمکن کو دور کر دیا۔ **دیگر** یہ کہ معجزہ ایک ایسا عظیم امر ہے کہ بوجہ خلاف و خارق عادت ہونے کے بہت سے کوتاہ نظر متعقلین کے لئے موجب حیرانی و باعث سرگردانی ہوتا ہے اور سیر معراج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعجازی کمال ہے اور اس میں جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر جانا اُن کے نزدیک مستبعد تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ حکیم علیم نے اس سورۃ اسراء کو عنوان سُبحان سے بیان فرمایا۔ اور ہر دو وہم دور کر دیئے +

یہ دونوں وجہیں جو مذکور ہوئیں معراج جسمانی کی بڑی بھاری تائید ہیں کیونکہ تسبیح کی اُس وقت ضرورت پڑتی ہے جب کوئی امر عظیم خارق عادت مذکور ہو ورنہ امر موافقِ عادت مستمرہ کے لئے اسکی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایسا ہی تفسیر ابن کثیر میں بھی ہے۔ چنانچہ عنقریب ذکر کیا جائیگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ +

Marfat.com

اسریٰ فعل اسراء متعلق جوارح کے ہے نہ ارواح کے۔ چنانچہ علامہ فیومی مصباح میں فرماتے ہیں۔ سریت اللیل و سریت بہ سریا والاسم السرایۃ اذ اقطعتہ بالسیر اور لسان العرب میں اسی آیت سبحان الذی اسریٰ بعبدہ کے معنی سیّر عبدہ نقل کئے ہیں پس ثابت ہوا کہ اسراء نبوی صلعم جسمانی تھا نہ کشفی و منامی۔ قرآن شریف میں دیگر مقامات میں یہ لفظ انتقال مکانی ہی کے معنوں میں آیا ہے چنانچہ سورہ شعراء میں فرمایا۔ واوحینا الی موسیٰ ان اسر بعبادی لیلا الآیہ یعنے ہم نے موسیٰؑ کو وحی کی کہ میرے بندوں یعنی بنی اسرائیل کو راتوں رات لے چل اور اسی طرح سورہ حجر میں فرمایا فاسر باھلک بقطع من اللیل الآیہ یعنی اسے لوط اپنے اہل و عیال کو کچھ رات رہے اس بستی سے لے نکل۔ ناظرین پر واضح ہو گیا کہ ان آیتوں میں اسراء کے معنے اپنے بدن کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے ہیں۔ وھذا ھو المراد۔

دیگر یہ کہ ذات باری سبحانہ نے فعل اسراء کی اسناد اپنی طرف کی نہ رسول اللہ صلعم کی طرف۔ کیونکہ یہ سیر معراج جسمانی اگرچہ رسول اللہ صلعم کی اپنی قدرت سے مستبعد معلوم ہوتا ہے۔ مگر نظر بہ قدرت باری سبحانہ اس میں کوئی استبعاد نہیں اسی طرح حضرت روح اللہ علیہ السلام کے رفع سماوی کے بارے میں رفع کی نسبت اپنی طرف کی نہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف کیونکہ آسمانوں پر زندہ چڑھ جانا اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوت سے بعید ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ عزیز حکیم کی قدرت کے آگے کچھ چیز نہیں افادہ ذلک الامام الرازی رح تحت قولہ تعالےٰ بل رفعہ اللہ الیہ کما نقلنا ذلک فی رسالتنا شہادت القرآن فلینظر ثمہ بعبدہٖ فرمایا بروح عبدہ نہیں کہا۔ کیونکہ عبد سے مراد روح مع جسم ہوا کرتا ہے نہ مجرد روح۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے۔ فان العبد عبارۃ

عن مجموع الروح والجسد وقد قال اسریٰ بعبدہٖ امام فخر الدین رازی ؒ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں اس امر کو بسط تحقیق کیا ہے۔
قرآن شریف میں رسول اللہ صلعم کی ذات بابرکات کے لئے دیگر مواضع میں بھی لفظ عبد اور عبد اللہ وارد ہوئے ہیں اور ان مواضع میں مراد جسم مع روح ہے جیسے سورۃ علق میں فرمایا۔ ارأیت الذی ینھی عبداً اذا صلیٰ یعنی اے پیغمبر کیا تم نے اس شخص کے حال پر نظر کی ہے جو ہمارے ایک بندے کو جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو منع کرتا ہے۔ نماز وغیرہ اعمال وافعال متعلق جسم ہوتے ہیں نہ متعلق روح **دوسری** آیت سورۃ جن میں فرمایا۔ وانہ لما قام عبد اللہ کادوا یکونون علیہ لبدا۔ یعنی جب بندۂ خدا (محمدؐ) عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو لوگ اس کے گرداگرد ہو کر جھپٹ جانے کے قریب ہو جاتے ہیں
اس آیت میں بھی ذات بابرکات آں حضرت صلعم کو عبد اللہ کہا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ قیام بالدعا وغیرہ جسم کا کام ہے نہ مجرد روح کا۔ اور لوگوں کا اجتماع جسم کے گرد ہوتا ہے نہ روح کے پس جب معراج کی بابت بھی بعبدہٖ کہا تو ثابت ہوا کہ سبحانی کہا
لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ۔ تمام کتب نحو میں یہ امر مصرح ہے کہ من ابتدا کے لئے آتا ہے۔ اور الیٰ انتہائے غایت کے لئے۔ پس جب اس سیر کی ابتدا اور انتہا ذکر کی تو قول بالکشف باطل ہوا اور صاف ظاہر ہو گیا۔ کہ یہ سیر بصورت انتقال من مکان الی مکان آخر تھا۔ کیونکہ حالت کشفیہ کے ذکر میں ابتدا اور انتہا سے بحث نہیں کی جاتی بلکہ صرف شئی مکشوف کا ذکر کیا جاتا ہے اور بس۔ جیسا کہ اسی معراج کے بعد سوال کفار کے وقت بیت المقدس کو مرفوع کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا اور اس ذکر میں ابتدا اور انتہا کا مطلقاً ذکر نہیں۔ اسی طرح حضرت فاروق اعظم رضؓ کا حالت

Marfat.com

خطبہ میں ساریہ بن زنیم کو ندا کرنا بھی کشفی حالت ہے اور اس میں ابتدا و انتہا کا ہرگز ذکر نہیں۔ کیونکہ کشف کی حقیقت یہ ہے کہ درمیانی حجاب جو شئی مکشوف کے دیکھنے سے مانع ہوتے ہیں مرفوع ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ بینائی میں ایسی قوت بخشے کہ شئی مکشوف کا ادراک حسب ارادہ الٰہیہ اچھی طرح سے ہو سکے۔ پس جب اس قصہ اسرا میں اس سیر کی ابتدا اور انتہا ذکر کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ انتقال مکانی بالجسد تھا۔ نہ کسی اور طرح سے۔ فافہم وتدبر۔ اور باوجود اسریٰ میں معنے رات کے موجود ہونے کے پھر لیلاً کی تصریح اسلئے کی کہ تا معلوم ہو جاوے کہ اس سیر کی ابتدا و انتہا، اور ذہاب و ایاب ہر دو رات کے کچھ حصہ میں ہوئے۔ کیونکہ اگر اس کی تصریح نہ کی جاتی تو یہ وہم باقی رہتا کہ بیشک اسرار کی ابتدا تو رات کو ہوئی مگر اسکی انتہا حسب عادت مستمرہ ہوئی۔ پس اسرا معجزہ ثابت نہ ہوتا فسبحان اللہ ما افصح کتابہ۔

اس تفصیل و بیان سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ قرآن شریف سے یہی ثابت ہے کہ اسراء نبوی صلعم آپ کو جسمانی کرایا گیا تھا۔ اور نبی صلعم نے اسی امر کا کفار کے سامنے اظہار کیا۔ چنانچہ حدیث صحیح مسلم اس امر کی بالتوضیح مظہر ہے کہ جب کفار مکہ نے معراج کے بارے میں آپ کی تکذیب کی اور انہوں نے معاذ اللہ آپ کے دعوٰے معراج جسمانی کو باطل کرنے کے لئے آپ سے بعض علامات بیت المقدس کی نسبت سوال کئے۔ تو اس وقت کی بابت آنحضور صلعم فرماتے ہیں فکربت کربۃ ما کربت مثلہ قط یعنی مجھے ایسا کرب و اضطراب اور غم ہوا کہ اس سے پیشتر کبھی ایسا شدید غم اور قلق نہ ہوا تھا۔ پس اگر آپ ؐ کا دعوٰی سیر کشفی یا روحانی و منامی کا تھا۔ تو اس گھبراہٹ اور غم کی کیا وجہ تھی۔ آپ نہایت آسانی سے کہہ سکتے تھے کہ میرا دعوٰی سیر جسمانی کا تو نہیں کہ علامات کا بتانا ضروری ہو۔ دیکھئے نہیں چکل

کے متعقل لوگ مخالفین کے سامنے یہی عذر کرکے مخلصی چاہتے ہیں۔ تو کیا رسول اللہ صلعم صاحبِ حال کو ایسا نہ سوجھا ہ فتدبر ؛

اس جگہ ایک اور نکتہ قابل ذکر ہے۔ کہ کفار کے ان سوالات معروضہ کے جواب کے لئے اللہ تعالٰے نے بیت المقدس کو مرفوع کیا۔ حتٰی کہ آپ صلعم اسے دیکھ دیکھ کر علامات بتانے لگے۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف میں اسکے آگے یوں فرماتے ہیں فرفعه الله لی انظر الیه ما یسئلونی عن شئ الا انبأتهم به الحدیث یعنی اللہ تعالٰے نے میرے لئے بیت المقدس کو میرے سامنے اونچا کر دیا۔ کہ میں اُسکی طرف دیکھ دیکھ کر جو سوال وہ کرتے تھے اس کا جواب دیتا تھا۔ **بیت المقدس** کا آپ کے سامنے مرفوع کر دیا جی کوئی امر مستبعد نہیں کیونکہ اسکی نظیر رفع تختِ بلقیس ملکہ سبا قرآن شریف میں موجود ہے اور اسے اہل اصطلاح **اعدام** و **ایجاد** کہتے ہیں ؛ اس سیر کے لئے سواری براق جو صحیح بخاری سے ثابت ہے۔ نیز اس امر کی موید قوی ہے کہ یہ سیر آپ کو جسم مبارک کے ساتھ کرایا گیا تھا۔ کیونکہ سواری کی حاجت جسم کو ہوتی ہے نہ کہ روح کو۔ کیونکہ روح ایک ایسی لطیف شئی ہے کہ اپنی حرکت کے لئے کسی سواری وغیرہ کی محتاج نہیں ہوتی

اثبات معراج آسمانی - اس بیان و تفصیل کے بعد اگر کوئی یہ سوال کرے کہ سورہ بنی اسرائیل میں صرف مسجد حرام سے مسجد اقصٰے تک کے سیر کا ذکر ہے اور آسمان کا ذکر نہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ قرآن شریف میں کسی جگہ ایجاز و اختصار ہوتا ہے اور کسی جگہ اطناب و اسہاب۔ کہیں ذکر تو اہ بلاد ہوتا ہے اور کہیں محذوف۔ اس کے نظایر قصص انبیاء میں خصوصًا قصص حضرت کلیم اللہ و خلیل اللہ و یوسف علیہم السلام میں بکثرت ہیں۔ دیگر یہ کہ نزد بعض محدثین **اسراء** سے مراد مسجد اقصٰے تک کا سیر ہے۔ جو اس سورت

Marfat.com

ہیں مذکور ہے اور معراج سے مراد **سیر آسمانی** ہے جو سورہ نجم میں بیان کیا گیا ہے جیسا کہ امام المحدثین امام بخاری علیہ سحاب رحمۃ الباری نے اپنی **صحیح** میں ہر ایک کے لئے علیحدہ باب باندھا ہے پس ہر دو سیر یعنے مسجد حرام سے مسجد اقصےٰ تک اور مسجد اقصیٰ سے آسمان سے اوپر تک مثبت بالقرآن ہوئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نجم میں فرمایا۔ "بے شک اس پیغمبر نے جبریل ؑ کو سدرۃ المنتہےٰ

ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ عند سدرۃ المنتہیٰ عندھا جنۃ الماویٰ اذ یغشے السدرۃ ما یغشےٰ مازاغ البصر وما طغےٰ لقد رایٰ من ایات ربہ الکبریٰ۔

کے پاس جہاں جنۃ الماویٰ ہے ایک اور دفعہ بھی اُن کی اپنی اصلی صورت پر دیکھا ہے جب اس سدرہ پر چھا رہا تھا۔ جو چھا رہا تھا یعنی انوار تجلیات الٰہیہ اس وقت بھی پیغمبر کی نظر نہ کسی طرف کو بہکی اور نہ مقصود سے اُچٹی۔ کچھ شک نہیں کہ پیغمبر نے اس موقع پر اپنے رب کی قدرت کے بڑے عجائبات دیکھے"۔

مفسرین علیہم الرحمۃ اس امر پر متفق ہیں کہ یہ آیتیں سیر معراج آسمانی کا قصہ ہیں۔ اور یہ آیات معراج کے جسمانی اور آسمانی ہونے پر صاف شہادت دے رہی ہیں۔ **رسول اللہ** صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اپنی ملکی صورت میں دو دفعہ دیکھا ہے۔ ایک بار تو اوائل وحی میں جیسا کہ اسی سورت کے شروع میں فرمایا۔ فاستویٰ وھو بالافق الاعلےٰ یعنے جس وقت وہ فرشتہ آسمان کی ایک طرف اچھی اونچی جگہ میں تھا تو اپنی اصلی صورت میں سارے کا سارا پیغمبر کے سامنے آکھڑا ہوا" اور نیز سورہ تکویر میں اس امر کو ذکر کیا۔ ولقد راٰہ بالافق المبین۔ یعنے بیشک ہمارے پیغمبر نے جبریل فرشتہ کو آسمان کے مطلع صاف میں دیکھا ہے"۔ دوسری دفعہ آسمان پر سدرۃ المنتہےٰ کے پاس جسکا ذکر ان آیات میں ہے۔ ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ عند سدرۃ المنتہیٰ

Marfat.com

اور سدرۃ المنتہےٰ کا ساتویں آسمان پر ہونا صحیح بخاری کی حدیثِ معراج میں مذکور ہے چنانچہ آنحضرت صلعم ساتویں آسمان پر پہنچنے کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں "پھر ثم انطلق بی حتی انتہی بی الی السدرۃ حضرت جبریل ؑ مجھے سدرۃ المنتہےٰ تک المنتہےٰ وغشیہا الوان لا ادری ماھی لے گئے تو اس جگہ میں نے اس سدرہ کو ایسے انوار و تجلیات ڈھانکتے دیکھے جنکی ماہیت کو میں پا نہیں سکتا"

بلکہ انہیں آیات معراج سے ثابت ہے کہ سدرۃ المنتہےٰ آسمان پر ہے چنانچہ اس کے آگے فرمایا۔ عندھا جنۃ الماوٰی یعنی اس سدرہ کے پاس جنۃ الماویٰ ہے۔ اور چونکہ جنت کا آسمان پر ہونا قرآن وحدیث ہر دو سے ثابت ہے اس لئے سدرۃ المنتہےٰ بھی آسمان پر ثابت ہوئی اور اسکو المنتہیٰ سے اسلئے موسوم کیا گیا کہ الیہ ینتہی علم الخلائق یعنے ملائکہ وغیرہ مخلوق کا علم وہاں تک ہی ختم ہوجاتا ہے اور اس کے آگے کی بابت کسی کو کچھ بھی معلوم نہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلعم حضرت جبریل ؑ کی نسبت یہاں پہنچنے کی بابت فرماتے ہیں۔ انتہےٰ بی الی السدرۃ المنتہیٰ یعنی حضرت جبریل ؑ بھی یہیں تک ساتھ رہے اور اس سے آگے ان کو بھی رسائی نہ ہوئی۔ انہی معنوں کو شیخ سعدی ؒ نے یوں ظاہر کیا ہے کہ

شبے بر نشست از فلک بر گذشت | بتمکین وجاہ از ملک در گذشت
چناں گرم در تیہ قربت براند | کہ در سدرہ جبریل از و باز ماند
بدو گفت سالار بیت الحرام | کہ اے حامل وحی برتر خرام
چو در دوستی مخلصم یافتی | عنانم ز صحبت چرا تافتی
بگفتا فراتر مجالم نماند | بماندم کہ نیروے بالم نماند
اگر یک سر موے برتر پرم | فروغ تجلی بسوزد پرم

پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل ؑ کے ساتھ سدرۃ المنتہیٰ

تک پہنچے اور سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان کے اوپر ہے تو رسول اللہ صلعم کے معراج آسمانی وجسمانی میں کیا شک باقی رہا۔ فماذا بعد الحق الا الضلال +

مضمون ماسبق کو امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ تبیان فی اقسام القرآن میں انہی آیات کے ذیل میں فرماتے ہیں:- کہ اس کے بعد اللہ سبحانہ نے رسول اللہ صلعم

ثم اخبر سبحانہ عن رویتہ لجبریل مرۃ اخری عند سدرۃ المنتہی فالمرۃ الاولی کانت دون السماء بالافق الاعلی والثانیۃ کانت فوق السماء عند سدرۃ المنتہی (تبیان فی اقسام القرآن)	کے حضرت جبریل ؑ کو ایک اور مرتبہ دیکھنے کا ذکر کیا یعنے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ پس پہلی دفعہ تو آسمان کے نیچے افق پر دیکھا اور دوسری بار آسمان کے اوپر سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ؕ

دیگر یہ کہ آسمان پر سدرۃ المنتہیٰ کے اوپر رسول اللہ صلعم نے شب معراج میں جو کچھ عجائبات دیکھے اللہ تعالیٰ انکی کیفیت یوں فرماتا ہے:- جب اس سدرہ

اذ یغشی السدرۃ ما یغشی ما زاغ البصر وما طغی لقد رای من ایات ربہ الکبری (سورہ نجم)	پر چھا رہا تھا۔ جو چھا رہا تھا یعنی انوار و تجلیات الٰہیہ تو پیغمبر کی نظر اسوقت بھی نہ کسی طرف کو بہکی۔ اور نہ مقصود سے

اپنی۔ بیشک پیغمبر صلعم نے اس موقع پر اپنے رب کی قدرت کے بڑے عجائبات دیکھے" ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان انوار و تجلیات کی عظمت کو مایغشی سے ایسے لطیف طور پر سمجھایا کہ سننے والے کے دل میں اسکی عظمت و شان خوب بیٹھ جائے اور نیز ما زاغ البصر وما طغی میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کمال ادب اور نہایت قوت دحوصلہ کا بیان فرمایا۔ کہ عجائبات قدرت کے دیکھنے اور انوار و تجلیات الٰہیہ کے مشاہدہ سے اتنی حیرت میں بھی نہ پڑے کہ آپ کی چشم مبارک نہ تو کسی طرف بہکی اور نہ مقصود سے اُچٹی۔ بلکہ اُسی طرف لگی رہی جس طرف مالک الملک۔

Marfat.com

ذوالجلال والاکرام نے لگائی چاہی۔ اور ان سب عجائبات قدرت اور انوار و تجلیات الٰہیہ کو بڑے ادب و حوصلہ سے مشاہدہ کیا + اور چونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لفظ البصر فرمایا ہے یعنے آنکھ اور معلوم ہے کہ بصر آلات ذات جسم میں سے ہے جس طرح دیگر اعضاء بدن ہیں نہ کہ آلات روح میں سے اسلئے قرآن شریف سے یہی ثابت ہوا کہ **معراج آسمانی آپ کو جسم مبارک کے ساتھ کرایا گیا تھا** + مضمون ماسبق کو امام حافظ ابن قیم رح **تبیان** فی اقسام القرآن میں یوں فرماتے ہیں: کہ حبر امت افقہ الناس حضرت ابن عباس رضہ

مازاغ البصر وما طغیٰ قال ابن عباس رض مازاغ البصر یمینا وشمالا ولا طغی عن حیث ما یعرض للرائی الذی لا ادب له بین یدی الملوك من التفات یمینا وشمالا ومجاوزة البصر لما بین یدیه واخبر عنه بکمال الادب فی ذلك المقام وفی تلك الحضرة اذلم یلتفت جانبا ولم یمد بصره الی ما اری من الایات وما هناك من العجائب بل قام مقام العبد الذی اوجب ادبه اطراقه واقباله علی ما اری دون التفاته الی غیره ودون تطلعه الی مالم یره مع ما فی ذلك من ثبات الجاش وسکون القلب وطمانینته وهذا غایة الکمال و زیغ البصر

مازاغ البصر وما طغیٰ کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلعم کی نظر (ان انوار و تجلیات و عجائبات قدرت) سے بالکل ادھر ادھر نہوئی اور جس طرف دیکھنے کا حکم ہوا اسی طرف لگی رہی۔ پھر امام ابن قیم فرماتے ہیں کہ سب مفسرین اسی بات کے قائل ہیں۔ پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلعم کی بہت تعریف کی ہے کیونکہ جو شخص شاہانہ مجالس کے آداب نہیں جانتا وہ ادھر ادھر بھی دیکھتا [illegible] ہے اور اسکی نظر مقصود پر [illegible] پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلعم کی اس امر سے تنزیہ کر دی تو اس میں آپ کی دربار ایزدی احکم الحاکمین میں کمال ادب

Marfat.com

التفاته جانبا وطغيانه مده امامه الى حيث ينتهى (تبيان لابن القيم رح)	ثبوت دیا ہے کیونکہ آپ بادشاہِ حقیقی کے درگاہ میں آیات و عجائبات قدرت دیکھ کر

اور حیرت میں آکر اِدھر اُدھر دیکھنے نہیں لگ پڑے تھے۔ بلکہ ایک نہایت فرمانبردار غلام کی طرح اپنے تن من سے اپنے مالک کے دربار میں کمال ادب اور اطمینان اور حوصلہ سے کھڑے رہے اور مطلقاً کسی اور طرف التفات بھی نہ کی +

اس کے بعد امام **ابن قیم** رح نے اس سورت نجم کے متعلق ایسے عجیب و باریک نکات ذکر کئے ہیں جنسے رسول اللہ صلعم کی کمال درجہ کی مدح و تعریف ثابت ہوتی ہے۔ اور ہمیرے جیسے عاشق قرآن اور مذاق قرآنی کی لٹک والے مومن عش عش کر اُٹھتے ہیں چنانچہ فرمایا "پس اللہ تعالیٰ نے اس سورۂ نجم میں اپنے

فنزه عن رسوله فی هذه السورة علمه عن الضلال وقصده ونیته عن الغی ونطقه عن الهوى وفؤاده عن تكذيب بصره وبصره عن الزيغ والطغيان (تبیان)	رسول صلعم کے علم کو ضلالت سے اور آپ کے قصد اور نیت کو غوایت سے اور آپ کے کلام کو خواہش نفسانی سے اور آپ کے دل کو آنکھ کے جھٹلانے سے یعنی جو کچھ دیکھا

دل سے سچ جانا اور آپ کی آنکھ کو بہکنے اور مقصود سے اُچٹ جانے سے پاک بیان کیا"

ناظرین ایک طرف قرآن شریف میں سے سورۂ نجم نکال کر سامنے رکھیں اور دوسری طرف امام ابن قیم رح کی اس تحریر کو پیش نظر کرکے بغور ملاحظہ فرماویں تو اگر قرآن شریف کی فصاحت اور خوبی بیان اور رسول اللہ صلعم کی جلالت قدر اور عظمتِ شان کے گرویدہ ہو کر اس امامِ ہمام کی قرآن دانی پر فریفتہ نہ ہوں تو کہو ہاہ! افسوس اُن خفافیش بے بصیرت پر جنکی آنکھیں اس آفتابِ علم و ہدایت کے سامنے نہیں کھلتیں انہی کے مناسب حال شیخ سعدی رح نے کیا اچھا کہا ہے

"گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ"

اس سورت نجم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سب کمالات و انعامات کے ذکر کرنیکے بعد اللہ تعالیٰ نے اس قصہ معراج کو اس آیت پر ختم کیا ہے لقد رای من ایت ربه الکبری یعنی "بیشک ہمارے پیغمبر نے اپنے رب کے بڑے بڑے عجائبات قدرت مشاہدہ کئے" اور سورہ بنی اسرائیل میں بھی اس قصہ کو ان لفظوں پر ختم کیا ہے۔ لنریه من ایاتنا یعنی "ہم نے اپنے بندے محمد کو یہ سیر اسلئے کرایا کہ تا اُس کو اپنی عجائبات قدرت مشاہدہ کرائیں" +

سُبحان اللہ! کیسے عجیب طور پر دونوں سورتوں میں اس قصہ معراج جسمانی کو ایک ہی امر پر ختم کیا۔ اور ظاہر کر دیا کہ ان دونوں سورتوں میں ایک ہی واقعہ کا ذکر ہے پس **بیت اللہ شریف سے بیت المقدس تک کا ذکر سورہ اسراء میں ہے اور پھر وہاں سے ساتویں آسمان تک کا بیان اس سورہ نجم میں ہے** +

اس جگہ یہ نکتہ بھی قابل ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں فرمایا کہ جسوقت اُن کا پروردگار اس پہاڑ پر جلوہ فرما ہوا تو اُسکو چکنا چور کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام غش کھا کر گر پڑے پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کی کہ

فلما تجلی ربه للجبل جعله دکا و خر موسی صعقا فلما افاق قال سبحانك تبت الیك وانا اول المؤمنین (سورۃ اعراف ع ۱۷)

اے پروردگار تیری ذات پاک ہے میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور پہلا ایمان لانیوالا میں ہوں" مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد رسول اللہ کی شان میں فرمایا۔ کہ انوار و تجلیات الٰہیہ کو دیکھ کر نہ تو آپکی نظر کسی طرف کو بہکی اور نہ مقصود سے آگے بڑھی" پس اس میں رسول اللہ کے ادب درگاہ الٰہی اور قوت

ما زاغ البصر وما طغی لقد رای من ایت ربه الکبری (النجم ع ۱)

تحمل تجلیات الٰہیہ کا کامل ثبوت ہے۔ اللھم صل علی محمد وعلی آلہ وبارک وسلم

ائمہ مفسرین ومحدثین کی محققانہ عبارتیں

جمہور سلف وخلف اہل سنت اسی معراج جسمانی ہی کے قایل ہیں اور مصنفین اسلام کیا متقدمین اور کیا متاخرین سب کے سب بالاتفاق اسی معراج جسمانی ہی کو ثابت کرتے چلے آئے ہیں اور اہل سنت کی کوئی معتبر کتاب ایسی نہیں جسمیں معراج کشفی یا روحانی یا منامی کو صحیح وثابت قرار دیا ہو۔ بلکہ منکرین معراج کو کافر اور ضال اور مبتدع لکھتے ہیں چنانچہ تفسیر فتح البیان میں ہے

والذی دلت علیہ الاحادیث الکثیرۃ ہوما ذہب الیہ معظم السلف والخلف من الاسراء بجسدہ وروحہ یقظۃ الی بیت المقدس ثم الی السموات ولا حاجۃ الی التاویل وصرف ہذا النظم القرآنی وما یماثلہ من الفاظ الاحادیث الی ما یخالف الحقیقۃ ولا مقتضی لذلک الا مجرد الاستبعاد وتحکیم محض العقول القاصرۃ عن فہم ما ہو معلوم من انہ لا یستحیل علیہ سبحانہ شیٔ ولو کان ذلک مجرد رؤیا کما یقولہ من زعم ان الاسراء کان بالروح فقط وان رؤیا الانبیاء حق لم یقع التکذیب من الکفرۃ للنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عند اخبارہ

جمہور علمائے سلف وخلف کا یہی مذہب ہے کہ رسول اللہ صلعم کو سیر معراج عالم بیداری میں جسم اور روح دونوں کے ساتھ مکہ شریف سے بیت المقدس تک اور پھر وہاں سے آسمانوں تک کرایا گیا۔ اور اور بہت سی احادیث صحیحہ اسی پر دلالت کرتی ہیں اور نظم قرآنی اور الفاظ احادیث کو خلاف حقیقت تاویل کرنیکی کوئی حاجت نہیں اور یہ تاویل صرف استبعاد اور عقل قاصر الفہم کو حاکم بنا لینے کا نتیجہ ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اللہ سبحانہ کے نزدیک کوئی شئی محال نہیں ہے اور اگر یہ سیر معراج صرف ایک خواب ہی ہوتا تو کفار مکہ جب نبی صلعم نے ان کو اس امر کی خبر دی

Marfat.com

لهم بذلك حتى ارتد من ارتد ممن لم
يشرح بالايمان صدره فان الانسان
قد يرى في نومه ما هو مستبعد بل
هو محال ولا ينكر ذلك احد واما
التمسك لمن قال بان هذا الاسراء
انما كان بالروح على سبيل الرؤيا
بقوله وما جعلنا الرؤيا التي اريناك
الا فتنة للناس فمبني على تسليم ان المراد
بهذه الرؤيا هو هذا الاسراء فنقول
الواقع فيما نقول سبحان الذي اسرى
بعبده ليلا والتصريح في الاحاديث
الصحيحة الكثيرة بانه اسرى به لا تقصر
عن الاستدلال على تاويل هذه
الرؤيا الواقعة في الآية برؤية العيان
فانه قد يقال لرؤية العيان رؤيا
وكيف يصح حمل هذا الاسراء على الرؤيا
مع تصريح الاحاديث الصحيحة بان
النبي صلى الله عليه وسلم ركب البراق
[illegible] ووصف الروح بالركوب [illegible]
وكذا [illegible] الانسان [illegible]
الرؤيا [illegible]

آپ کی اس بارہ میں تکذیب نہ کرتے حتی کہ
کئی ضعیف الایمان مرتد ہو گئے کیونکہ اس
میں کچھ شک نہیں کہ بسا اوقات انسان
خواب میں ایسے امور دیکھتا ہے جو دور از
قیاس بلکہ محال ہوتے ہیں مگر کوئی بھی
اس کی تکذیب نہیں کرتا۔ اور آیت وما جعلنا
الرؤیا سے تمسک کر کے سیر معراج کو عالم
خواب میں روحانی طور پر کہنے کا جواب یہ
ہے کہ اگر بالفرض تسلیم کر بھی لیویں کہ یہ آیت
اسی قصہ معراج کی حکایت ہے تو بھی
سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا کی تصریح
اور اسی طرح احادیث صحیحہ کا بیان اس
لفظ رؤیا کو رؤیت چشم کے معانی میں
معین کر دیگا۔ کیونکہ رؤیا رؤیت چشم کے
معنوں میں بھی آیا ہے اور جب احادیث
صحیحہ اس امر کی تصریح کرتی ہیں کہ
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم براق پر سوار
ہوئے اور سوار ہونا [illegible]
[illegible] کے خواص
[illegible] کس طرح سے
[illegible] ایک قصہ

بانہ کان عند ان اسری بہ بین النائم والیقظان فالاولی ما ذھب الیہ الجمھور اذ لا فضیلۃ للحالم ولا مزیۃ للنائم (فتح البیان)

بتا سکتے ہیں اور علاوہ بریں خود رسول اللہ صلعم بالصراحۃ فرماتے ہیں کہ میں ابھی سویا نہیں تھا۔ کیونکہ خواب دیکھنے والے اور سوتے ہیں سیر کرنیوالے کی کوئی فضیلت نہیں"

اسی طرح تفسیر ابن کثیر میں ہے

فالاکثرون من العلماء علی انہ اسری ببدنہ وروحہ یقظۃ لا مناما ولا ینکران یکون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای قبل ذلک مناما ورآہ بعد یقظۃ لانہ کان علیہ السلام لایری رؤیا الا جاءت مثل فلق الصبح والدلیل علی ھذہ قولہ تعالی سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ فالتسبیح انما یکون عند الامور العظام فلو کان مناما لم یکن فیہ کبیر شئ ولم یکن مستعظما ولما بادرت کفار قریش الی تکذیبہ ولما ارتدت جماعۃ ممن قد اسلم وایضا فان العبد عبارۃ عن مجموع الروح والجسد وقال اسری بعبدہ وقال

:- اکثر علماء اس بات پر ہیں کہ سیر معراج آپ کو عالم بیداری میں کرایا گیا تھا نہ کہ خواب میں اور اگر پہلے کبھی بطور خواب دیکھا ہو اور اب پھر بیداری میں اسکے مطابق سیر کیا ہو تو کچھ تعجب نہیں۔ کیونکہ آں حضرت جو خواب دیکھتے تھے وہ عین بعین صبح صادق کی طرح ظاہری واقعہ بھی ہو جاتا تھا۔ اور اس معراج جسمانی کی دلیل یہ قول الٰہی ہے سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ یعنی پاک ہے وہ خدا جسنے اپنے بندے محمد صلعم کو سیر کرایا۔ کیونکہ تسبیح کی ضرورت کسی امرِ عظیم خارق عادت کے ذکر میں ہوا کرتی ہے۔ اور اگر یہ واقعہ ایک خواب ہی ہوتا تو کچھ بڑی بات نہ تھی پس تسبیح کی بھی کچھ ضرورت نہ رہتی۔ اور نیز یہ کہ کفار قریش دربارہ معراج آپکے جھٹلا نہیں

Marfat.com

قال تعٰ وماجعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس قال ابن عباس ھی رؤیا عین اریھا رسول اللہ صلعم رواہ البخاری وقال مازاغ البصر وماطغٰی والبصر من الات الذات لا الروح وایضًا فانہ حمل علی البراق وھو دابۃ بیضاء براقۃ لھا لمعان وانما یکون ھذا للبدن لا للروح لانھا لا تحتاج فی حرکتھا الی مرکب ترکب علیہ (ابن کثیر)

جلدی نہ کرتے اور نیز یہ کہ بعض ضعیف الایمان لوگ مرتد نہ ہو جاتے اور نیز یہ کہ اللہ تعالےٰ نے بعبدہٖ فرمایا اور بروحِ عبدہٖ نہ کہا۔ کیونکہ عبد روح مع جسم کو کہتے ہیں اور یہ جو فرمایا وماجعلنا الرؤیا الآیہ تو اس رویا سے مراد آنکھ کا دیکھنا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے اور نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نجم میں فرمایا مازاغ البصر وماطغٰی اور معلوم ہے کہ آنکھ آلات جسم میں سے ہے نہ کہ روح میں سے اور نیز یہ کہ آپؐ براق پر سوار کئے گئے اور براق سفید چمکتا ہوا ایک جانور ہے اور ظاہر ہے کہ سواری بدن کے اوصاف میں سے ہے اور روح اپنی حرکت میں سواری کی محتاج نہیں ہوتی"۔

نیز تفسیر ابن کثیر میں صحابہ رضؓ میں سے ان اصحاب کے اسمائے گرامی درج فرمائے ہیں جنہوں نے حدیث معراج کو روایت کیا اور جو اس معراج جسمانی سے انکار و اعراض کرے اُسے زندیق و ملحد لکھا ہے . . . . چنانچہ فرمایا۔ معراج کی

قد تواترت الروایات فی حدیث الاسراء عن عمر بن خطاب علی وابن مسعود وابی ذر ومالک ابن صعصعۃ ابی ھریرۃ وابی سعید وابن عباس و شداد بن اوس وابی ابن کعب وعبد الرحمٰن

حدیث مندرجہ ذیل صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی گئی ہے حضرت عمر رضؓ حضرت علی رضؓ۔ عبد اللہ بن مسعود۔ ابوذر۔ مالک بن صعصعہ۔ ابوہریرہ۔ ابو سعید۔ ابن عباس۔ شداد بن اوس۔ ابی بن کعب۔ عبد الرحمٰن

Marfat.com

بن قرظ وابی حبۃ وابی لیلی الانصاریین وعبداللہ بن عمرو وجابر وحذیفۃ وبریدۃ وام ہانی وعائشۃ واسماء ابنتی ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہم اجمعین منہم من ساقہ بطولہ ومنہم من اختصرہ علی ما وقع فی المسانید وان لم تکن روایۃ بعضہم علی شرط الصحۃ فحدیث الاسراء اجمع علیہ المسلمون واعرض عنہ الزنادقۃ والملحدون یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواہہم الآیۃ۔

بن قرظ۔ ابوحبہ اور ابولیلی انصاری عبداللہ بن عمرو۔ جابر بن عبداللہ حذیفہ بریدہ۔ ام ہانی۔ حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بعض نے پوری روایت کی ہے اور بعض نے مختصر۔ اگرچہ بعض کی سندیں مقال ہے مگر معراج کی حدیث پر کل مسلمانان اہل سنت کا اجماع ہے۔ اور زنادقہ اور ملحدین اس سے منہ موڑتے ہیں چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنی پھونکوں سے بجھا دیں مگر اللہ اپنے نور کو ضرور پورا کرے گا۔

امام نووی رح شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں: ۔حق یہی ہے کہ

والحق الذی علیہ اکثر الناس ومعظم السلف وعامۃ المتاخرین من الفقہاء والمحدثین والمتکلمین انہ اسری بجسدہ صلی اللہ علیہ وسلم والآثار تدل علیہ لمن طالعہا وبحث عنہا ولا یعدل عن ظاہرہا الا بدلیل ولا استحالۃ فی حملہا علیہ فیحتاج الی تاویل صفحہ ۱۰۸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہی کرایا گیا تھا اور اسی اعتقاد پر جمہور بزرگان سلف گذرے ہیں اور متاخرین سے عام فقہا و محدثین و متکلمین کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور احادیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ اور ان الفاظ کو حقیقی معنوں سے پھیر کر تاویل کرنا ...

اسی طرح جو کتب عقائد اہل سنت میں اس اعتقاد کو ... لکھا ہے ...
میں امام الائمہ امام ابوحنیفہ رح فرماتے ہیں۔ فقہ اکبر ...

متن فقہ اکبر [illegible]

[illegible]

وخبر المعراج حق [illegible]

[illegible]

شرح عقائد نسفی [illegible]

[illegible]

والمعراج لرسول الله عليه السلام في اليقظة بشخصه الى السماء ثم الى ما شاء الله تعالى من العلى حق ثابت بالخبر المشهور حتى ان منكره يكون مبتدعا وانكاره وادعاء استحالته انما يبتنى على اصول الفلاسفة والا فالخرق والالتيام على السموات جائز والاجسام

[illegible]

Marfat.com

متماثلة يصح على كل ما يصح على الآخر
والله تعالى قادر على الممكنات كلها
فقوله في اليقظة اشارة الى الرد على
من زعم ان المعراج كان في المنام
على ما روى عن معاوية انه سئل
عن المعراج فقال كانت رويا صالحة
وروى عن عائشة رض انها قالت
ما فقد جسد محمد عم ليلة المعراج
وقد قال الله تعالى وما جعلنا الرويا
التي اريناك الا فتنة للناس اجيب
بان المراد الرؤيا بالعين والمعنى ما
فقد جسده عن الروح بل كان
مع روحه وكان المعراج للروح والجسد
جميعًا وقوله بشخصه اشارة الى الرد
على من زعم انه كان للروح فقط
ولا يخفى ان المعراج في المنام
او بالروح ليس مما ينكر كل الانكار
والكفرة انكروا امر المعراج غاية
الانكار بل كثير من المسلمين قد ارتدوا بسبب
ذلك وقوله الى السماء اشارة الى الرد
على من زعم ان المعراج في اليقظة لم

جو کہے کہ حضرت معاویہ رض اور حضرت
عائشہ رض کے قول کے موافق معراج
خواب میں تھا۔ اور نیز اس کا جواب یہ
ہے کہ حضرت معاویہ رض اور حضرت
عائشہ رض کا مطلب خواب نہیں ہو
بلکہ امیر معاویہ کے قول میں رؤیا کے
معنے رویت چشم کے ہیں۔ اور حضرت
عائشہ رض کے قول کے یہ معنے ہیں کہ
رسول اللہ صلعم کے جسم اور روح میں
جدائی نہ ہوئی تھی۔ بلکہ آپ کا جسم
روح کے ساتھ ہی تھا۔ اور معراج
جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہوا۔
اور اگر کوئی صرف روح کے ساتھ
کہے تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ معاملہ
روحانی اور خوابی ایسا نہیں ہوتا
کہ کوئی اُسپر سخت انکار کرسکے
حالانکہ کفار نے سخت انکار کیا
اور کئی ضعیف الاعتقاد مسلمان
بھی مرتد ہوگئے۔ اور الی السماء
میں یہ اشارہ ہے کہ معراج
صرف بیت المقدس

Marfat.com

یکن الا الی بیت المقدس علی ما نطق بہ الکتاب ۔ (شرح عقاید نسفی)	تک نہیں ہوا تھا ۔ بلکہ آسمان تک ہوا تھا"۔ غرض اس معراج جسمانی پر

چہار مذاہب کا اجماع ہے ۔ اور کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس میں معراج جسمانی کو رد کیا ہو ۔ بلکہ جمیع کتب حدیث و تفسیر میں اسی کو تحقیق کیا ہے ۔ حیث چنانچہ امام ابن قیم رح **زاد المعاد** میں فرماتے ہیں :۔ صحیح مذہب یہی ہے کہ رسول اللہ

ثم اسری برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بجسدہ علی الصحیح من المسجد الحرام الی بیت المقدس راکبا علی البراق صحبہ جبریل ع ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ثم عرج بہ تلک اللیلۃ من بیت المقدس الی السماء والدنیا الی ان قال بعد ذکر السماء السابعۃ رفع الی السدرۃ المنتہی ثم رفع لہ البیت المعمور ثم عرج بہ الی الرب جل جلالہ فدنا منہ حتی قاب قوسین او ادنیٰ فاوحی الی عبدہ ما اوحی (زاد المعاد جلد)	صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سیر معراج آپکے بدن مبارک سے کرایا گیا تھا ۔ اور آپ براق پر سوار ہوئے اور حضرت جبریل ع آپکے ہمراہ تھے پھر بیت المقدس سے اسی رات پہلے آسمان پر چڑھائے گئے چنانچہ ساتویں آسمان کا ذکر کرکے کہا ہے کہ پھر سدرۃ المنتہیٰ تک چڑھائے گئے ۔ اور پھر بیت المعمور کو دیکھا اور جناب الٰہی میں حاضر ہوئے حتیٰ کہ اتنے نزدیک ہوئے کہ دو کمانوں کے گوشوں کا

فرق باقی رہگیا پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے (محمد ص) پر اُس وقت جو وحی کرنی تھی کی اور **تبیان فی اقسام القرآن** میں بیت معمور کی نسبت فرماتے ہیں :۔ کہ بیت

اما البیت المعمور فالمشہور انہ الصراح الذی فی السماء الذی رفع للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ الاسراء (تبیان ص ۵۶)	معمور جمہور علماء کے نزدیک ساتویں آسمان پر ایک محل ہے جو شب معراج میں نبی صلعم کو دکھایا گیا تھا"۔

حکمت معراج جسمانی

اگر معراج کی حکمت اور ضرورت پر نظر کی جائے تو سوائے معراج جسمانی کے سب کچھ باطل نظر آتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا سورہ شوریٰ میں: "اللہ تعالیٰ جو بہت بلند اور بڑی حکمت والا ہے کسی بشر کے ساتھ کلام نہیں کرتا مگر اس صورت میں کہ اسکو خفیہ وحی کے ذریعہ کچھ بتا دے یا پس پردہ کوئی بات سنا دے یا اپنا فرشتہ بھیجے جو اس کے اذن سے اس بشر کو پیغام پہنچا دے"

وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراءی حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء انہ علی حکیم (شوریٰ ع)

اور چونکہ یہ امر ثابت و مسلم ہے کہ رسول اللہ صلعم سید المرسلین و خاتم النبیین ہیں پس آپ کی نبوت درجۂ کمال کے اوپر کے نقطہ پر ہے اور اس سے اوپر بشر کے لئے کوئی رتبہ نہیں ہے اسلئے یہ ہر سہ امور آپ میں بالضرور ثابت ہونے چاہئیں۔ صورت اول یعنے مجرد وحی سے اکثر احادیث نبویہ ہیں۔ اور صورت سوم یعنے بواسطہ حضرت جبریل یہہ کلام معجز نظام قرآن مجید نازل ہوا۔ اور صورت دوم یعنے جب اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان حضرت ایک پردہ سا ہو۔ نبی صلعم اللہ تعالیٰ سے سوائے شب معراج کے کبھی ہمکلام نہیں ہوئے پس یہ درجہ حاصل ہونے کے لئے ضرور ہے کہ معراج جسمانی ہو۔ دیگر یہ کہ جو جو کمالات دیگر انبیاء علیہم السلام میں فرداً فرداً موجود تھے۔ وہ سب کے سب اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم کی ذات بابرکات میں یکجا جمع کردیئے۔ اور اسی معنے میں کیا خوب کہا گیا ہے ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری ✤ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابرہیم وعلی آل ابرہیم انک حمید مجید

Marfat.com

اور چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے کوہ طور پر ہمکلام ہونا بنص تصریح وکلم اللہ موسیٰ تکلیما اور کلمہ ربہ ثابت ہے اور رفع جسمی حضرت روح اللہ کا آیت بل رفعہ اللہ الیہ سے محقق ہے اسلئے حکمت الٰہیہ اس امر کی مقتضی ہوئی کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دونوں کمال بوجہ اتم واحسن ایک وقت میں عطا کرے پس یہ کمالات اسی شب معراج کو حاصل ہوئے۔ اس کیفیت کہ تکلم حضرت کلیم اللہ کے تکلم سے ارفع تھا۔ اور عروج حضرت روح اللہ کے عروج سے اعلیٰ ۔ ان کمالات کا حصول بغیر رفع جسمی کے ممکن نہیں ہو سکتا فافہم وتدبر

فصل ثانی

در ازالہ بعض شبہات منکرین معراج جسمانی

بعض لوگ آیت قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا کو پیش کر کے رفع جسمی اور معراج نبوی جسمانی سے انکار کی گنجائش نکالتے ہیں۔ یہ لوگ حقیقت قرآنیہ سے بالکل بے خبر ہیں اور ان کے ذہن رسا مراد صحیح تک پہنچنے سے نہایت قاصر ہیں نہ سلسلہ کلام پر نظر کرتے ہیں اور نہ سیاق وسباق عبارت پر غور و فکر۔ لا تقربوا الصلوٰۃ جیسی بے تکی ہانکے جاتے ہیں۔ اور اتنا بھی معلوم نہیں کر سکتے کہ راہ اعتدال سے دور افتادہ ہیں۔ تفصیل وبیان اس اجمال کی یہ ہے کہ یہ آیت کفار کے جواب میں کلمہ جامعہ سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا تعلیم کیا گیا ہے۔ یعنی کفار کہتے ہیں کہ ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ تو ہمارے وقالوا لن نؤمن لک حتی تفجر لنا من الارض ۔ لئے زمین سے چشمے جاری کردے۔ یا

Marfat.com

ینبوعا او تکون لک جنة من نخیل و عنب فتفجر الانهار خلالها تفجیرا او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا او تاتی باللہ والملائکة قبیلا او یکون لک بیت من زخرف او ترقی فی السماء ولن نؤمن لرقیک حتی تنزل علینا کتابا نقرؤہ قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا (بنی اسرائیل ع)	تیرے پاس کھجور اور انگور کا باغ ہو اور اس کے نیچے نہریں جاری ہوں یا تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑہ برسا دے جیسا کہ تو کہا کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو ضامن لے آوے یا تیرے لئے کوئی گھر سونے کا بنا ہوا ہو یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھنے کو نہیں مانینگے جبتک کہ وہاں سے کوئی ایسی کتاب نازل

کرے جسکو ہم خود پڑھ لیں۔ اے پیغمبر ان کو ان سوالات کے جواب میں یہی کہدو کہ میرا رب پاک ہے (کہ کوئی اس پر زور و تحکم کرے) میں تو صرف ایک (فرمانبردار) بندہ اور رسول ہوں"۔ ان آیات میں کفار کی ان اقتراحات کا ذکر ہے۔ اول آنحضرت صلعم کا اعجازی قوت سے زمین میں چشمے جاری کرنا۔ دوم آں حضور سرور عالم صلعم کے لئے خرما و انگور کا **باغ** موجود ہونا اور اس میں **نہروں** کا بہتے ہونا۔ سوم آسمان کا ٹکڑا عذاب کے لئے گر پڑنا۔ چہارم اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور ملائکہ کی ضمانت تصدیق یا اُن کو سامنے لانا۔ پنجم آنحضرت صلعم کے لئے سونے کا محل ہونا۔ ششم آنحضرت سید الرسل و افضل البشر کا **آسمان** پر چڑھ جانا۔ اور وہاں سے **کتاب** کا اُتارنا جسے کفار خود پڑھ لیں +

یہ بالکل بدیہی اور صریح امر ہے کہ ان سب سوالات کے جواب میں ایک ہی کلمہ سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا۔ تعلیم کیا گیا ہے۔ اگر یہ جواب امر ششم یعنے آسمان پر چڑھ جانے کے محال ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ تو باقی سب امور بھی مستبعد و ناممکن ماننے پڑینگے۔ کیونکہ جملہ سوالات کا ایک ہی جواب سکھایا گیا ہے

پس واضح ہو کہ ان کل امور کا ممکن اور غیر ممتنع ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے اور ایسے خوارق کا ذوات بابرکات انبیا علیہم السلام سے باذن الٰہی واقع ہونا محل استبعاد نہیں۔ کیونکہ معجزہ یعنے خرق عادت ممکن ہے۔ پہلے ہم ان سب امور کو قرآن شریف سے ممکن ثابت کرتے ہیں۔ اور پھر قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا کی صحیح تفسیر بیان کریں گے۔ اور اس کے بعد یہ ذکر کرینگے کہ باوجود ان امور کے ممکن ہونے کے پھر کفار کی طلب پوری کیوں نہیں کی گئی۔

امر اوّل یعنی پیغمبر برحق ؑ کے معجزہ سے زمین میں سے چشموں کا پھوٹ پڑنا آیت فانفجرت منه اثنتا عشرة عینا (بقر) سے ثابت ہے۔ یعنی موسیٰ ؑ کے معجزہ سے پتھر پر عصا مارنے سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے اور اسی طرح رسول اللہ صلعم کی انگلیوں سے فوارے جاری ہو پڑنے اور نیز حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایڑیوں کی ضربوں سے آب زمزم کا پیدا ہونا امر مطلوب کے ممکن ہونے کی بڑی بھاری دلیل ہے اور ان ہر دو واقعات کا ذکر صحیح بخاری میں موجود ہے

امر دوم اور سوم یعنی پیغمبر حق کے لئے باغات و انہار و محلات کا میسر ہونیکی دلیل بھی قرآن شریف سے ثابت ہے۔ چنانچہ سورہ فرقان میں کفار کے اس سوال کو ذکر کرکے جواب فرمایا ہے:۔ وہ اللہ بہت برکت والا ہے اگر چاہے تو تیرے لئے ایک چھوڑ کئی باغات ان باغوں سے اچھے مہیا کر دے کہ ان کے تلے نہریں بہ رہی ہوں اور تجھے ایک چھوڑ کئی محل

تبارك الذی ان شاء جعل لك خیرا من ذلك جنت تجری من تحتها الانهار ویجعل لك قصورا (فرقان ع)

نیز حضرت سلیمان ؑ کی عام بادشاہی اور ان کے لئے جرا و تسییس محل کا میسر ہونا سورہ نمل میں مذکور ہے۔ اور اسی طرح شیاطین کا آپ کے مسخر ہونا اور آپ کے لئے سمندروں میں سے بیش بہا موتی نکالنا اور طرح طرح کے مکلف اسباب

Marfat.com

خانگی تیار کرنا سورہ انبیاء۔ سبا۔ اور ص میں مذکور ہے۔
سُبحان اللہ! انبیاء علیہم السّلام تو بہترین خلائق ہوتے ہیں اُن کے لئے خزانہ الٰہی میں کس چیز کی کمی ہے۔ یہ فرہندہ اسباب تو دیگر افراد بنی نوع بلکہ کفار کے لئے بھی اس دنیا میں میسر ہو سکتے ہیں۔ بلکہ بعض کو حاصل ہیں چنانچہ سورہ زخرف میں فرمایا" اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ کفر ہی پر کمر باندھ لیں گے

ولولا ان یکون الناس امۃ واحدۃ لجعلنا لمن یکفر بالرحمٰن لبیوتہم سقفا من فضۃ ومعارج علیہا یظہرون ولبیوتہم ابوابا وسررا علیہا یتکئون وزخرفا (زخرف ع)

تو ہم منکرین کے گھروں کی چھتیں اور سیڑھیں اور دروازے اور تخت اور تکیہ گاہ سب کچھ چاندی کے کر دیتے اور اسی طرح دیگر اسباب بھی سب کچھ سونے کا عطا کر دیتے"۔ اس آیت میں کفار کے لئے چاندی کی چھتیں اور سیڑھیں اور دروازے اور تخت اور تکیہ گاہ اور دیگر اسباب طلائی میسر ہو سکنے کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ ان اسباب کا حاصل کر لینا (بتوفیقہ تعالے) طاقت بشری سے خارج نہیں ہے پس جب عامہ خلائق کے لئے ممکن ہوا تو انبیاء جو خواص دربار ایزدی ہوتے ہیں اُن کے حق میں کس طرح محال ہونگے۔ خواص کا ایسے اسباب فانیہ کو محبوب نہ جاننا امر دیگر ہے اور اُن کے حق میں معاذ اللہ محال و مستبعد ہونا امر دیگر ہے۔

امر سوم یعنے آسمان سے کوئی ٹکڑا عذاب کے طور نازل ہونا خود کفار کے مقولہ کما زعمت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے کبھی ان کو اس عذاب سے ڈرایا تھا جسپر کفار نے مطالبہ کے وقت اس کا حوالہ دیا ہے اور وہ ڈر جو اُن کو سنایا گیا تھا۔ سورہ سبا میں مذکور ہے" اگر ہم چاہیں تو اُن کو زمین

ان نشاء نخسف بہم الارض او نسقط

میں دھسا دیں یا آسمان سے کوئی

Marfat.com

علیھم کسفا من السمآء (السباء) ٹکڑہ بطور عذاب نازل کر دیں"۔ اسی طرح سب آسمانوں اور زمین کا سقوط وزوال ممکن ہونا کئی آیات سے ثابت ہوتا ہے

ان اللہ یمسك السموات والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسکھما من احد من بعدہ (فاطر) "آسمان اور زمین کو صرف اللہ تعالیٰ ہی نے تھاما ہوا ہے اور اگر وہ نہ تھامے اور وہ گرنے کو ہوں تو پھر انکو کوئی بھی نہ تھام سکے"۔ بلکہ قیامت کو یہ سب آسمان وزمین فنا کر دیے جائینگے۔ اور یہ امر قرآن شریف میں کئی جگہ مذکور ہے۔ چنانچہ تبدیل زمین وآسمان کی نسبت سورۂ ابراہیم کے اخیر میں فرمایا"۔ جس دن زمین اور آسمان نئے تبدیل کیے جائینگے یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات (ع) ۔ پس آسمان سے کوئی ٹکڑا بطور عذاب نازل ہونا بھی ناممکن ومحال نہ ہوا۔ وھذا ھو المراد۔

امر چہارم یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور ملائکہ کو ضامن کر کے صداقت نبوت کو ثابت کرنا۔ اس میں کونسا استبعاد ہے۔ قرآن شریف اس سے بھرا پڑا ہے چنانچہ فرمایا

لکن اللہ یشھد بما انزل الیك انزلہ بعلمہ والملائکۃ یشھدون وکفی باللہ شھیدا۔ "اللہ تعالیٰ تو اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اُس نے اس قرآن شریف کو تجھ پر اپنے علم سے سچ سچ نازل کیا ہے اور فرشتے بھی شہادت دیتے ہیں اور شہادت کے لئے تو اللہ ہی کافی ہے"۔ اور اگر قبیلا بمعنے قبلا سمجھیں تو بھی مستبعد نہیں۔ کیونکہ اتیان باری بلکہ غیر تقیید شانہ العظیم ممتنع بالغیر ہے۔ اور ہر ممتنع بالغیر ممکن بالذات ہوتا ہے۔ جیسا کہ شہادت القرآن میں ثابت ہو چکا ہے۔ ملاحظہ ہوں آیات ھل ینظرون الا ان یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام والملائکۃ نیز وجاء ربك والملك صفا صفا (فجر) وغیرہا۔ اور احادیث نزول باری سبحانہ ۔

امر ششم یعنی آسمان پر بارادہ آلہیہ چڑھ سکنا عامہ بشر بلکہ کفار کے حق میں بھی ممکن ہے چنانچہ سورہ حجر کے شروع میں فرمایا: "اور اگر ہم کفار پر

ولو فتحنا علیهم بابا من السماء فظلوا فیه یعرجون لقالوا انما سکرت ابصارنا بل نحن قوم مسحورون۔ (حجر ع ۱)

آسمان کا دروازہ بھی کھول دیں اور وہ اس میں دن ہوتے چڑھ بھی جائیں تو پھر بھی کہینگے کہ ہم کو کسی نے جادو کر دیا ہے"

پس عباد صالحین وحضرات مرسلین جو بہت اعز واکرم ہیں ان کے لئے کس طرح محال ہو سکتا ہے۔ اسی طرح **کتاب** کا لکھی ہوئی صورت میں آسمان سے اُتر سکنا سورت انعام کی آیت سے ثابت ہے۔ جیساکہ فرمایا: "اور اگر ہم تجھ پر لکھی لکھائی

ولو نزلنا علیک کتابا فی قرطاس فلمسوه بایدیهم لقال الذین کفروا ان هذا الا سحر مبین (انعام ع ۱)

کتاب بھی نازل کریں اور یہ کفار اس اپنے ہاتھوں سے ٹٹول بھی لیں تو بھی کہینگے کہ یہ تو صریح جادو ہے"۔ بلکہ توریت کا نزول شہادت وقوعی قائم کر رہا ہے۔

الغرض یہ سب آیات طیبہ صاف بتلا رہی ہیں کہ امور مسئولہ کفار ممکن وغیر ممتنع ہیں تو پھر آیت سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا سے عدم استحالہ کس طرح بجا ہے۔ اس صورت میں تو قرآن حکیم میں تعارض ہوگا۔ وهذا باطل اگر اسی آیت کو بغور دیکھیں تو اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار معترضین کو اس امر کا علم تھا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج جسمانی کے مدعی ہیں او ترقی فی السماء کے بعد ولن نؤمن لرقیک حتی تنزل علینا کتابا نقرؤه اسی لئے کہا کہ مبادا آپ پچھلے معراج کا حوالہ دیدیں۔ مزید برین کفار کا سوال کرنا ہی اس امر پر دال ہے کہ وہ ان امور خارقہ عادات کا ظہور ذوات بابرکات انبیاء علیہم السلام سے ممکن جانتے تھے۔ اسی لئے یہ امور پیش کئے۔ کہ اگر آپ ان ممکنات

Marfat.com

کو واقعات کر دکھائیں تو آپ پر ایمان لے آوینگے۔ اور آپ کی رسالت کی تصدیق کریں گے۔

پھر اگر یہ **سوال** ہو کہ اگر سب امور مقترحہ ممکنات میں سے ہیں تو سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا کی صحیح تفسیر جس آیۃ یہ جواب سرامر کے ساتھ منطبق ہو جائے کس طرح سے تو اسکا جواب یہ ہو کہ اسکی صحیح تفسیر جسکی دوسری آیات موید و مصدق ہیں وہ ہے جو تفسیر ابن کثیر و سراج منیر سے نقل کی جاتی ہے۔ اس آیت

وقوله تعالى سبحان ربي هل كنت الا بشرا رسولا اي سبحانه وتعالى وتقدس ان يتقدم احد بين يديه في امر من امور سلطانه وملكوته بل هو الفعال لما يشاء ان شاء اجابكم الى ما سألتم وان شاء لم يجبكم وما انا الا رسول اليكم ابلغكم رسالات ربي وانصح لكم وقد فعلت ذلك وامركم فيما سألتم الى الله عزوجل (ابن کثیر)

سبحان ربی کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس امر سے پاک ہو کہ کوئی شخص اسکی بادشاہی میں پیشدستی یا اس کے سامنے بڑھ کر بات کر سکے۔ بلکہ جس امر کو چاہتا ہے خود کرتا ہے۔ پس اگر وہ چاہیگا تو تمہارا سوال قبول کریگا ورنہ نہیں۔ اور میں تو صرف اس کے حکم کا مطیع اس کا ایلچی ہوں میرا کام صرف تبلیغ رسالت ہی جو میں کر چکا ہوں۔ اور جو کچھ تم نے سوال کئے ہیں ان کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ اسی طرح تفسیر سراج منیر میں بھی بوضاحت اس امر کو محقق کیا ہے۔ اور جس وقت کفار کی سرکشی اور کج بحثی حد کو پہنچ گئی

لما تعنتوا وكان لسان الحال طالبا من الله تعالى الجواب عنه امره الله تعالى جوابهم بقوله قل اي لهؤلاء البعداء [illegible] سبحان ربي تعجبا من

تو آپ کی زبان حال اللہ تعالیٰ سے اس بات کا جواب طلب کر رہی تھی پس اللہ تعالیٰ نے جواب سکھایا ان [illegible] سے کہو کہ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

اتترکونہ و تنزیہا للہ من ان یاتی احد یتحکم علیہ او یشارکہ احد فی القدرۃ وقرء ابن کثیر و ابن عامر بصیغۃ الماضی والباقون قل بصیغۃ الامر وھل کنت الا بشراً رسولا کما کان من قبلی من الرسل وکانوا لا یاتون قومہم الا بما یظہرہ اللہ علی ایدیھم بما یلائم حال قومھم ولم یکن امر الآیات الیھم ولا لھم ان یتحکموا علی اللہ حتی یتخیروھا ھذا ھو الجواب المجمل واما التفصیل فقد ذکر فی آیات اخر کقولہ تعالی ولو نزلنا علیک کتابا فی قرطاس فلمسوہ بایدیھم ولو فتحنا علیھم بابا ونحو ذلک	اس بات سے پاک ہے کہ کوئی شخص اسپر حکم و زور کر سکے یا قدرت میں اسکا شریک ہو سکے۔ میں اپنے اختیار سے یہ امر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں تو ایک رسول ہوں اور مجھ سے پہلے جتنے رسول ہوئے ہیں اپنے اختیار سے کوئی بھی معجزہ نہ دکھاتا تھا بلکہ صرف وہی جو اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھ پر ظاہر کرے اور اُن کی قوم کے حال کے موافق ہوں اور معجزات کا دکھانا رسولوں کے اختیار میں نہیں ہوتا تھا اور نہ اُن کو یہ قدرت ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ پر حکم اور زور کر کے اپنی مرضی سے معجزے طلب کریں اس آیت میں یہ جواب مجمل دیا گیا

ہے اور تفصیل کے ساتھ دیگر مقامات میں مذکور ہے مثلاً آسمان سے کتاب اتارنے کا جواب سورہ انعام میں فرمایا گیا۔ کہ اگر ہم تجھ پر لکھی لکھائی کتاب بھی نازل کرتے اور یہ منکر لوگ اسکو اپنے ہاتھوں سے ٹٹول بھی لیتے تو بھی انہوں نے اس کو جادو کہہ کر انکار کر دینا تھا۔ اور آسمان پر چڑھنے کا جواب سورہ حجر میں فرمایا کہ اگر ہم ان کفار کے لئے آسمان کا دروازہ بھی کھولدیں اور یہ لوگ اسمیں چڑھ بھی جائیں تب بھی یہ منکر کہینگے کہ ہم کو کسی نے جادو کر دیا ہے۔ اور اسی طرح اور سوالات کے تفصیلی جواب دیگر آیات میں دیئے ہیں" تفسیر سراج منیر نے تو بیشک ظلمات وساوس و شبہات کو دور کر دیا۔ اور قلبِ مومن کو منور کر دیا۔ اور

یہ بھی ظاہر کر دیا کہ یہ امور متعنتات میں سے نہیں بلکہ اعراض صرف انکے تعنت کی وجہ سے ہے۔ اور نیز یہ کہ یہ جواب مجمل سب امور مسئولہ عنہا کا جواب ہی اور ہر امر کا بالتفصیل جواب دیگر آیات میں مذکور ہے چنانچہ مثال کے طور پر دو امر صعود الی السماء اور تنزیل کتاب کے امکان میں وہی آئتیں ذکر کیں جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں اور باقی امور کے جواب کی تفصیل کی طرف ونحو ذلک سے اشارہ کر دیا۔ کہ طالب تفصیل خود قرآن شریف میں تدبر و تفحص کرکے ڈھونڈ لے فالحمد للہ علی نعمائہ الشاملۃ وآلائہ الکاملۃ۔

تفسیر کبیر میں بھی اس جواب کی اسی طرح تقریر کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

تقریر الجواب ان یقال اما ان یکون مرادکم من هذا الاقتراح انکم طلبتم الاتیان من عند نفسی بهذه الاشیاء او طلبتم من ان اطلب من الله تعالی اظهارها علی یدی لتدل علی کونی رسولا حقا من عند الله والاول باطل لانی بشر والبشر لاقدرة له علی هذه الاشیاء والثانی ایضا باطل لانی قد اتیتکم بمعجزة واحدة وهی القرآن والدلالة علی کونها معجزة فطلب هذه المعجزات طلب لما لاحاجة الیه ولاضرورة فکان مجری التعنت والتحکم وانا عبد مامور لیس لی ان اتحکم علی الله فسقط هذا

اس جواب کی تقریر اس طرح ہے۔ کہ کفار کے سوال کی دو صورتیں ہیں اوّل یہ کہ ان امور کو اپنے اختیار سے کر دکھاؤں دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ سے طلب کروں کہ وہ میری صداقت کے لئے ان امور کو ظاہر کرے۔ پس یہ دونوں صورتیں باطل ہیں۔ پہلے تو اسلئے کہ میں بشر ہوں اور اپنے اختیار سے اُن اشیاء پر قادر نہیں ہوں۔ اور دوسری اس [illegible] کہ معجزہ تو میں تمہارے پاس لا چکا ہوں کیونکہ یہ قرآن شریف میری نبوت کی تصدیق کے لئے کافی معجزہ ہے۔ پس تمہارے معجزہ کی طلب محض تعنت اور

Marfat.com

السوال فثبت ان قول قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا جواب کاف فی هذا الباب (تفسیر کبیر)	حکم ہے اور میں تو اللہ تعالیٰ کا مطیع بندہ ہوں میں اتنی قدرت نہیں رکھتا کہ حکم اور زور سے کوئی امر اس سے طلب کروں

پس یہ سوال کفار مردود ہے۔ اور ثابت ہوگیا کہ قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا اس بارے میں کافی جواب ہے"۔

جو تقریر مفسرین علیہم الرحمۃ سے اس جواب کے بارے میں نقل کی گئی ہے وہ بالکل حق اور مراد الٰہی کے عین مطابق ہے اور دیگر آیات اسکی تائید و تصدیق کرتی ہیں پس یہ تفسیر تفسیر القرآن بالقرآن ہے اصل اس سارے مضمون کا آیت سورۃ مومن وما کان لرسول ان یأتی بأیۃ الا باذن اللہ ہے یعنی کوئی رسول بغیر اذن الٰہی کوئی نشان و معجزہ نہیں دکھا سکتا کیونکہ معجزہ مقدور بشر سے خارج شئی کا نام ہے اور رسول بھی بوجہ بشر ہونے کے بذات خود بالاستقلال خرق عادت پر قادر نہیں ہوتے الا باذن اللہ۔ ایسے امور جن سے دیگر افراد عاجز ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے رسول برحق کے دست مبارک پر ظاہر کرتا ہے۔ اور وہ اُس کی صداقت کے دلائل ہوتے ہیں۔ مثلاً حضرت روح اللہ علیہم السلام اپنی رسالت کی صداقت کے بارے میں انی اخلق لکم من الطین الآیہ اور موسیٰ ؑ اپنی رسالت کی صداقت میں فرعون کے سامنے اولو جئتک بشئ مبین فرماتے ہیں اور فرعون اس پر طلب کرتا ہے اور کہتا ہے۔ فأت بہ ان کنت من الصادقین۔ ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے وسیلے کچھ عجائبات جو مقدور بشر سے خارج ہوں ظاہر کیا کرتا ہے اور وہ اُن کے صدق پر دلیل ہوا کرتے ہیں۔ اور ایسے عجائبات کوئی رسول بغیر اذن الٰہی کے دکھا نہیں سکتا +

Marfat.com

اب قرآن شریف کے چند مقامات ذکر کئے جاتے ہیں جن میں اسی طرح کفار نے اقتراحی آیات کا مطالبہ کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم کو یہی جواب تعلیم کیا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ میرا کام اتباع وحی اور تبلیغ رسالت ہے معجزات اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں چاہے تو دکھا دے ورنہ نہ دکھائے اس میں میرا کوئی تحکم و تصرف نہیں کہ بزور معجزہ طلب کروں چنانچہ فرمایا

وإذا لم تأتهم بآية قالوا لولا اجتبيتها قل إنما أتبع ما يوحى إلي من ربي هذا بصائر من ربكم وهدى ورحمة لقوم يؤمنون وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون (اعراف ع)

"اور اے پیغمبر جس وقت تم ان کو ان کی طلب کے موافق کوئی معجزہ نہیں دکھاتے تو یہ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں از خود بنالیا آپ کہو جواب میں میں تو صرف وحی الٰہی کا تابع ہوں۔ یہ قرآن شریف تمہارے رب کی طرف سے کافی معجزہ ہے اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا سبب ہے اور جب میں اس کو پڑھا کروں تم اس کو چپ چاپ غور سے سنا کرو کہ تم بھی مومن ہو کر رحمت میں داخل ہو جاؤ۔ دیکھو اس آیت میں کیسے صاف طور پر فرما دیا کہ ان سے کہہ دو کہ میں امر الٰہی کے تابع ہوں اپنی طرف سے کچھ نہیں دکھا سکتا اور منصب تبلیغ رسالت سے ہرگز سر مو تجاوز نہیں کر سکتا۔ اور اگر تمہاری غرض طلب آیات سے طلب حق ہے اور ہدایت حاصل کرنا ہے تو تصدیق رسالت کے لئے قرآن شریف کافی دلیل ہے اسے غور سے چپ چاپ سنئے امید ہے کہ تم کو ہدایت نصیب ہو جائیگی۔ اسی طرح دوسری جگہ سورہ عنکبوت میں فرمایا

وقالوا لولا أنزل عليه آيات من ربه قل إنما الآيات عند الله وإنما أنا نذير مبين أولم يكفهم أنا أنزلنا عليك الكتاب يتلى

کفار کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر کوئی معجزہ کیوں نازل نہیں ہوتا اے پیغمبر تم ان سے کہہ دو کہ معجزات تو اللہ تعالیٰ

علیہم ان فی ذلک لرحمۃ وذکری لقوم
یؤمنون (عنکبوت)

کے اختیارات میں ہیں میں تو صرف ایک ڈرسنانیوالا ہوں اسے پیغمبر کیا ہمنے اُن پر ایسی کتاب نازل نہیں کی۔ جو اُن پر پڑھی جاتی ہے اور اُن کو تصدیق رسالت کے لئے اعجازی رہبری کرتی ہے۔ پس وہ رسالت کا کافی ثبوت ہے اور مومنین کے لئے موجب رحمت اور نصیحت ہے۔" ناظرین غور کریں کہ سورہ اعراف کی آیات اور یہ آیات کیسے بالاتفاق ایک ہی مضمون کو ادا کرتی ہیں۔ یہ جواب کچھ ہمارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ انبیاء سابقین سے بھی یہی منقول ہے۔ اور اُنہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ ہم اپنی مرضی سے بغیر اذن الٰہی نشان نہیں دکھا سکتے۔ چنانچہ سورہ ابراہیم میں فرمایا۔ وما کان لنا ان نا تیکم بسلطان الا باذن اللہ۔ یعنے ہم بغیر اذن الٰہی کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتے۔"

ان آیات سے صاف معلوم ہوگیا کہ کفار کے اقتراح آیات کے جواب میں قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا کی تعلیم کرنا اس وجہ سے نہ تھی کہ یہ امور ناممکن تھے بلکہ یہ تعلیم کیا گیا کہ اللہ تعالےٰ اس امر سے پاک ہے کہ اپنی سلطنت میں کسی کی مرضی پر انتظام کرے یا کوئی شخص اس پر تحکم کرے۔ اور حسب اقتراح اس سے آیات طلب کرے۔ اگر غرض ان کفار کی طلب حق ہے تو تصدیق رسالت کے لئے کافی دلائل ظاہر ہوچکے ہیں اور دلیل کافی پر زیادتی طلب کرنا تعنت و تحکم ہوتا ہے۔ پس ان سے اعراض کرنا چاہئے اور منصب رسالت کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ مطلب اس آیت کا یہ تھا جو بیان کیا گیا۔ خوش فہم لوگوں نے اور کا اور سمجھ لیا۔ اور کہاں کی کہاں بے تکی ہانک دی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب یہ امور ممکن تھے اور نبی برحق کے معجزے سے بعید نہ تھے۔ تو پھر کیوں اُن کو پورا نہ کر دکھایا۔ تو اس کا جواب وہی جو اجمالاً اوپر گزر

Marfat.com

چکا اور وہ خود قرآن شریف نے تعلیم کیا ہے کہ قرآن شریف تصدیق رسالت کے لئے کافی ثبوت ہے۔ اسپر غور کرو تو تمہارا مطلب مقصود پورا ہوجائیگا یہ ضرور نہیں کہ جو کچھ تم کہتے جاؤ اور احتمالات بعیدہ سے رد کرتے جاؤ میں ہر روز اسے پورا کرنے کے لئے تیار رہوں دیکھنا تو یہ ہے کہ رسول مدعی رسالت جو کچھ پیش کرتا ہے اُسے دعوی رسالت سے مناسبت وتعلق ہے یا نہیں اور وہ اثبات نبوت کے لئے کافی ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو پھر اسپر زیادتی کی طلب کیوں کی جاتی ہے معجزہ سے غرض تو یہ ہے کہ تصدیق رسالت کی طرف ہدایت کرسکے پس قرآن شریف اپنے اعجاز سے تمکو ساکت وملزم کررہاہے اور تصدیق رسالت کے لئے بصدائے بلند پکار رہاہے **محمد رسول اللہ**

آیات مذکورہ سے ناظرین کے خاطر نشین ہوگیا ہوگا کہ کفار مکہ کے متعنتانہ سوال کے جواب میں اللہ تعالی نے تصدیق رسالت محمدی صلعم کے لئے قرآن شریف کو پیش کیا ہے آپکے مزید اطمینان کے لئے اب ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ سورہ بنی اسرائیل میں جن سوالات کے جواب میں سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا تعلیم کیا گیا ہے اُن آیتوں کے پہلے بھی قرآن مجید کے معجز اور بےمثل ہونے کو بڑے ہی پرزور دعوی اور تحدی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا: کہدے اے پیغمبران کو

قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القران لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا ولقد صرفنا فی ھذا القران للناس من کل مثل فابی اکثر الناس الا کفورا وقالوا لن نومن لک .... قل سبحان	سنادو کہ اگر تمام انسان اور جن مجتمع ہوکر اور ایک دوسرے کی امداد پر کمر [illegible] کوشش کریں کہ اس قرآن عظیم کی نظیر بھی لاسکیں تو ہرگز نہیں لاسکینگے بیشک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کا بیان نصیحت واضح طور پر پھیر پھیر کر

ربی هل کنت الا بشرا رسولا (بنی اسرائیل) بیان کیا ہے مگر اکثر لوگ انکار ہی اختیار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم تجھ پر ایمان نہیں لاوینگے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اے پیغمبران کو کہدو کہ میرا رب اس بات سے پاک ہے کہ کوئی اسپر تحکم کر سکے میں تو صرف ایک بندہ اور اس کا رسول ہوں " آیت ماقبل کو ساتھ ملانے سے صاف ظاہر ہو گیا کہ سورہ بنی اسرائیل میں بھی سورہ اعراف اور عنکبوت کی طرح طلب معجزات کے جواب میں قرآن شریف ہی پر کفایت کی گئی ہے پس اس جواب سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا کو جن معنوں میں منکرین معراج نے لیا تھا۔ وہ ہرگز صحیح نہیں اس جواب کا صحیح مطلب وہی ہے جو تفسیر ابن کثیر وغیرہ سے پیشتر گذر چکا ہے +

ازالہ شبہ ثانی

بعض لوگ اس آیت سے تمسک کر کے سیر معراج کو ایک خواب کا معاملہ قرار دیتے ہیں کہ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنة للناس (بنی اسرائیل) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اور وہ رؤیا جو ہمنے تجھ کو دکھائی تھی تو اس میں صرف لوگوں کی آزمائش تھی " سو اسکا جواب دو طریق سے ہے۔ اول اس طرح کہ یہ آیت سیر معراج کے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ صلح حدیبیہ کی خواب کی حکایت ہے جسکی نسبت لقد صدق اللہ رسوله الرؤیا بالحق (فتح ع ۴) سورت فتح میں بھی فرمایا " کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جو کچھ خواب میں دکھایا تھا اُسے سچ کر دکھایا "

طریق دوم یہ ہے کہ اگر اس آیت کو سیر معراج ہی کے متعلق کریں تو پھر بھی سیر معراج خواب نہیں بنتا۔ بلکہ جسمانی ہی ثابت رہتا ہے اس کا بیان اس طرح ہے کہ لفظ رؤیا خواب ہی کے لئے موضوع نہیں ہے بلکہ لغت میں رؤیا اور رؤیت دونوں کے

Marfat.com

معنی دیکھنا ہی عام اس سے کہ خواب میں ہو یا بیداری میں۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر و فتح البیان
کی عبارتوں میں اسکا بیان گذر چکا ہے۔ لہٰذا جمہور مفسرین نے اسی امر کو ترجیح
دی ہے کہ اس آیت میں رؤیا سے رویتِ چشم مراد ہے۔ مفسرین کا یہ قول بالکل حق
اور نقل اور لغت کے بالکل مطابق ہے۔ لغت کے مطابق اس طرح کہ **متنبی** جسکی عربی
زباندانی مسلم ہے اُس نے اس لفظ کو رویتِ چشم کے معنوں میں استعمال کیا ہے
جیسا کہا ع۔ **ورؤیاك احلی فی العیون من الغمض** (فتح الباری)
نقل کے مطابق اس طرح کہ صحیح بخاری میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت

عن ابن عباس رض وما جعلنا الرؤیا
التی اریناك الا فتنة للناس قال هی
رؤیا عین اریها رسول اللہ صلعم لیلة
اسری به الحدیث (صحیح بخاری)

ابن عباس رض سے مروی ہے "کہ اس
رؤیا سے مراد رویتِ چشم ہے جو رسول اللہ
کو شب معراج میں دکھایا گیا تھا"۔
پس واضح ہوگیا کہ سیر معراج کو عالم
خواب کا واقعہ کہنے والوں کے لئے اس آیت میں کوئی دلیل نہیں ہے چنانچہ
امام فخر الدین رازی **تفسیر کبیر** میں اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں "الرابع کہ یہی بہت

القول الرابع وهو الاصح وهو
قول اکثر المفسرین ان المراد بها ما
راه اللہ تعالی لیلة الاسراء واختلفوا
فی معنی هذه الرؤیا فقال الاکثرون
لا فرق بین الرؤیة والرؤیا فی اللغة
یقال رایت بعینی رؤیة ورؤیا وقال
الاقلون هذا یدل علی ان قصة
الاسراء انما حصلت فی المنام وهذا

صحیح ہے کہ اس آیت میں ان عجائبات و
مشاہدات کی طرف اشارہ ہے جو رسول اللہ
صلعم کو اللہ تعالی نے شب معراج میں دکھائے
اکثر مفسرین کا یہی قول ہے کہ رؤیۃ اور
رؤیا کے لفظ میں لغت کے
فرق نہیں ہے کیونکہ رایت بعینی یعنی
میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا رؤیۃ اور رؤیا
ہر دو کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے اور جن بہت

Marfat.com

الفول ضعیف باطل علی ما قررناہ فی اول ھذہ السورۃ وقولہ الا فتنۃ للناس معناہ انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لما ذکر لھم قصۃ الاسراء کذبوہ وکفر بہ کثیر ممن کان اٰمن بہ وازداد المخلصون ایمانا فلھذا السبب کان امتحانا (تفسیر کبیر جلد ۵)

سے تھوڑے لوگوں نے اس آیۃ سے سیر معراج کو عالم خواب کا واقعہ سمجھا ہے اُن کا قول بالکل **باطل** اور **ضعیف** ہے اسکے وجوہات ہم شروع سورت میں ذکر کر آئے ہیں۔ اور اس سیر معراج کو لوگوں کیلئے فتنہ اور آزمایش بنانیکا بیان اس طرح ہے کہ جب رسول اللہ صلعم نے لوگوں کے سامنے اس سیر معراج کا ذکر کیا تو کفار نے اس امر میں آپؐ کو معاذ اللہ جھوٹا جانا اور بہت سے ضعیف الاعتقاد مسلمان مرتد ہوگئے۔ اور مخلصوں کا ایمان زیادہ ہوا جب اس رؤیا کو اللہ تعالیٰ نے ایک امتحانی امر قرار دیا تو سیر معراج عالم خواب کا واقعہ نہیں بن سکتا کیونکہ اسکو خواب کا معاملہ ماننے میں آزمائش کی کوئی صورت نہیں ہے۔ **دیگر** یہ کہ وہ دلائل جو معراج کو صاف جسمانی ثابت کرتے ہیں اور پیشتر گذر چکے ہیں رؤیا کو بمعنے رویت چشم لینے کے لئے بڑے قوی قرائن ہیں۔ پس اس آیت سے بھی معراج جسمانی ہی ثابت ہوا +

ازالہ شبہ سوم

بعض لوگ معراج جسمانی کے ماننے میں یہ عذر پیش کیا کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ اور امیر معاویہ رضؓ کا یہ مذہب ہے کہ معراج خواب میں ہوا تھا۔ سو اُن کا یہ عذر صحیح اور قابل پذیرائی نہیں۔ اسکا بیان کئی وجوہ سے ہے۔ **اول** یہ کہ جب الفاظ قرآنیہ و احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہوگیا کہ سیر معراج جسمانی تھا تو اس کے مقابلہ میں غیر نبی کے قول کو پیش کرنا سراسر نبوت کی ناقدر شناسی ہے کیونکہ یہ امر بالاتفاق مسلم ہے کہ حدیث مرفوع کے مقابلہ میں موقوف پیش نہیں ہو سکتی۔ پس امیر معاویہؓ

Marfat.com

اور حضرت عائشہ رضہ کے قول سے معراج جسمانی کا انکار ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلعم صاحب معاملہ و صاحب وحی صادق مصدوق جنکا بیان خواہش نفسانی سے بالکل پاک ذکر ہو چکا ہے جب انکی اپنی زبان مبارک سے فرمائے ہوئے الفاظ معراج کو روز روشن کی طرح صاف جسمانی بتا رہے ہیں اور آپ کے بیان کو اسی سبب سے کفار نا ہنجار آپکے سامنے جھٹلا رہے ہیں اور ضعیف الاعتقاد لوگ جنکے دلوں میں حلاوت ایمانی ابھی نہیں آچکی تھی مرتد ہو رہے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے شبہات دور کرنے کے لئے اپنے سیر معراج کو کبھی بھی عالم خواب کا واقعہ قرار نہیں دیتے تو اُسکے خلاف کسی اور کا قول اور قیاس کس طرح پیش ہو سکتا ہے۔

دوم یہ کہ آپ کو جس سال سیر معراج کرایا گیا اسوقت کی بابت حضرت عائشہ رضہ اور امیر معاویہ رضہ دونوں میں سے کسی کو کچھ بھی خبر نہیں کیونکہ ایک روایت کے موجب تو حضرت عائشہ رضہ معراج کے سال تک ابھی پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں۔ جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ نے شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے۔ اور اگر اسوقت پیدا شدہ بھی ہوں تو اسقدر چھوٹی عمر کی تھیں کہ آپ کو اس واقعہ کا کوئی بھی علم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ چھ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہوئی اور نو سال کی عمر میں ہجرت کے بعد مدینہ شریف میں جاکر نبی صلعم کے گھر میں آباد ہوئیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ ادھر یہ مسلم ہے کہ معراج مکہ شریف میں ہوا تھا۔ اور امیر معاویہ رضہ بھی سال معراج تک مومن نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ آپ ہجرت کے آٹھویں سال فتح مکہ کے بعد جبکہ اسلام لائے تھے مومن ہوئے پس حضرت عائشہ رضہ اور امیر معاویہ رضہ کا قول احادیث مرفوعہ کے مقابلہ میں کسی طرح پیش نہیں ہو سکتا۔ **سوم** یہ کہ علامہ سعد الدین تفتازانی رحہ کی شرح عقاید نسفی سے صفحہ ۵۴ میں منقول ہو چکا ہے کہ امیر معاویہ رضہ کے قول میں رؤیا کے معنے رؤیت چشم کے ہیں جیسا کہ ثابت کیا گیا ہے۔ اور حضرت عائشہ

کے قول کے یہ معنے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کے جسم اور روح میں جدائی نہ ہوئی تھی بلکہ آپ کا جسم روح کے ساتھ ہی تھا۔ اور معراج جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہوا پس اسوجہ سے امیر معاویہ رضہ اور حضرت عائشہ رضہ بھی مثل دیگر صحابہ رضہ کے معراج جسمانی ہی کے قائل ٹھہرے۔ **چہارم** یہ کہ صفحہ ۴۲ میں تفسیر ابن کثیر سے منقول ہوچکا ہے کہ اگر رسول اللہ صلعم کو اُس معراج جسمانی کے پہلے روحانی یا منامی طور پر معراج کرایا گیا ہو تو کچھ تعجب نہیں کیونکہ آں حضرت صلعم جو خواب دیکھتے تھے وہ عین بعین صبح صادق کی طرح ظاہری واقعہ بھی ہوجاتا تھا پس ممکن ہے کہ امیر معاویہ رضہ اور حضرت عائشہ رضہ نے اُس تمہیدی معراج کو روحانی قرار دیا ہو جیسا کہ ملا علی قاری رحہ وغیرہ نے لکھا ہے۔ پس منکرین معراج جسمانی کے پاس کوئی ایسی قوی دلیل نہیں ہے جس سے اُن کو انکار کی گنجائش مل سکے۔

تقریر دل پذیر

بعض لوگ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے کی بابت اُس آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون کو پیش کیا کرتے ہیں حقیقت میں اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کیونکہ اسمیں سورت فاتحہ کے پڑھنے یا نہ پڑھنے بلکہ مطلق نماز کے متعلق بھی کوئی ذکر تک نہیں اسکی صحیح تفسیر وہی ہے جو صفحہ ۳۱ میں گزر چکی ہے کہ کفار نے تعنت کے طور پر معجزہ طلب کیا تھا اللہ نے جواب سکھایا کہ اے پیغمبر تم انکو جواب دو کہ میں تو صرف وحی الٰہی کا تابع ہوں یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے کافی معجزہ ہے اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا سبب ہے تو جب میں اسکو پڑھا کروں تم اسکو چپ چاپ ہوکر غور سے سنا کرو امید ہے کہ تم بھی مومن ہوکر رحمت میں داخل ہوجاؤ گے۔ اس جگہ ایک امر قابل غور ہے کہ اللہ نے اس آیت میں دو امر فاستمعوا لہ وانصتوا کیوں فرمائے کیونکہ ایک کے ذکر سے دوسرا حاصل ہوسکتا ہے **وجہ** یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ حٰم فصلت میں کفار سے نقل کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو نہ سنو اور اسکے پڑھنے وقت شور کرو امید ہے کہ تم

> وقال الذین کفروا لاتسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون (حٰم سجدہ ع ۴)

اس حیلہ سے غالب آجاؤ گے۔ پس اللہ نے انکے قول لاتسمعوا یعنی نہ سنو کے جواب میں فاستمعوا یعنی غور سے سنو فرمایا اور والغوا فیہ یعنی اسمیں شور کرو کے جواب میں انصتوا یعنی چپ ہو فرمایا۔ اور لعلکم تغلبون کے جواب میں لعلکم ترحمون فرمایا۔ کفار کے طلب معجزہ کے جواب میں قرآن شریف کو پیش کرنا دیگر آیات سے ثابت ہوچکا ہے پس اس آیت میں سورۃ فاتحہ کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں۔ واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین۔

تنزل الملئکۃ والروح باذن ربہم

نزول الملائکہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ فاطر السموٰت والارض جاعل الملئکۃ رسلاً اولی اجنحۃ مثنٰی وثلٰث وربٰع یزید فی الخلق ما یشآء ان اللہ علٰی کل شئی قدیر والصلوٰۃ والسلام الاتمان الاکملان علی رسولہ وخیر خلقہ محمدٍ النبی العاقب البشیر النذیر وعلٰی الہ واصحابہ الذین قاتلوا الکفار المکذبین فامدھم اللہ بالاف من الملئکۃ المسوّمین فضربوھم فوق الاعناق وضربوا منہم کل بنان وما النصر الا من عند اللہ رب العٰلمین

امابعد۔ پس بندہ ضعیف ملتجی الی اللہ الکریم **محمد ابراہیم** سیالکوٹی اصحابِ دانش وانصاف کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ اس زمانِ بغی وطغیان میں ظلمتِ فلسفہ بہت چھا گئی ہے اور اصولِ دین سے دن بدن بیخبری بڑھتی جاتی ہے چنانچہ حال میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے منجملہ دیگر عقاید اہل سنت نزول ملائکہ کا انکار کیا ہے۔ اور جو کچھ مانا ہے وہ محض انکے خیالی فرشتے ہیں قرآن حدیث میں ملائکہ کی وہ حقیقت وکیفیت نہیں ہے چنانچہ ان کی بعض عبارتیں اس جگہ نقل کی جاتی ہیں اور اس کے بعد حکمائے یونان کا مذہب ذکر کیا جائیگا اور

Marfat.com

پھر اسلامی اعتقاد کتب معتبرہ سے نقل کیا جائیگا جس سے صاف معلوم ہو جائیگا کہ مرزا صاحب کا اعتقاد کفار یونان کے موافق ہے اور قرآن و حدیث کے بالکل مخالف چنانچہ توضیح مرام میں لکھتے ہیں۔

"پس اصل بات یہ ہے کہ جس طرح آفتاب اپنے مقام پر ہے اور اسکی گرمی و روشنی"
"زمین پر پھیل کر اپنے خواص کے موافق زمین کی ہر ایک چیز کو فائدہ پہنچاتی ہے"
"اسی طرح روحانیات سماویہ خواہ اُن کو یونانیوں کے خیال کے موافق نفوس"
"فلکیہ کہیں یا دساتیر اور وید کی اصطلاحات کے موافق ارواح کواکب سے انکو"
"نامزد کریں یا نہایت سیدھے اور موحدانہ طریق سے ملائک اللہ کا انکو لقب دیں"
"درحقیقت یہ عجیب مخلوقات اپنے اپنے مقام میں مستقر اور قرار گیر ہے الخ ص۱۵"
"پس اس میں کچھ شک نہیں کہ بوجہ مناسبت نوری وہ نفوس طیبہ اُن روشن"
"اور نورانی ستاروں سے تعلق رکھتے ہونگے کہ جو آسمانوں میں پائے جاتے ہیں"
"مگر اس تعلق کو ایسا نہیں سمجھنا چاہئے کہ جیسے زمین کا ہر ایک جاندار اپنے اندر"
"جان رکھتا بلکہ اُن نفوس طیبہ کو بوجہ مناسبت اپنی نورانیت اور روشنی کے جو"
"روحانی طور پر انہیں حاصل ہے روشن ستاروں کے ساتھ ایک مجہول الکنہ تعلق"
"ہے اور ایسا شدید تعلق ہے کہ اگر اُن نفوس طیبہ کا اُن ستاروں سے الگ ہونا"
"فرض کر لیا جائے تو پھر اُن کے کمالات قویٰ میں فرق پڑ جائیگا۔ انہیں نفوس کے"
"پوشیدہ ہاتھ کے زور سے تمام ستارے اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں اور جیسے"
"خدا تعالیٰ کا علم ... ایسا ہی مگر اس جگہ تشبیہ کامل"
"مراد نہیں ... نفوس نورانیہ کواکب اور سیارات کے لئے جان کا ہی حکم رکھتے"
"ہیں اور اُن کے جدا ہو جانے سے اُن کی حالت وجودیہ میں بکلی فساد راہ پا جانا"
"لازمی اور ضروری امر ہے"۔ (ص۸۱ توضیح مرام تقطیع کلاں)

Marfat.com

"یا یوں کہو کہ اسوقت جبرئیل اپنا نورانی سایہ اس مستعد دل پر ڈال کر ایک عکسی تصویر اپنی اسکے اندر رکھ دیتا ہے تب جیسے اس فرشتہ کا جو آسمان پر مستقر ہے جبرئیل نام ہے اس عکسی تصویر کا نام بھی جبرئیل ہی ہوتا ہے یا مثلاً اس فرشتہ کا نام روح القدس ہے تو عکسی تصویر کا نام بھی روح القدس ہی رکھا جاتا ہے سو یہ نہیں کہ فرشتہ انسان کے اندر گھس آتا ہے بلکہ اس کا عکس انسان کے آئینہ قلب میں نمودار ہوتا ہے۔ توضیح المرام ص۳۲ تقطیع کلاں"

"اور جبرئیلی نور کا چھبیسواں حصہ تمام جہان میں پھیلا ہوا ہے جس سے کوئی فاسق اور فاجر اور پرلے درجہ کا بدکار بھی باہر نہیں بلکہ میں یہانتک مانتا ہوں کہ تجربہ میں آچکا ہے کہ بعض اوقات ایک نہایت درجہ کی فاسقہ عورت جو کنجریوں کے گروہ میں سے ہے جسکی تمام جوانی بدکاری ہی میں گذری ہے کبھی سچی خواب دیکھ لیتی ہے اور زیادہ تر تعجب یہ ہے کہ ایسی عورت کبھی ایسی رات میں بھی کہ جب وہ بادہ بسر و آشنا ببر کا مصداق ہوتی ہے کوئی خواب دیکھ لیتی ہے اور وہ سچی نکلتی ہے مگر یاد رکھنا چاہیے کہ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا کیونکہ جبرئیلی نور آفتاب کی طرح جو اسکا سایہ کو ار رہے تمام معمورہ عالم پر حسب استعداد ان کی اثر ڈال رہا ہے۔" (توضیح مرام ص۳۸)

ان سب عبارات سے بخوبی ظاہر ہے کہ مرزا صاحب ملائکہ کو نفوس فلکیہ مانتے ہیں اجرام فلکیہ کے ساتھ ان کا ایسا تعلق مانتے ہیں جیسا جسم کا جان کے ساتھ اور ان کی تاثیرات کے بھی اسی طرح قائل ہیں جس طرح دیگر فلاسفہ ... حضرت جبرئیل ؑ کے نزول کو ان کے عکس کی ایک صورت قرار دیتے ہیں ۔ اس امر کے ثبوت کے لئے کہ ملائکہ کی نسبت یہ خیال مذاہب باطلہ سے ماخوذ ہے ... عبارتیں نقل کی جاتی ہیں :-

چنانچہ شرح مقاصد میں ہے کہ فلسفیوں کے نزدیک ملائکہ عقول

> زعموا ان الملائکۃ ھم العقول المجردۃ والنفوس الفلکیۃ (شرح مقاصد) وزعموا ان لکل فلک روحًا یتشعب منہ ارواح کثیرۃ۔

مجردہ اور نفوس فلکیہ کا نام ہے" اسی طرح اسکے بعد ملائکہ کی نسبت طلسمات والوں کا مذہب ذکر کیا ہے۔ "کہ ان کے نزدیک ہر فلک کی ایک روح ہے۔ جس میں سے اور بہت سے ارواح نکلتے ہیں"۔ اسی طرح تفسیر کبیر میں صابئین

> ان الکواکب ھی المدبرۃ لما فی ھذہ العالم من الخیر والشر والصحۃ والمرض (کبیر جلد)

یعنی ستارہ پرستوں کا مذہب لکھا ہے کہ ان کے نزدیک اس دنیا کی خوشحالی بدحالی اور تندرستی اور مرض غرض ہر امر کی تدبیر یہی ستارے کرتے ہیں۔ اسی طرح تفسیر کبیر میں ملائکہ کی نسبت بت پرست لوگوں کا خیال لکھا ہے۔ کہ

> (ثانیہا) وھو قول طوائف من عبدۃ الاوثان وھو ان الملائکۃ ھی الحقیقۃ فی ھذہ الکواکب الموصوفۃ بالاسعاد والانحاس (تفسیر کبیر جلد۱)

ان کے نزدیک ملائکہ ان ستاروں کی حقیقت و جان کا نام ہے جنکے متعلق دنیا کی برکت اور نحوست ہے"۔ ان سب عبارات سے مرزا صاحب کے اعتقاد کا فلاسفہ یونان اور مذاہب باطلہ کے موافق ہونا ظاہر ہے۔ اب ملائکہ کی نسبت اسلامی اعتقاد کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اور ان کی حقیقت بتائی جاتی ہے۔ چنانچہ شرح مقاصد میں ملائکہ کی نسبت لکھا ہے کہ ہمارے یعنی اہل

> وعندنا ان الملائکۃ اجسام لطیفۃ تتشکل باشکال مختلفۃ شانہم الخیر والطاعۃ والعلم والقدرۃ علی الاعمال الشاقۃ (شرح مقاصد جلد۲)

سنت مسلمانوں کے نزدیک ملائکہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ لطیف جسم ہیں جو مختلف شکلوں میں ظاہر ہوسکتے ہیں ان کا کام نیکی اور فرمانبرداری اور علم سے

اور وہ بڑے بھاری کام کرسکنے کی قوت رکھتے ہیں"۔
شرح مقاصد میں اسکے بعد مفصل طور پر معقولی بحث سے ملائکہ کی اس حقیقت مذکورہ کو ثابت کیا ہے۔ اور منکرین کے اعتراضات و توہمات کا ازالہ کیا ہے ہم ان عبارات کو بخوف تطویل نقل نہیں کرسکتے۔ جملہ کتب عقائد میں ملائکہ کی نسبت **اہل سنت** کا یہی مذہب ذکر کیا گیا ہے۔

شرح مقاصد کا یہ بیان بالکل حق اور قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ ہم اس کے ہر امر کو قرآن و حدیث سے ثابت کرتے ہیں۔

قولہ اجسام۔ یعنی ملائکہ جسم ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف میں ان کو عباد مکرمون یعنے اللہ تعالے کے عزت دیئے ہوئے بندے" کہا گیا ہے اور نیز ان کی صفت رات دن عبادت میں مشغول رہنا قرآن شریف میں کئی جگہ مذکور ہے اور نیز سورہ **فاطر** کے شروع میں ان کے دو دو اور تین تین اور چار چار اور زیادہ بھی پر بتائے ہیں۔ اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت جبرئیل م کے چھ سو پر مذکور ہیں یہ سب احوال جسم کے متعلق ہیں۔

قولہ لطیفۃ یعنی لطیف جسم ہیں جو دیکھنے میں نہیں آتے۔ مگر اسی شخص کو اور اسی وقت جبکہ اللہ تعالے اسکی نظر میں وہ قوت پیدا کر دیوے جس سے ان کو دیکھ سکے یا جب کسی دوسری شکل میں متشکل ہو کر سامنے آویں جیسے جن وغیرہ۔

جس طرح اللہ تعالے کی وسیع قدرت کی کوئی نہایت نہیں اسی طرح اسکی مخلوق جسکے متعلق اسکی قدرت کا ظہور ہے اسکی بھی کوئی حد نہیں۔ اس نے ہر [illegible] **مرئی** یعنے جو دیکھنے میں آتی ہے اور **غیر مرئی** یعنے جو دکھائی نہ دے پیدا کی ہے چنانچہ سورہ **مدثر** میں فرمایا۔ کہ تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔

وما یعلم جنود ربك الا هو (مدثر)	

Marfat.com

قولہ تتشکل باشکال مختلفۃ فرشتوں کا مختلف شکلوں میں متشکل ہو کر حسب ارادہ واذن الٰہی بعض اشخاص پر ظاہر ہونا بھی قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ کہ حضرت جبرئیلؑ حضرت مریمؑ کے پاس حضرت عیسےؑ کی ولادت کی خوشخبری لے کر گئے اور صورت بشری میں تھے۔ چنانچہ سورہ مریم میں فرمایا۔ کہ ہمنے اپنا روح القدس

فارسلنا الیہا روحنا فتمثل لہا بشرا سویا	یعنے جبرئیل مریم کے پاس بھیجا تو وہ ایک

پورے جوان بشر کی شکل میں اسکے سامنے آیا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے پاس جو فرشتے آئے۔ وہ بھی بصورت بشر تھے۔ چنانچہ ان کا مفصل ذکر صفحہ ۱۵ میں دیکھو۔

فرشتہ کے بصورت بشری نبی کے پاس آنے کو رسول اللہ صلعم نے وحی کی ایک قسم فرمایا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے۔ کہ کبھی وہ صاحب وحی فرشتہ یعنے

واحیانا یتمثل لی الملک رجلا فیکلمنی فاعی ما یقول۔	جبرئیل میرے پاس آدمی کی صورت میں ہو کر آتا ہے۔ اور مجھ سے کلام کرتا ہے

پس جو کچھ وہ کہتا ہے میں اسکو یاد کرلیتا ہوں۔ ملائکہ کا مختلف شکلوں میں متمثل ہونا جملہ کتب عقاید میں لکھا ہے اسکے واقعات فصل ثانی رسالہ ہذا میں ملاحظہ کریں۔ **قولہ** شانہم الخیر والطاعۃ والعلم یعنی ان کا کام نیکی کرنا اور فرمانبرداری اور علم ہے۔ اس قید سے جنوں اور شیطانوں کو خارج کیا۔ کیونکہ وہ بھی لطیف جسم ہیں اور مختلف شکلوں میں ظاہر ہو سکتے ہیں مگر وہ سارے مطیع نہیں ہیں۔ یہ امر بھی قرآن شریف سے ثابت ہے۔ چنانچہ سورہ تحریم میں فرمایا۔ کہ ملائکہ اللہ

لا یعصون اللہ ما امرہم ویفعلون ما یؤمرون۔ (تحریم ع ۱) لا یسبقونہ بالقول وہم بامرہ یعملون۔ (انبیاء)	کی حکم عدولی نہیں کرتے اور صرف وہی کرتے ہیں جسکا ان کو حکم ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالے کے سامنے بڑھکر بات نہیں کرتے

Marfat.com

اسی طرح ان کا ہمیشہ تسبیح و تحمید ذات باری میں مشغول رہنا قرآن شریف میں کئی جگہ مذکور ہے۔ **قولہ** والقدرۃ علی الاعمال الشاقۃ یعنی اللہ تعالیٰ نے انکو بڑے بڑے کام کرنے کی طاقت بخشی ہے" یہ بھی قرآن و حدیث سے ثابت ہے اسکے واقعات کتب تفسیر اور حدیث میں بالخصوص کفار کے عذاب مہلک کیوقت میں بہت ہیں۔ مثلاً قوم **عاد** اور **ثمود** کو **جبریل** ؑ کے ایک آواز سے ہلاک کرنا اور قوم **لوط** پر ان کی بستی کو الٹا دینا۔ وغیرہ وغیرہ۔

مقاصد کی عبارت مذکورہ بالا کے بعد شرح میں اتنا اور بڑھایا ہے۔ "ان کے رہنے کی اصل جگہ آسمان ہے انبیا کے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے ہیں اور اسکی وحی کے **امین** ہیں دن رات عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور ہرگز نہیں اکتاتے۔ اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی نہیں کرتے اور کرتے وہی ہیں جو ان کو حکم ہو۔"

مسکنھا السموات ھم رسل اللہ الی انبیائہ علیھم السلام وامناء ہ علی وحیہ یسبحون اللیل والنھار لا یفترون لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون۔

بیان بالا سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ مرزا صاحب کا عقیدہ دربارہ حقیقت ملائکہ **اہل سنت** کے بالکل خلاف ہے اور ان کو نفوس فلکیہ اور ارواح کواکب قرار دیکر موثرات عالم کہنا فلاسفہ اور اصحاب طلسمات کا خیال ہے۔ اور ان کے نزول کو ان کے عکس سے تعبیر کرنا بھی اسلامی اعتقاد کے بالکل مخالف ہے۔

فرشتوں کا مختلف شکلوں میں متشکل ہو سکنا عقل سے بعید نہیں ہے کیونکہ جسم کی صورت حقیقت شئی میں داخل نہیں ہوتی بلکہ بمنزلہ لباس و پوشاک کے عوارض میں سے ہوتی ہے۔ پس اس جسم و صورت کا حقیقت شئی سے منفک ہونا ممکن ہوا۔ اور جب فرشتے اپنے اصلی جسم سے کسی بشر کی شکل میں متشکل ہوتے

Marfat.com

ہیں تو اُن کی حقیقتِ ملکی منتزع نہیں ہوتی۔ بلکہ حقیقت وہی رہتی ہے۔ صرف انسانی صورت کے لباس میں ملبوس ہوتے ہیں کیونکہ مشابہت صوری سے اتحادِ ذوات لازم نہیں آتا جیسے کہ حضرت جبرئیل ؑ حضرت مریم ؑ کے پاس بصورت بشری آئے اور اس کے بعد کہا" کہ میں تیرے رب کا فرشتہ ہوں ؛

اسی طرح حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السّلام کے پاس جو فرشتے آئے وہ بھی بشر کی صورت میں تھے۔ اور باوجود بشری صورت میں ہونے کے پھر کہتے ہیں انا رسل ربک یعنےُ ہم تیرے رب کے فرشتے ہیں"۔ ان آیات سے واضح ہو گیا کہ دوسری شکل میں متمثل ہونے سے حقیقت ملکی دور نہیں ہوتی۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ نزول جبرئیل حقیقی ہوتا تھا۔ عکس نہیں ہوتا تھا۔ اسکے نظائر و امثال کتب حدیث و قصص اولیائے عظام میں بکثرت ہیں۔ اور اصطلاح صوفیائے کرام میں اسکو خلع کہتے ہیں۔ مثلاً حضرت جبرئیل علیہ السلام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بارہا بصورت بشری خاصکر حضرت دحیہ کلبی رضؓ کی صورت میں آنا کتب حدیث میں بالتفصیل مذکور ہے جیسا کہ فصل ثانی کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا۔

فرشتوں پر ایمان لانا فرض ہے۔ لہذا صفات ایمان میں اسکو شامل کیا گیا ہے امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں :-

یجب ان یقول اٰمنتُ باللہ وملائکتہ الخ

امام صاحب کا یہ قول بالکل حق اور قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے چنانچہ سورہ نساء میں فرمایا" ومن یکفر باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاٰخر فقد ضل ضلٰلاً بعیدا (النساء) اور جو شخص اللہ کا منکر ہو اور اسکے فرشتوں کا اور اسکی کتابوں کا اور اسکے رسولوں کا اور روزِ آخرت کا تو وہ راہِ راست سے بڑی دور بھٹک گیا"؛

Marfat.com

فصل ثانی

در اثبات نزول ملائکہ از قرآن کریم و حدیث

اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو زمین پر خاص خاص کاموں کے لئے نازل کرتا ہے اوّل تبلیغ رسالت کیلئے۔ دوم دشمنانِ دین کے ہلاک کرنے کے لئے۔ سوم بندوں کے اعمال لکھنے کے لئے۔ چہارم قبض ارواح کے لئے۔ پنجم مردوں کے حساب کے لئے۔ ششم مومنوں کے ساتھ ذکر الٰہی میں شامل ہونے کے لئے۔ ہفتم لوگوں کو آفات سے محفوظ رکھنے کے لئے ہشتم۔ میدان جنگ میں مومنوں کی مدد کے لئے۔ نہم رسول اللہ صلعم پر درود پہنچانے کیلئے

امورِ مذکورہ کا ثبوت حسب ترتیب بالا قرآن و حدیث سے اس طرح ہے :۔

(۱) انبیاء علیہم السلام کو وحی پہنچانے کی خدمت بعض فرشتوں علیہم السلام کے متعلق ہے چنانچہ سورہ فاطر کے شروع میں فرمایا۔ ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے

الحمد للہ فاطر السموٰت والارض جاعل الملٰئکۃ رسلا اولی اجنحۃ مثنٰی وثلٰث وربٰع یزید فی الخلق مایشآء ان اللہ علی کل شیئ قدیر (فاطر ع ۱)	جس نے محض عدم سے آسمان و زمین بنا نکالے۔ اور اُسی نے فرشتوں کو اپنا قاصد بنایا جنکے دو دو اور تین تین اور چار چار پر ہیں اپنی مخلوقات کی بناوٹ میں جو چیز چاہتا

ہے زیادہ کر دیتا ہے۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی طرح سورہ شوریٰ میں فرمایا

وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من ورائ حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ مایشآء انہ علی حکیم (شوریٰ ع ۵)	"اللہ تعالیٰ جو بہت بلند اور ... ہے کسی بشر کے ساتھ کلام نہیں کرتا مگر اس صورت میں کہ اسکو خفیہ وحی کے ذریعہ کچھ

بتاوے یا پسِ پردہ کوئی بات سنا دے۔ یا اپنا فرشتہ بھیجے جو اُسکے اذن سے اس بشر

کو پیغام پہنچا دیتے۔ اسی طرح یہ خدمت خاصکر حضرت جبرئیل ع کے سپرد ہے۔ ان کا نزول بشکل انسانی ایسا بین اور روشن ہے کہ مخالف کو جائے دم زدن نہیں تیئیس سال تک برابر بحکم آلٰہی رسول اللہ صلعم پر وحی لاتے رہے۔ اصحاب رسول اللہ ان کو آپ کے پاس بیٹھے اور باتیں پوچھتے دیکھ کر حیران ہوتے تھے کبھی حضرت دحیہ کلبی رض کی شکل میں متمثل ہو کر آتے اور کبھی کسی مسافر کی صورت میں یہانتک کہ صحابہ رض آپ کو نہ پہچانتے اور خود رسول اللہ صلعم ان کو بتاتے کہ یہ جبرئیل علیہ السّلام تھے سو جبرئیل کا نزول بشکل انسانی بنص صریح قرآنی وحدیثی ثابت ہے۔ لہذا اسکا **انکار کفر ہے** اور دیگر ملائکہ کا بھی ویسا ہی نزول صاف صاف عبارت میں قرآن وحدیث سے ثابت ہے اسلئے انکا انکار بھی کفر ہے۔ فرشتوں پر ایمان لانا فرض ہے۔ لہذا صفات ایمان میں اسکو شامل کیا گیا۔ فرشتوں پر ایمان اس صورت میں پورا ہوتا ہے جب اس طرح مانا جاوے جس طرح شارع علیہ السّلام سنوائے اور اللہ تعالیٰ فرمائے۔ اور اگر کوئی فرشتوں کو تو مانتا ہے مگر اپنے خیال سے ارواح کواکب یا قویٰ کو۔ سو وہ اپنی ہوائے خواہش کا متبع ہے۔ شارع علیہ السلام کے نزدیک ایسا ایمان معتبر اور مقبول نہیں ہے۔

اجمال بالا کی تفصیل بذریعہ دلائل نقلیہ حسب ذیل ہے۔

رسول اللہ صلعم کو نبوت عطا ہونیکی کیفیت **صحیح بخاری** میں اس طرح لکھی ہے

فجاء الملک فقال اقرء قال ما انا بقاری قال فاخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجہد ثم ارسلنی فقال اقرء قلت ما انا بقاری فاخذنی فغطنی الثانیۃ حتی بلغ منی الجہد ثم ارسلنی فقال اقرء قلت ما انا بقاری فاخذنی فغطنی الثالثۃ ثم ارسلنی فقال اقرء باسم

کہ رسول اللہ صلعم کی عادت مبارک تھی کہ کچھ دنوں کا کھانا لیجاتے اور غار حرا میں کئی روز تک ملت حنیفیہ کے موافق اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے کہ آپکے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے کہ پڑھ آپنے فرمایا میں تو پڑھا ہی نہیں ہوں پھر فرشتے

ربك الذی خلق خلق الانسان من علق اقرء وربك الاكرم (صحیح بخاری)

نے آپ کو خوب زور سے بھینچا گیا آپ کا یا آپ فرشتہ کا سایا اور لگ گیا پھر اس فرشتے نے آپ کو چھوڑ دیا۔ اور کہا کہ پڑھ آپ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں پھر اس نے دوبارہ کھینچا پھر چھوڑ کر کہا پڑھ آپ نے پھر یہی فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں پھر تیسری دفعہ اس نے اسی طرح زور سے کھینچا پھر چھوڑ کر کہا پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا انسان کو جمے خون سے پڑھ اور تیرا رب بڑا بزرگ ہے۔ دیکھو اس حدیث سے کیا صاف صاف نظر آتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو زور کے ساتھ کھینچا اور زبان مبارک سے فرمایا ہے کہ پڑھ۔ کیا کھینچنے والا کوئی سایہ یا چھاؤں تھی معاذ اللہ۔ ثم معاذ اللہ۔ ایسا اعتقاد تو ہندوؤں کا ہے۔ کہ فلاں فلاں چیز کا سایہ انسان پر پڑ جاتا ہے۔ تو وہ انسانی ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ ایسا اعتقاد سخت گمراہی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرشتہ کو انہی آنکھوں سے اپنے روبرو دیکھنا بڑی ضروری بات ہے کیونکہ اس سے موانست اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

اس کے بعد کچھ مدت تک وحی بند رہی اسے زمانہ **فترت** کہتے ہیں۔ پھر وحی متواتر طور پر ہوتی رہی چنانچہ اسکی نسبت صحیح بخاری میں اس طرح مروی ہے کہ رسول اللہ

بینا انا امشی اذ سمعت صوتا من السماء فرفعت بصری فاذا الملك الذی جاءنی بحراء جالس علی کرسی بین السماء والارض فرعبت منه (صحیح بخاری)

فرماتے ہیں کہ ایک دن جب میں باہر چل رہا تھا جاتے جاتے آسمان سے ایک آواز سنی جب نظر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو میرے پاس غار حرا میں آیا تھا زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ پس میں اس سے ڈر گیا۔ یہ واقعہ دوسری دفعہ کی وحی کا ہے +

واضح ہو کہ رسول اللہ ؐ نے حضرت جبرئیل کو انکی اپنی ملکی صورت میں دو دفعہ دیکھا ہے۔ ایک بار تو اوائل وحی میں۔ جسکا بیان اوپر کی حدیث میں گذر چکا ہے اسی کی نسبت سورۂ تکویر میں فرمایا" بیشک ہمارے پیغمبر نے جبرئیل فرشتہ کو آسمان

> ولقد راٰہ بالافق المبین (سورہ تکویر)
> فاستوی وھو بالافق الاعلیٰ (نجم)

کے مطلع صاف میں دیکھا ہے"۔ اور اسی کی بابت سورۂ نجم کے شروع میں فرمایا" کہ جس وقت وہ فرشتہ آسمان کی ایک طرف اچھی اونچی جگہ میں تھا تو اپنی اصلی صورت میں سارے کا سارا پیغمبر ؐ کے سامنے آکھڑا ہوا"۔ دوسری دفعہ شب معراج میں آسمان پر سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔ چنانچہ اس کا بیان بھی سورۂ نجم میں اس طرح فرمایا" بے شک اس

> ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ عند سدرۃ المنتہیٰ عندھا جنۃ الماویٰ (نجم)

پیغمبر ؐ نے جبرئیل ؑ کو سدرۃ المنتہیٰ کی پاس جہاں جنۃ الماویٰ ہی ایک اَور دفعہ بھی انکی اپنی اصلی صورت پر دیکھا ہے"۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس رویت کا ذکر بھی آیا ہے۔ بغرض اختصار اس جگہ نقل نہیں کیا گیا۔

صحیح بخاری باب بدءالوحی میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلعم سے پوچھا گیا کہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے تو آپ نے منجملہ اور صورتوں کے ایک یہ فرمائی کہ" کبھی

> واحیانا یتمثل لی الملک رجلا فیکلمنی فاعی ما یقول (صحیح بخاری)

میرے پاس وہ فرشتہ آدمی کی صورت میں ہوکر آتا ہی اور مجھ سی کلام کرتا ہے پس جو کچھ وہ کہتا ہے میں یاد کر لیتا ہوں"۔ اسی طرح صحیح بخاری کے اسی باب میں حضرت ابن

> فاذا انطلق جبریل قرءہ النبی کما قرء (بخاری)

عباس سی مروی ہے" کہ جب جبرئیل ؑ قرآن شریف سکھا کر آپ کے پاس سی چلے جاتے تو پیچھے نبی صلعم پڑھا کرتے جیسا جبرئیل ؑ نے پڑھا ہوتا اسی طرح صحیح بخاری کے اسی باب میں حضرت ابن عباس رض سی مروی ہے

> کان رسول اللہ ؐ اجود الناس وکان

کہ رسول اللہ ؐ عموماً سب لوگوں سے

اجود ما یکون فی رمضان حین یلقاہ جبریل وکان یلقاہ فی کل لیلۃ من رمضان فیدارسہ القرآن (صحیح بخاری)

سے زیادہ سخی تھے اور خاصکر رمضان شریف میں جب آپ کے پاس حضرت جبریل آتے تو بہت ہی سخاوت کرتے اور جبریل کا معمول تھا کہ رمضان میں ہر رات آپ کے پاس آتے اور قرآن شریف کا دور کرتے

حضرت عمر رض فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلعم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ ایک شخص بڑے سفید کپڑوں والا اور بڑے سیاہ بالوں والا آیا۔ اسپر کوئی اثر سفر کا بھی معلوم نہ ہوتا تھا۔ اور نہ ہی ہم میں سے کوئی اسکو پہچانتا تھا۔ یہانتک کہ آپ کے پاس دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔ اس طرح کہ اپنے زانو آپ کے زانوؤں سے ملا دیے اور اپنے ہاتھ رانوں پر رکھے۔ اور آپ سے اسلام پھر ایمان پھر احسان کی بابت سوال کر کے قیامت کی بابت پوچھا۔ رسول اللہ صلعم اس کے ہر سوال کا جواب فرماتے اور وہ اسکی تصدیق کرتا۔ پھر وہ شخص چلا گیا۔ رسول اللہ صلعم نے مجھ سے پوچھا یا عمر اتدری من السائل یعنی اے عمر کیا تو جانتا ہے کہ یہ پوچھنے والا کون تھا۔ میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی جانے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ **جبریل** ع تھا تم کو دین سکھانے کے لئے آیا تھا۔ اس حدیث کو امام بخاری رح امام مسلم رح۔ امام ابو داؤد۔ امام ترمذی۔ اور امام ابن ماجہ نے اپنی اپنی کتاب میں روایت کیا۔ **نیز** ابو داؤد اور ترمذی میں حضرت ابن عباس سے مروی ہو کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جبریل ع نے بیت اللہ کے پاس دو دفعہ میرے امام بنے۔ دیکھو یہاں کس طرح صریح نزول ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ چھاؤں یا عکس [illegible] نماز تو وہی پڑھے گا جو مخبوط الحواس ہو حالانکہ رسول اللہ صلعم نے برابر **دس نمازیں** جبریل علیہ السلام کے پیچھے پڑھیں۔ جیسا کہ اس حدیث میں آگے مذکور ہے اور یہ حدیث تعلیم اوقات کی ہے۔ اس کا اصل بخاری اور موطا امام

Marfat.com

مالک میں کئی ہے۔ یہ ایک ایسی بین دلیل ہے کہ عقلمند کو اسکے ماننے سے چارہ نہیں ہے معراج کی حدیث حضرت ابوذر ؓ و انس بن مالک ؓ اور مالک بن صعصعہ ؓ سے بخاری اور مسلم میں روایت کی گئی ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل ؑ آئے اور مجھے براق پر سوار کرکے پہلے بیت المقدس میں لے گئے پھر پہلے آسمان پر پھر دوسرے آسمان پر اسی طرح ساتویں آسمان پر پہنچ کر اپنے مقام معلوم یعنی سدرۃ المنتہیٰ پر ٹھیر گئے۔ معراج جسمانی کا ثبوت رسالہ سلم الوصول میں بہت تحقیق کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ شائقین تفصیل اسکا مطالعہ کریں۔

حضرت مریم ؑ کے پاس حضرت عیسیٰ ؑ کی ولادت باسعادت کی بشارت کے لئے حضرت جبرئیل ؑ آئے نزول کی کیفیت اللہ تعالےٰ نے سورہ مریم میں اس طرح بیان فرمائی کہ ہم نے اسکے پاس روح القدس یعنی جبرئیل ؑ کو بھیجا پس وہ مریم کے سامنے ایک پورے جوان بشر کی شکل میں آ کھڑا ہوا۔

فارسلنا الیہا روحنا فتمثل لہا بشراً سویا (مریم)

ان سب آیات و احادیث سے نزول جبرئیل ایسا عیاں ہے کہ محتاج بیان نہیں

(۴) ملائکہ کی دوسری خدمت دشمنان خدا و رسول کو ہلاک کرنا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم ؑ کے مہمانوں کا قصہ قرآن شریف میں تیرہ جگہ وارد ہے۔ اسکی تفصیل اس طرح ہے کہ کچھ فرشتے بصورت بشری حضرت ابراہیم ؑ کے پاس آئے آپنے ان کو مہمان تصور کیا۔ اور بہت جلدی ایک موٹا تازہ بچھڑا ذبح کرکے اور اسکے کباب بھون کر ان کے سامنے لا حاضر کیا۔ جب آپنے ان کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے نہ دیکھے تو آپ ڈرے کہ مبادا دشمن ہوں۔ انہوں نے کہا ڈرو نہیں ہم تو تمہارے پروردگار کے فرشتے ہیں آپ کو ایک لڑکے یعنی حضرت اسحاق ؑ کے پیدا ہونیکی بشارت دینے اور لوط ؑ کی قوم کو عذاب کرنے کے لئے آئے ہیں

Marfat.com

ابراہیم ؑ نے اُن سے عذاب کے بارے میں گفتگو کی۔ پھر وہ حضرت لوط ؑ کے پاس گئے اُن کی قوم اُن کو خوبرو لڑکے دیکھ کر اُن کے اندر گھس آئی حضرت لوط ؑ نے منت کی کہ میرے مہمانوں کو نہ ستاؤ۔ فرشتوں نے حضرت لوط ؑ سے کہا کہ آپ کچھ خوف نہ کریں ہم تمہارے پروردگار کے فرشتے ہیں وہ لوگ آپ تک ہرگز نہ پہنچ سکیں گے۔ ہم اس بستی کو الٹا کر ہلاک کرنے کے لئے آئے ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہ سارا قصہ قرآن شریف میں موجود ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فرشتے زمین پر اترتے ہیں ورنہ حضرت ابراہیم ؑ کو اُن کے سلام کرنے کی کیا ضرورت تھی اور آپ اُن کے سامنے بچھڑا کباب کر کے کیوں لاتے اور قوم لوط اُن کو خوبرو لڑکے تصور کر کے اُن پر کیوں ٹوٹ پڑتی۔ کیا یہ سب باتیں [illegible] کے ساتھ کہے گئے [illegible] عقل [illegible] ......

(۳) تیسری قسم [illegible] ملائکہ [illegible] ہیں مانا

ان علیکم لحافظین کراما کاتبین یعلمون ما تفعلون	کہ تم پر نگہبان مقرر ہیں بزرگ لکھنے والے جو کچھ تم

کرتے ہو [illegible] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

ملائکۃ بالليل وملائكة بالنهار ويجتمعون في صلوة الفجر وصلوة العصر ثم يعرج الذين باتوا فيكم فيسألهم وهو اعلم فيقول كيف تركتم فيقولون تركناهم يصلون واتيناهم يصلون	کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ کچھ فرشتے دن کو اور کچھ رات کو یکے بعد دیگرے آتے ہیں اور عصر اور فجر کے وقت آپس میں ملتے ہیں یعنی عصر کے وقت رات کے [illegible] ہیں اور دن کے چلے جاتے ہیں اور فجر کو رات کے چلے جاتے ہیں اور دن کے آ جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اُن سے باوجود

Marfat.com

جانے کے اُن سے پوچھتا ہے کہ میرا بندہ کس حال میں تھا وہ کہتے ہیں کہ اُٹھی ہم جب گئے تھے تب بھی وہ نماز میں تھا۔ اور جب آئے ہیں تب بھی نماز میں تھا" دیکھو اس تبدیلی اور جانے آنے سے جسمانی نزول ثابت ہوتا ہے بالعکس۔ اگر عکس ہی نازل ہوتا ہے تو اس تبدیلی کے کیا معنے؟ ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ ہر بندے پر دو فرشتے ہیں جو اعمال لکھتے جاتے ہیں ایک نیکی اور دوسرا بدی نیکی والا دائیں کندھے پر اور بدی والا بائیں کندھے پر ہے۔ اسی طرح سورہ قٓ میں فرمایا:" انسان جو کچھ بولتا ہے

مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید (ق)	لکھنے والا فرشتہ جو اُس پر ایک تیار محافظ ہے

اسکو جھٹ لکھ لیتا ہے"۔

(۴) ملائکہ کی چوتھی خدمت مُردوں کا حساب ہے اُنکو منکر نکیر کہتے ہیں چنانچہ جامع ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب لوگ مُردے کو دفن کر کے واپس آجاتے ہیں تو اُس کے پاس دو فرشتے سیاہ رنگ والے نیلی آنکھوں والے آتے ہیں ایک کا نام منکر ہے اور دوسرے کا نکیر۔ اس حدیث کا اصل صحیح بخاری میں ہے

(۵) ملائکہ کی پانچویں خدمت قبض ارواح ہے چنانچہ سورہ الٓمٓ السجدۃ

قل یتوفٰکم ملک الموت الذی وکل بکم ثم الی ربکم ترجعون (الٓمٓ)	میں فرمایا:۔ اے پیغمبرؐ ان سے کہدو کہ تم کو قبض کریگا ملک الموت جو تم پر مقرر کیا گیا ہے

جانکندن اور حساب قبر کی کیفیت حدیث شریف میں اس طرح آئی ہے:۔

عن البراء بن عازبؓ قال خرجنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ رجل من الانصار فانتھینا الی القبر ولما یلحد فجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجلسنا حولہ کان علی	"براء بن عازب کہتے ہیں کہ ہم انصار یعنے مدنی اصحاب میں سے ایک شخص کے جنازے پر نبی صلعم کے ساتھ گئے۔ ہم قبر پر پہنچگئے اور ابھی وہ دفن نہیں کیا گیا تھا۔ پس رسول اللہ صلعم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے گرد ایسی حالت

Marfat.com

رؤسنا الطير وفي يده عود ينكت به
في الارض فرفع رأسه فقال استعيذوا
بالله من عذاب القبر مرتين او ثلثا ثم قال
ان العبد المؤمن اذا كان في انقطاع من الدنيا
واقبال من الآخرة نزل اليه ملائكة
من السماء بيض الوجوه كان وجوههم
الشمس معهم كفن من اكفان الجنة و
حنوط من حنوط الجنة حتى يجلسوا منه
مد البصر ثم يجي ملك الموت حتى
يجلس عند رأسه فيقول ايتها
النفس الطيبة اخرجي الى مغفرة من الله
ورضوان قال فتخرج تسيل كما تسيل
القطرة من السقاء فياخذها فاذا اخذها
لم يدعوها في يده طرفة عين حتى يأخذوها
ويجعلوها في ذلك الكفن وفي ذلك
الحنوط ويخرج منها كاطيب نفحة
مسك وجدت على وجه الارض قال
فيصعدون بها فلا يمرون يعني
بها على ملاء من الملائكة
الا قالوا ما هذا الروح الطيب
فيقولون فلان بن فلان باحسن

میں بیٹھ گئے کہ گویا ہمارے سروں پر
پرندے ہیں یعنی نہایت اونکے ساتھ
چپ چاپ بیٹھے تھے۔ اور آنحضرت صلعم
کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جسکے ساتھ
متفکرانہ طور پر زمین میں کریدتے تھے
اور خط کھینچتے تھے۔ تو پھر آپ نے اپنا سر
اٹھا کر دو یا تین بار فرمایا کہ عذاب قبر
سے اللہ کی پناہ مانگو پھر فرمایا کہ جس وقت
کوئی مومن دنیا سے علاقہ توڑ کر آخرت
میں جانے کو ہوتا ہے تو اسکی طرف
فرشتے اترتے ہیں ان کے چہرے آفتاب
کی طرح نورانی ہوتے ہیں اور ان کے
پاس بہشت کے کپڑوں سے کفن اور
جنت کی خوشبو ہوتی ہے حتی کہ اس
قریب المرگ مومن کے سامنے نظر کی
دوری تک بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت
آتا ہے اور اس کے سر کے پاس بیٹھتا
ہے اور کہتا ہے کہ اے [illegible]
چل اللہ کی بخشش اور خوشنودی کی
طرف پس وہ پاک جان ایسی سہولت
سے نکلتی ہے جسطرح پانی کی مشک سے قطرہ

Marfat.com

الاسمآء التی کانوا یسمونہ بہا فی الدنیا
حتے ینتہوا بہا الی السمآء الدنیا
فیستفتحون لہ فیفتح لہم فیشیعہ
من کل سمآء مقربوہا الی
السمآء التی تلیہا حتی ینتہی بہ الی
السمآء السابعۃ فیقول اللہ اکتبوا
کتاب عبدی فی اعلیٰ علیین
واعیدوہ الی الارض فانی منہا
خلقتہم وفیہا اعیدہم ومنہا
اخرجہم تارۃ اخری قال فتعاد
روحہ فی جسدہ فیاتیہ ملکان
فیجلسانہ فیقولان لہ من ربک فیقول
ربی اللہ فیقولان ما دینک فیقول
دینی الاسلام فیقولان لہ ما ہذا
الرجل الذی بعث فیکم فیقول
ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فیقولان لہ وما علمک فیقول قرأت
کتاب اللہ فامنت بہ وصدقت
فینادی مناد من السمآء ان صدق
عبدی فافرشوہ من الجنۃ والبسوہ
من الجنۃ وافتحوا لہ بابا الی الجنۃ قال

پس ملک الموت اس جان کو قبض کر لیتا
ہے اور اس سے وہ دوسرے فرشتے جھٹ
ایک لحہ میں لے لیتے ہیں اور اس کفن اور
خوشبو میں لپیٹ لیتے ہیں۔ اور اس سے ایسی
عمدہ کستوری کی خوشبو نکلتی ہے کہ روئے
زمین پر کہیں پائی نہ جائے پس وہ اسکو
لے چڑھتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت کے
پاس سے گزرتے ہیں وہ سب کہتے ہیں کہ
کیا ہے یہ **پاک روح**؟ وہ فرشتے جواب دیتے
ہیں کہ فلاں بن فلاں کی روح ہے اور
اس کو اس نیک لقبوں سے یاد کرتے ہیں
جن سے وہ دنیا میں پکارا جاتا تھا اسی
طرح سوال وجواب ہوتا جاتا ہے حتی
کہ اسکو پہلے آسمان تک لے پہنچتے ہیں
پس ان کے لئے آسمان کا دروازہ کھولا جاتا
ہے پس ہر آسمان کے بعض مقرب فرشتے
دوسرے آسمان تک اس روح کے
ساتھ ہو لیتے ہیں حتی کہ اسکو ساتویں
آسمان تک لے پہنچتے ہیں اور جناب الٰہی
میں پیش کرتے ہیں پس اللہ تعالیٰ فرماتا
ہے کہ میری بندے کا اعمالنامہ **علیین** میں

Marfat.com

فتأتيه من روحها وطيبها فيفسح
له في قبره مد بصره قال ويأتيه
رجل حسن الوجه حسن الثياب طيب
الريح فيقول ابشر بالذي يسرك
هذا يومك الذي كنت توعد فيقول
له من انت فوجهك الوجه يجيئ
بالخير فيقول رب اقم الساعة
حتى ارجع الى اهلي ومالي قال
وان العبد الكافر اذا كان في
انقطاع من الدنيا واقبال من الآخرة
نزل اليه من السماء ملائكة
سود الوجوه معهم المسوح
فيجلسون منه مد البصر ثم يجيئ
ملك الموت حتى يجلس عند راسه
فيقول ايتها النفس الخبيثة اخرجي
الى سخط من الله قال فتفرق
في جسده فينتزعها كما ينزع
السفود من الصوف المبلول
فياخذها فاذا اخذها لم يدعوها
في يده طرفة عين حتى يجعلوها
في تلك المسوح وتخرج منها

ثابت رکھو اور اسکی روح کو زمین کیطرف
جہاں اسکا بدن مدفون ہے واپس لیجاؤ
کیونکہ میں نے ان کے بدنوں کو مٹی ہی سے
پیدا کیا ہے اور اسی میں پھر بھیجتا ہوں اور
پھر دوسری بار قیامت کو اسی سے نکالونگا
پھر آں حضرت صلعم نے فرمایا کہ اسکی روح
بدن کی طرف واپس لائی جاتی ہے پس
اس کے پاس دو فرشتے منکر اور نکیر آتے
ہیں اور اسکو بٹھلاتے ہیں پھر اس سے
پوچھتے ہیں کون ہے رب تیرا؟ وہ مومن
کہتا ہے میرا رب اللہ ہے پھر پوچھتے ہیں
تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میرا دین اسلام
ہے پھر پوچھتے ہیں کہ جو شخص تم میں رسول
بنا کر بھیجا گیا وہ کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ
رسول اللہ ہے پھر فرشتے کہتے ہیں
کہ تو نے یہ کس طرح جانا۔ وہ کہتا ہے کہ
اللہ کی کتاب پڑھی۔ اور اسپر ایمان لایا
اور اسکی دل سے تصدیق کی [illegible]
[illegible]
[illegible] پس اسکے
[illegible] اسکو

کانتن ریح جیفة وجدت علی وجه
الارض فیصعدون بها فلا یمرون
بها علی ملاء من الملائکة الا
قالوا ماهذا الروح الخبیث فیقولون
فلان بن فلان باقبح اسمائه التی
کان یسمی بها فی الدنیا حتی ینتهی
به الی السماء الدنیا فیستفتح له
فلا یفتح له ثم قرأ رسول الله صلعم
لا تفتح لهم ابواب السماء ولا یدخلون
الجنة حتی یلج الجمل فی سم الخیاط
فیقول الله عز وجل اکتبوا کتابه
فی سجین فی الارض السفلی فتطرح
روحه طرحا ثم قرأ ومن یشرك
بالله فکانما خر من السماء فتخطفه الطیر
او تهوی به الریح فی مکان سحیق
فتعاد روحه فی جسده ویاتیه ملکان
فیجلسانه فیقولان له من ربك فیقول
هاه هاه لا ادری فیقولان له ما دینك
فیقول هاه هاه لا ادری فیقولان له
ما هذا الرجل الذی بعث فیکم فیقول
هاه هاه لا ادری فینادی مناد من

جنت ہی کا لباس پہناؤ۔ اور اُس کیلئے
جنت کی طرف دروازہ کھولدو۔ فرمایا
آنحضرت ؐ نے کہ پس اسکو جنت کی ہوا اور
خوشبو آتی ہے اور اسکی قبر اُسکی نظر کی دوری
تک کشادہ ہو جاتی ہے اور اُسکے پاس ایک
شخص خوبصورت اچھے لباس والا خوشبو
والا آتا ہے اور اسکو کہتا ہے تجھو ان چیزوں
کی خوشخبری ہو جن سے تو خوش ہووے
یہ وہی دن ہے جسکا تجھ کو وعدہ دیا جاتا
تھا۔ پس وہ مومن اس خوبرو شخص کو
پوچھتا ہے تو کون ہے تیرا چہرہ بہت اچھا ہے
اور بھلائی کی خبر لاتا ہے پس وہ کہتا ہے
کہ میں تیرا **عمل صالح** ہوں۔ پس وہ
شخص کہتا ہے کہ الٰہی مجھے تھوڑی مہلت
دے تا میں اپنے اہل وعیال کی طرف
لوٹ جاؤں اور انکو اس حال سے خبردار
کروں۔ اور اپنا مال تصدق کر دوں۔
پھر آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ جس وقت کافر
آدمی دنیا کو چھوڑ کر آخرت کی طرف جانے
کو ہوتا ہے تو اُسکے پاس آسمان سے فرشتے
آتے ہیں اُن کے مونہہ سیاہ ہوتے ہیں

السماء ان كذب فافرشوه من النار
وافتحوا له بابا الى النار فياتيه من حرها
وسمومها ويضيق عليه قبره حتى تختلف
فيه اضلاعه وياتيه رجل قبيح
الوجه قبيح الثياب منتن الريح
فيقول ابشر بالذى يسوءك هذا
يومك الذى كنت توعد فيقول
من انت فوجهك الوجه يجئ
بالشر فيقول انا عملك الخبيث
فيقول رب لا تقم الساعة
وفى رواية نحوه وزاد فيه اذا
اخرج روحه صلى عليه كل ملك
بين السماء والارض وكل ملك فى
السماء وفتحت له ابواب السماء ليس
من اهل باب الا وهم يدعون الله
ان يعرج بروحه من قبلهم و
تنزع نفسه يعنى الكافر مع العروق
فيلعنه كل ملك بين السماء والارض
وكل ملك فى السماء وتغلق ابواب
السماء ليس من اهل باب الا وهم
يدعون الله ان لا يعرج روحه من قبلهم
(رواه احمد مشکوٰۃ)

اور ان کے پاس ٹاٹ ہوتے ہیں پس نظر کی
دوری تک بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت
آتا ہے اور اسکے سر کے پاس بیٹھ جاتا ہے پس کہتا
ہے کہ اے خبیثہ جان چل اللہ کے غضب
کی طرف پس وہ ناپاک جان بدن میں پھیل جاتی
[illegible] پھرتی ہے پس ملک الموت اسکو اس
طرح سختی سے کھینچتا ہے جس طرح گیلے صوف
سے لوہے کی گرم سلائی کھینچی جاتی ہے اور وہ
[illegible] اسکے ساتھ [illegible] جاتی ہیں اور [illegible]
سے نکل آتی ہے پس ملک الموت اس
جان کو لے لیتا ہے اور وہ دوسرے فرشتے
جھٹ آنکھ جھپکنے میں اس کو لیکر ٹاٹ میں لپیٹ
لیتے ہیں پس اس روح سے مردار کی سی
ایسی گندی بدبو نکلتی ہے کہ روئے زمین پر
کہیں پائی جائے پس اسکو اوپر لے
چڑھتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت
کے پاس سے گذرتے ہیں وہ سب کہتے ہیں
کہ کیا ہے یہ خبیث روح
فرشتے کہتے ہیں کہ فلاں [illegible]
[illegible]
اور انہوں سے [illegible] پکارتے ہیں جن سے

Marfat.com

وہ دنیا میں چلا یا جاتا تھا حتیٰ کہ اسکو پہلے آسمان تک لے پہنچتے ہیں۔ پس اُسکے لئے آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ پھر آں حضرت صلعم نے سورہ اعراف کی آیت پڑھی کہ اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائنگے اور وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکینگے جس طرح کہ سوئی کے ناکے سے اونٹ نہیں گذر سکتا۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ثابت رکھو اعمالنامہ اس کا سجین میں پھر اُسکی روح زور سے پھینکی جاتی ہے۔ پھر آنحضرت نے سورہ حج کی یہ آیت پڑھی اور جو شخص شریک بنا دے ساتھ اللہ کے پس گویا کہ وہ گرا آسمان سے پس اُچک لیتے ہیں اُسکو پرندے یا پھینک دیتی ہے اسکو ہوا کسی دور کے مکان میں۔ پس اُسکی روح پھر اُسکے جسم میں پھونکی جاتی ہے اور اُس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور وہ اسکو سیدھا بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کافر کہتا ہے ہاہ ہاہ میں نہیں جانتا۔ پھر پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے ہاہ! ہاہ! میں نہیں جانتا پھر وہ پوچھتے ہیں کہ جو شخص تم میں رسول بنا کر بھیجا گیا اسکی نسبت تیرا کیا اعتقاد ہے؟ وہ کہتا ہے ہاہ! ہاہ!! میں نہیں جانتا۔ پس ایک آسمان سے پکارنیوالا پکارتا ہے کہ اس نے سب کچھ جھوٹ کہا۔ پس اُسکے لئے دوزخ کا فرش بچھاؤ۔ اور دوزخ کی طرف دروازہ کھولدو۔ پس اسکو دوزخ کی گرم اور زہریلی ہوا آتی ہے اور اُسکی قبر یہاں تک تنگ کی جاتی ہے کہ اسکی پسلیاں مقابل کی ایک دوسری میں پھنس جاتی ہیں۔ اور اس کے پاس ایک شخص نہایت بُری شکل والا گندے لباس والا گندی بو والا آتا ہے اور کہتا ہے کہ اس چیز کی خبر سُن جو تجھے بُری لگے۔ پس وہ کافر اسکو پوچھتا ہے تو کون ہے کہ تیرا چہرہ برائی لاتا ہے وہ کہتا ہے۔ تیرا بُرا عمل ہوں۔ پس وہ کہتا ہے کہ اے میرے رب قیامت قایم نہ کیجیو"۔ ✦ ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ثوبان سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلعم ایک جنازہ پر نکلے تو آپ نے کچھ لوگوں کو سوار دیکھ کر فرمایا الا تستحیون ان ملائکۃ اللہ اقدامھم وانتم علی ظھور الدواب یعنی کیا تم حیا نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے پیدل چلتے

ہیں اور تم سواریوں پر ہو۔ دیکھو حدیث کیسی وضاحت کے ساتھ بتا رہی ہے کہ فرشتے اپنے جسم کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں۔

(۶) **بعض** فرشتے مومنوں کے ساتھ ذکر الٰہی میں شامل ہونے کیلئے زمین پر نازل ہوتے ہیں چنانچہ صحیح بخاری کے باب الملائکہ میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ کہ جمعہ کے دن

اذا کان یوم الجمعۃ کان علی کل باب من ابواب المسجد الملائکۃ یکتبون الاول فالاول فاذا جلس الامام طووا صحفہم وجاؤا یستمعون الذکر (بخاری)	مسجد کے ہر دروازے پر فرشتے ہوتے ہیں جو آنیوالے نمازیوں کے نام لکھتے رہتے ہیں پس جب امام خطبہ پڑھنے لگتا ہے تو ان کتابوں کو لپیٹ لیتے ہیں۔ اور وعظ سنتے

ہیں اور ذکر میں مومنوں کے ساتھ شامل ہوتے ہیں۔ اسی طرح پر ذکر اور دعا و تسبیح میں

(۷) **بعض** فرشتے لوگوں کو آفات سے محفوظ رکھنے کے لئے نازل ہوتے ہیں چنانچہ

لہ معقبٰت من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ (الرعد رکوع ۲)	سورۂ رعد میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے آگے اور پیچھے فرشتے مقرر کئے ہیں جو اللہ

کے امر سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

(۸) **بعض** فرشتے میدان جنگ میں مومنوں کی مدد کیلئے نازل ہوتے ہیں چنانچہ ارشاد

اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملئکۃ مردفین (سورۃ الانفال ع ۱)	جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کی کہ میں ایک ہزار فرشتوں

سے تمہاری مدد کرونگا۔ **تفسیر جامع البیان** میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے

فقد نقل عن علی رض ان جبریل فی الف عن میمنۃ النبی ص وفیہا ابوبکر ومیکائیل فی الف عن میسرتہ وانا فیہا (جامع البیان)	کہ حضرت علی رض فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کے دائیں طرف ایک ہزار فرشتے کے سردار حضرت جبرئیل تھے اور حضرت

ابوبکر رض بھی اسی طرف تھے اور بائیں طرف حضرت میکائیل ایک ہزار فرشتے کو لئے ہوئے تھے اور میں انہیں میں تھا

Marfat.com

دیکھو حضرت علی رضؓ نے ان سب کو دیکھا۔ ایک اور روائیت میں آیا ہے کہ ہم کوئی کافر
چڑھکر آتا تو رستے ہی میں اس کا سر کٹ جاتا ہم حیران ہوتے (وہ قاتل فرشتے ہی تھے)
ایک اور روائیت میں ہے کہ ہم فرشتوں کو دیکھتے تھے کہ سیاہ پگڑیاں ان کے سر پر ہیں
اور ہمارے دشمنوں کو مار رہے ہیں۔

(۶) **بعض** فرشتے صرف اس کام پر لگے ہوئے ہیں کہ مومنوں کی طرف سے جو کچھ درود شریف پڑھا جاتا ہے وہ رسول اللہ صلعم تک پہنچا دیتے ہیں چنانچہ سنن نسائی میں ہے ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام یعنی رسول اللہ فرماتے ہیں کہ بعض فرشتے ایسے ہیں جو زمین میں سیر کرتے رہتے ہیں اور جہاں کوئی میری اُمت میں سے مجھپر درود پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچاتے ہیں +

الغرض قرآن شریف کی کئی آیات اور کئی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ فرشتے اپنے جسم کے ساتھ زمین پر نازل ہوتے ہیں۔ دیگر آیات و احادیث بوجہ اختصار اس جگہ نہیں لکھی گئیں +

اعلان

اگر مرزا صاحب ان رسائل ثلاثہ یعنی شہادت القرآن اور سلم الوصول اور نزول الملائکہ کے دلائل کو ضعیف اور غلط ثابت کرکے ان رسائل کے مدعا کے خلاف کو دلائل قرآنیہ یا یہ ثبوت تک پہنچا دیں تو بندہ اپنے قلم کو توڑ دے گا اور مسیح علیہ السلام کے رفع آسمانی اور رسول اللہ صلعم کے معراج جسمانی کے خلاف پر اعتقاد کر لینے میں ہرگز تامل نہیں کریگا۔ اور میں اس امر کو نہایت زور سے باوا ز بلند ظاہر کرتا ہوں کہ **مرزا صاحب اس امر میں کبھی بھی** کامیاب نہیں **ہو سکینگے** اور **ہرگز نہیں ہو سکینگے**۔ رسالہ شہادت **القرآن کا جواب مرزا صاحب کی لیاقت علمی سے** باہر ہے + وانا العبد المفتقر الی اللہ الکریم محمد ابراہیم سیالکوتی +

جنگ ہفت سالہ

... جمہوری سلطنت کی بنیاد۔ جنرل برگوین کی گرفتاری۔ جنگ بحری میں امریکہ کی
... کارنوالس کی گرفتاری۔ جنرل واشنگٹن کا استعفا دیکر فوج سے علیحدہ ...
... ہے۔ قیمت (۸ر)

مطالعہ فطرت

... کے بیان میں ہے اس میں (۱) خدا کے تعلق یا (۲) حق تعالیٰ کی صفات (۳)
انسانی زندگی (۴) ہمارے فرائض (۵) حیات بعد الممات (۶) نیکی و بدی (۷) حیات
... (۸) بہشت و دوزخ کا بیان ہے۔ قیمت .... (۸ر)

شہادت القرآن

مسیح علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا۔ لاجواب دلائل سے صرف قرآن مجید سے ثابت
کیا گیا ہے۔ واقعی ایک بے نظیر کتاب ہے۔ منگا کر دیکھئے۔ قیمت ..... (۸ر)

مذہب کا جغرافیہ۔ قیمت ۵ر۔ نماز اور اسکی حقیقت ۴ر

پنج ارکان اسلام

مصنفہ مولوی سراج الدین صاحب ایڈیٹر زمیندار۔ یہ کتاب بھی دیکھنے کے قابل ...
الوہیت مسیح اور تثلیث کا رد قیمت (۴ر) **گلیور کی سیر**
... کی عجیب الخلقت مخلوق کا بیان جو مصنف نے اپنے چشم دید واقعات
لکھے ہیں قیمت (۴ر) **حالات چین معہ نقشہ** و براعظم ... آدمیوں کے حال
... کا بیان ہے قیمت (۸ر) **عجائبات امریکہ** قیمت (۴ر) **تسخیر القمر** قیمت ۴ر

Marfat.com

الهادی

اگرچہ پنجاب و ہندوستان میں کئی اسلامی ماہوار رسالے جاری ہیں اور ہر ایک اپنی عمدگی مضامین اور خوبی بیان سے شائقین کو فریفتہ کر رہا ہے۔ مگر چونکہ ہر شخص کا مذاق اور طرز سخن الگ ہوتا ہے۔ لہذا موجودہ رسائل پر نظر کرنے سے معلوم ہوا کہ بعض ضروری مضامین ابھی تک اچھوتے پڑے ہیں اور فاضل اڈیٹران کی توجہ ابھی تک ان کی طرف منعطف نہیں ہوئی۔ لہذا مناسب سمجھا کہ ایک ماہوار رسالہ جو اپنی طرز میں آپ ہی اپنا نمونہ ہو جاری کیا جاوے۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ **الهادی** جس کے چند پرچے ہدیہ ناظرین ہو چکے ہیں۔ پنجاب پریس شہر سیالکوٹ سے ہر انگریزی مہینہ کی ابتدائی تاریخوں میں اپنے دفتر سے جاری ہوتا ہے۔ اسکے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں:۔

شرح قیمت سالانہ

(۱) عام خریداروں سے . . . . . عہ؍

(۲) شہرداروں سے . . . . . عمہ؍

(۳) ذی استطاعت علما اور طلبا سے عمہ؍

رؤسا ذوی الاقتدار علاوہ عام شرح کے جسقدر عنایت فرماویں

(۴) غیر مستطیع علما جو الهادی کی اشاعت میں

(۵) کوشش فرماویں انسے صرف خرچ ڈاک

اغراض و مقاصد

(۱) یہ ثابت کرنا کہ رسول اللہ صلعم نے دنیا کو ظلمت جہل سے نور علم کیطرف ہدایت کی اور تعلیم معاش و معاد کیلئے آپ سے بڑھکر عملی نمونہ کوئی نہیں ہے

(۲) یہ کہ تہذیب اخلاق اور حفاظت فطرت کے لئے قرآنی تعلیم سب سے احسن و ابلغ ہے۔

(۳) یہ غیر مذہبوں کے اعتراضات کے مہذبانہ تحقیقی جوابات

(۴) یہ ظاہر کرنا کہ اسلامی علما اسکی صداقت کا ثبوت ہیں

شرائط (۱) قیمت سالانہ پیشگی ہمراہ درخواست آنی چاہئے۔ یا بذریعہ وی پی پارسل بھیجا جائیگی (۲) نمونہ طلب کرنے کے لئے ٹکٹ بر روانہ ہوگا جو سالانہ خریدار کو مجرا دیئے جائینگے (۳) جملہ خط و کتابت و ارسال رقم منشی فیض علی مینیجر مالک کے نام ہونی چاہئے۔ منشی فیض علی مینیجر پنجاب پریس شہر سیالکوٹ

Marfat.com

حقوق بحق کتب خانہ اسلامیہ امرتسر محفوظ ہیں

خداوند کی امان

Marfat.com

چند قابل قدر کتابیں

تفسیر کبیر جلد اول کا اُردو ترجمہ

جو لوگ مذہب اسلام کے سچے اصولوں کو خلاف عقل خیال کرتے ہیں یا جن کو ان پاک اصولوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں ان کو چاہیئے کہ امام فخر الدین رازی کی اس عظیم الشان تفسیر کا مطالعہ کریں۔ اس تفسیر میں قرآن کریم کی جملہ آیات کی تفسیر اصول فلسفہ اور سائنس سے کیگئی ہے جن آیات یا مسائل پر مخالفین اسلام ذاعتراض کرتے ہیں یا جسقدر شکوک کسی آئت پر وارد ہو سکتے ہیں اُن کے جواب نہایت زبردست عقلی دلائل سے سوال و جواب کے طور پر دئے گئے ہیں بعض مشکل اور دقیق مضامین جیسے ثبوت واجب الوجود ثبوت نبوت حضرت محمد رسول اللہ۔ ثبوت ملائکہ و شیاطین سحر و معجزات کی تشریح بمعہ ثبوت ناسخ و منسوخ کی کیفیت حشر و نشر کا عقلی ثبوت۔ بہشت و دوزخ کا ثبوت اور ان کی نسبت زمین و آسمان کے عجائبات کا انکشاف وغیرہ کو بالکل اصول فلسفہ اور سائنس کے مطابق حل کیا گیا ہے بعض مفسروں کے جھوٹے قصے اور من گھڑت روائتوں کی پوری قلعی کھولی گئی ہے۔ بعض مسائل پر متقدمین کے بحث و مباحثے اور ان پر امام رازی کی جرح و تعدیل قابل دید ہے۔ غرض تمام جہان کے مفسر قرآن رازی کی طرز تحریر زبردست فلسفی دلائل کا لوہا مان گئے ہیں۔ جو طرز امام رازی نے ایجاد کیا ہے اسکا نمونہ ملنا بالکل محال ہے اسلئے اس تفسیر کے ہوتے ہوئے کسی دوسری تفسیر کی ضرورت نہیں صفحات ۵۰۰ قیمت للعہ

بدور السافرہ کا اردو ترجمہ

یہ کتاب امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے امام ممدوح نے قرآن کریم کی ان جملہ آیات کو جنمیں حشر نشر حساب کتاب۔ پلصراط۔ حوض کوثر شفاعت۔ میزان۔ نشر اعمال بہشت دوزخ کا بیان ہے اسمیں جمع کر کے حدیث نبوی کیساتھ انکی تفسیر کردی ہے اس کتاب کے ۵۰ ابواب ہیں ہر ایک باب کا افتتاح آئت قرآن کریم سے کیا گیا ہے احوال برزخ بھی جلی ہے کتاب ہے صفحات ۲۵۰ تقطیع کلاں قیمت ؏

Marfat.com

نذر

"اُمّ الِاَلٰہ" مصنفِ اُمّہاتُ المُؤمِنین کی نذر ہے - اِس لئے کہ ہمیں یقین ہے کہ نزال روح القدس بصورت آتشیں[1] زبان دریدہ دہن مصنف مذکور میں ہُوا - اور اُسنے اردو لٹریچر میں قابل نفریں اضافہ کیا - "اُمّ الِاَلٰہ" سے اون کی اصلاح مقصود

[1] تحقیق :- بائبل کی خاص اعجازی اختراعوں میں سے "زبان" کی عجیب تاریخ بھی قابل ذکر ہے چنانچہ پیدایش باب ۱۱ میں اس طرح مذکور ہے کہ ابتدا میں لوگ صرف ایک ہی زبان بولتے تھے لیکن طوفان نوح کے بعد سب لوگ ایک جگہ جمع ہوئے - اور ایکدوسری سے کہنے لگے کہ آؤ ایک پختہ مینار بنائیں جو آسمان کا جگر پھاڑتا ہُوا بلند ہو - مدعا یہ تہا - کہ اگر دوبارہ طوفان آیا - تو اسپر چڑھ کر بچ جائیں گے چنانچہ اونھوں نے تعمیر کا کام شروع کر دیا - مگر "یہوداہ" کو سخت فکر لاحق ہُوا - کہ اب خیر نہیں اگر انسان اپنے ارادہ میں کامیاب ہُوا تو ایک نہ ایک دن آسمان پر چڑہائی کریں گے اور اللہ میاں سے اپنے باپ دادوں کا انتقام لینگے - اس لئے ان پر روح نازل ہوئی اور وہ سب دُنیا کی مختلف زبانیں بولنے لگے ایک تو سنسکرت کے شلوک پڑھتا تہا تو دوسرا یونانی زبان بولتا تہا - ایک لاطینی اور دوسرا عربی اور تیسرا فارسی اور علی ہذالقیاس ایک عجیب گڑبڑ مچگئی کوئی ایک دوسرے کا مطلب نہ سمجھ سکتا تہا اور شاید وہ خود بھی نہ سمجھ سکتے تہے - وہ حیران تھے یہ ہو کیا رہا ہے اور ہر ایک شخص متحیر تہا - کہ وہ کیا بکواس کر رہا ہے - ہمارے نزدیک

Marfat.com

ہے۔ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔

(المؤلف)

آواز دی "پتھر" تو ایک شخص چونہ اٹھا لایا۔ حیرت تو یہ ہے کہ اس شخص نے کسطرح سمجھ لیا کہ معمار "چونہ" مانگتا ہے۔ دنیا میں کونسی زبان ایسی ہے کہ "پتھر" کے معنی "چونہ" سمجھتے ہیں۔ یا پانی کو "مٹی" کہتے ہیں۔ غرض یہ کہ ایک نہایت ہی نامعقول قصہ ہے۔

یہ تھے پرانے عہدنامے کی دلچسپ حکایات۔ نئے عہدنامہ میں کسی حضرت نے یہ واقعہ مختلف پیرائے میں اس طرح بیان کیا ہے کہ پنٹکسٹ (Pentecost) کے دن گیارہ رسول مسیح کے پاس ایک جگہ جمع ہوئے اور مختلف ممالک کے یہودی اور یروشلم کے رہنے والے اونکا وعظ سننے کے لئے آئے یکایک اُن پر روح گیارہ آتشیں زبانوں کی صورت میں نازل ہو کر ہر ایک کے سر پر آ بیٹھی اور وہ لگے مختلف بولیاں بولنے۔ لوگ حیران تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اونہیں کیا معلوم تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ شاید بابل کا واقعہ بھول گئے ہونگے۔ مگر حیرت یہ ہے کہ گیارہ رسول حیران نہ ہوئے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ آخر بعض اشخاص نے یہ کہکر کہ "یہ نئی مے کے نشہ میں ہیں" اونکا منہ بند کیا۔ مگر حضرت پطرس بولے کہ "ہم نشے میں نہیں کیونکہ ابھی پہر دن آیا ہے۔" یہ ایک نہایت دلچسپ قصہ ہے۔ اسپر ہم مفصل بحث شاگردان یسوع کے تذکرہ میں کریں گے۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیکھو! ایک کنواری پیٹ سے ہوگی اور بیٹا جنیگی ۔ اور اُس کا نام عمانوئیل رکھیں گے

عہد جدید میں (جو مقدس متی ۔ مرقس ۔ لوقا ۔ یوحنا کی انجیلوں اور دیگر پرائیویٹ خطوط کا مجموعہ ہے) عہد عتیق (توریت) اور پرانے نوشتوں (صحف انبیا) کے فقرات نقل کر کے یسوع ناصری کی نسبت پیش گوئیاں ظاہر کی گئی ہیں ۔ چنانچہ اکثر مقامات پر واقعات کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ اسلئے ہوا کہ جو کچھ نبیوں نے کہا تھا۔ یا جو کچھ پرانے نوشتوں میں لکھا تھا ۔ پورا ہو۔

پُرانے نوشتوں اور پیشگوئیوں کا تذکرہ صرف اسی لئے کیا گیا ہے کہ ثابت ہو جاوے کہ یسوع ایک ایسا شخص تھا جسکی سوانح عمری اوسکی ولادت سے صدہا سال پیشتر لکھی جا چکی تھی ۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ یہودی ایک عرصے ایک ایسے شخص کے منتظر تھے جسکی نسبت اونکی مذہبی کتابوں اور دیگر رواتوں سے پایا جاتا ہے کہ وہ مثیل موسیٰ ہوگا ۔ سردار قوم (سید القوم) ہوگا اور اُن تمام برکتوں کا وارث ہوگا ۔ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ اور اُن کی اولاد کو دیں ۔ اور وہ تمام عہد جو خدائے تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ سے باندھے اون کے پورا ہونیکا وقت اُس کے ظہور اور بعثت پر منحصر تھا ۔ اور اسوقت کے بنی اسرائیل نہایت اشتیاق اور بے صبری کے ساتھ منتظر تھے ۔

ہر ایک نبی سے جو حضرت موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل میں مبعوث ہوا ۔ پوچھا [illegible] تھا کہ تو کون ہے ؟ اور کیا تو وہی ہے جسکی آمد کا وعدہ عہد عتیق میں کیا [illegible]

لہ ملاکی نبی (باب ۴ ۔ آیت ۵) و (باب ۳ آیت ۱) اور یسعیاہ (باب ۴۰ آیت ۳) سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح کے پہلے ایک ایسے نبی کا ظہور ضروری تھا ۔ جو مثیل الیاس ہو ۔ اور یحییٰ یوحنا کو مثیل الیاس کہتے

(یحییٰ) بپتسمہ دینے والے سے بھی یہی سوال کیا گیا اور جس طرح ہر ایک نبی نے نفی میں جواب دیا۔ یحییٰ نے بھی یہی کہا کہ "چہ نسبت خاک را با عالم پاک" یہ مسلمہ اور یقینی امر ہے کہ مثیل موسیٰ کا ظہور نہیں ہوا تھا۔ لیکن بنی اسرائیل آج بھی ویسے ہی منتظر ہیں جیسے وہ اُس زمانہ میں یا اُس سے بیشتر تھے مگر عیسائی دنیا میں اس معہود کو یسوع ناصری کا وجود ثابت کرنیکی کوشش کی گئی ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ وہ آیا۔ دُنیا میں رہا۔ اور گذر گیا۔ اگرچہ دنیا میں نظر آیا مگر بنی اسرائیل اُسے پہچان نہ سکے اور اس لئے اُس پر ایمان نہ لائے۔ مگر اُس نے آنا تھا۔ اور آیا اور کچھ عرصہ زندہ رہکر مر گیا یا مارا گیا۔

کیا اب بنی اسرائیل کا انتظار بیفائدہ ہے؟ نہیں! معہود دوبارہ دنیا میں آئے گا۔ اور اسوقت بنی اسرائیل کی آنکھیں کھلی ہونگی وہ اُسے پہچان کر ایمان لائینگے۔ کیا یہ سچ ہے اسوقت کیا صحیح آثار اور علامات شناخت کا باعث ہونگی؟

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عہد عتیق کی پیش گوئیاں یا پرانے نوشتے جہاں تک اوسکا تعلق موعود کے ساتھ ہے۔ ابھی تک پوری نہیں ہوئیں۔ کیونکہ عیسائی بھی اوس کے اسیطرح منتظر ہیں جسطرح بنی اسرائیل۔

موجودہ زمانہ میں تو عیسائیوں اور بنی اسرائیل کی حالت یکساں ہے لیکن کیا آج سے ۱۹ سو برس بیشتر بھی یہی کیفیت تھی؟ بنی اسرائیل تو بلاشبہ اسوقت بھی اسیطرح منتظر تھے لیکن یسوع کے شاگردوں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اونہیں یقین تھا۔ کہ عہد عتیق کی پیش گوئیاں یسوع کے حق میں کی گئی تھیں۔

ہیں جو صریحاً غلط ہے۔ کیونکہ یوحنا نے جب اون سے دریافت کیا گیا کہ تو الیاس ہے تو صاف انکار کیا دیکھو یوحنا باب ۱ آیت ۲۱۔ البتہ حضرت عیسےٰ مثیل الیاس ہو سکتے کیونکہ دونوں کے واقعات زندگی بہت مشابہ ہیں۔ یہانتک کہ کہا گیا ہے کہ دونوں آسمان پر چلے گئے۔

Marfat.com

یہ تو ممکن ہے کہ یسوع کی نسبت بحیثیت ایک بزرگ نبی۔ اولوالعزم پیغمبر کچھ نہ کچھ عہد عتیق میں مذکور ہو۔ مگر سوال یہ ہے۔ کہ آیا یسوع وہی معہود تھا جسکے بنی اسرائیل منتظر تھے اور ہیں؟ اسکا جواب ہم مقدس متی۔ مرقس۔ لوقا۔ یوحنا اور دیگر عیسائی رسولوں سے طلب کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا مقدس بزرگوں نے یسوع کی سوانح عمری لکھی ہے ان میں سے کسی ایک نے بھی ایسے مفصل واقعات قلمبند نہیں کئے جنکا علم آئندہ نسلوں کے واسطے ضروری تھا۔ یہ چار کتابیں چند اوراق کے رسالے ہیں جنمیں ایک ہی واقعہ مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اور انصاف تقاضا کرتا ہے کہ ہم ایسے واقعہ کی صحت پر شبہ نہ کریں جسکی تائید یہ بزرگ کرتے ہیں۔ مگر بصورت اختلاف انصاف اس امر کا بھی تقاضا کرتا ہے کہ ایسا واقعہ سفید جھوٹ۔ زمانہ مابعد کی ایزاد تحریف وغیرہ خیال کریں۔

یہ چار کتابیں جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُن کے مصنف مذکورہ بالا مقدس بزرگ تھے اور جنکی تصنیف یا تالیف روح القدس کی تائید سے ہوئی ہے ایسی ضخیم جلدیں نہیں کہ مصنف لکھتے وقت واقعات کو بھول جائے۔ بلکہ ایسی مختصر تحریر ہے کہ دروغ گو کا حافظہ بھی غلطی نہیں کرتا۔ ایسی حالت میں اگر اختلاف ہو۔ تو یقیناً اُن کی شہادت غیر معتبر ہے۔

اِن نوشتوں کو بجائے کتاب کے خط[1] کہنا زیادہ موزوں ہے مقدس یوحنا تو صاف صاف الفاظ میں اعتراف کرتا ہے کہ بیشمار ایسی باتیں ہیں۔ جو یسوع نے کیں اور لکھی نہیں گئیں اور اگر قلمبند

[1] مقدس لوقا کی انجیل تو بلاشک و شبہ ایک خط ہے جو بخدمت عالی مرتبت جناب "تہیوفلس" لکھا گیا ہے ڈاکٹر وہیٹلن صاحب مفسر انجیل اس شخص کی نسبت لکھتے ہیں کہ غالباً حضرت لوقا کا ... الفاظ میں مقدس لوقا اسے مخاطب کرتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی بڑا صاحب اثر اور امیر آدمی تھا۔ رسولوں کے اعمال بھی مقدس لوقا کی تصنیف ہیں اور یہ بھی ایک خط اسی تھیوفلس

کی جائیں تو اسقدر ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں کہ دنیا کی لائبریری میں سما نہ سکتیں (یوحنا۔ ۲۱۔ ۲۵)[ملہ]

اختصار پسند سوانح نگاروں نے کسی جگہ صراحتاً یا اشارتاً ذکر نہیں کیا کہ یسوع وہی موعود تھا جسکے منتظر بنی اسرائیل تھے اور کسی جگہ اس دعوی کو اُن دلائل سے ثابت نہیں کیا جسے بنی اسرائیل تسلیم کرتے اور کسی مقام پر یسوع کے وجود میں اُن صفات کا تذکرہ نہیں کیا۔ جو معہود کی شناخت کا آسان ذریعہ تہا۔ اور جس سے بنی اسرائیل بخوبی واقف تھے۔ اور کسی طرح توریت کتاب استثنا باب ۱۸۔ آئت ۱۵ الغائت ۱۸ کی اس پیشگوئی کو کہ :۔

"اُون[ملہ] کے بہائیوں میں سے تجہہ سا نبی پیدا کرونگا اور اپنا کلام اوسکو منہہ میں ڈالونگا (کیا یہ صحیح یا غلط ہے) ۔ اور جو کچہہ میں اُس سے کہونگا۔ وہ ان سے کہدیگا۔ اوسکی مانیو۔ (اعمال باب ۷۔ آئت ۳۷)"

یسوع پر عائد نہیں کیا اور نہ اوسکی واقعات زندگی ثابت کرتے ہیں کہ یہ پیشگوئی اُس کے حق میں کہی گئی ہے۔ مگر ہم اسجگہ اُن پیشگوئیوں پر بحث نہیں کرتی جنکا ذکر مقدس سوانح نگاروں نے پہلی چار کتابوں میں نہیں کیا۔ بلکہ صرف انہی پرانے نوشتوں پر غور کریں گے جنکا حوالہ مقدس متی اور دیگر سوانح نگار اپنے انجیلوں یا پرائیویٹ خطوط میں دیتے ہیں۔

مقدس متی (باب ۱۔ ۱۸۔ لغائت ۲۲) تحریر فرماتے ہیں :۔

"جب مسیح کی ماں مریم کی ماں منگنی یوسف کیساتہہ ہوئی تو اس سے پہلے کہ وہ ہمبستر ہوں روح القدس

کے نام ہوا اسمیں مقدس لوقا چند ایسے مقامات کا تذکرہ کرتا ہے۔ جو نواح روم دارالسلطنت اٹلی میں واقع تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تھیوفیلس اُنسے اچھی طرح واقف تہا اور پس لئی خاص روم کا باشندہ تہا (لوقا ۱۔ آئت ۱۔ ۴۔ اعمال ۱۔ او ۲۸۔ ۱۵)

کیا یہ تحریریں پرائیویٹ خطوط نہیں ؟ اور کیا ایسی حالتمیں اونکی حیثیت الہامی کتاب ہو سکتی ہے۔

ملہ کیا یہ شاعرانہ مبالغہ ہے یا امر واقعہ کا اظہار ؟

ملہ مذکورہ بالا پیشگوئی میں بعض جگہ "تیرے درمیان" کا فقرہ بہی لکہا ہے۔ جو صریح تحریف ہے کیونکہ :۔ (بر صفحہ)

حاملہ پائی گئی تب اُوس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تہا اور نہ چاہا کہ اوسکی تشہیر کرے ارادہ کیا کہ اُسے چپکے سے چہوڑ دے ۔ وہ ان باتوں کی سوچ میں تہا ۔ کہ خداوند کا فرشتہ

(۱) توریت استثنا باب ۱۸ ۔ آئت ۱۵ میں یہ فقرہ نہیں ہے اور یہ خدا تعالی کا کلام ہے

(۲) اعمال باب ۳ ۔ آئت ۲۲ میں یہ فقرہ نہیں ہے اور یہ پطرس حواری کا کلام ہے ۔

(۳) اعمال باب ۷ ۔ آئت ۳۷ میں یہ فقرہ نہیں ہے اور یہ استفنس کا کلام ہے ۔

(۴) معتبر ترجمہ توریت بزبان یونانی مسمی بہ سپٹواجنٹ (Sefotuagnt Version) میں یہ فقرہ نہیں اور یہ ترجمہ یسوع کی ولادت سے تین سو سال پیشتر کا ہے ۔

(ب) پیشگوئی مذکورمیں بہائیوں سے مراد بنی اسمعیل ہیں کیونکہ :۔

(۱) یہ بات ثابت ہو کہ بنی اسرائیل کے درمیان سے یہ نبی موعود پیدا نہ ہوگا ۔

(۲) بنی اسرائیل کو بحیثیت ایک قوم کو مخاطب کیا گیا ہو اسی قوم کے بہائی جنپر برکت کا وعدہ تھا وہ بنی اسمعیل ہی تہے (دیکھو پیدائش باب ۱۷ ۔ آئت ۱۲ + استثنا باب ۱۵ ۔ آئت ۷ ۔ استثنا باب ۱۸ آئت ۱۵)

(۳) بنی قطورہ اور بنی ادوم سے کوئی وعدہ برکت کا نہیں کیا گیا وہ مغضوب قومیں تھیں ۔ اس لئے یہ پیشگوئی صرف بنی اسمعیل کے حق میں ہے اکتاب مبینی باب اول ۔

پیدائش باب ۲۵ آئت ۱ + پیدائش باب ۱۶ آئت ۱۰ + پیدائش باب ۱۷ آئت ۲۰
" " ۲۱ " ۲۰ + استثنا " ۳۲ ، ۲۱ + متی " ۲۱ " ۴۳
" " ۱۲ " ۱۳ + پیدائش " ۸ ، ۱۸ ، ۱۸ +
" " ۲۳ " ۱۸

(۴) بہائیوں سے مراد بنی اسرائیل نہیں ہو سکتی کیونکہ خدا تعالی کے کلام میں توریت میں کسی جگہ بنی اسرائیل کو اسطرح مخاطب نہیں کیا گیا ۔ ان بنی اسرائیل ایکدوسرے کو بہائی کہتے تھے اور جس جگہ اسطرح بنی اسرائیل

Marfat.com

نے اس پر خواب میں ظاہر ہو کر کہا اے یوسف داؤد کے بیٹے! اپنی جورو مریم کو اپنے ہاں لانے سے
مت ڈر کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے سو روح قدس سے ہے اور وہ بیٹا جنیگی تو اوس کا

بھائی کہا گیا ہے وہاں بنی اسرائیل کا لفظ بھی ساتھ ہی لکھ دیا ہے (استثنا باب ۳- آیت ۱۸، ۲۰
سلاطین باب ۱۲- آیت ۲۴)

(ج) پیشگوئی مذکور میں لفظ نبی کا اطلاق یسوع پر نہیں ہو سکتا کیونکہ نبی ہمیشہ بشر ہوتے ہیں اور عیسائی یسوع کو خدا اور خدا کا بیٹا کہتے ہیں موسی نبی بشر تھا اور یسوع کو ایسا نہیں کہتے موسی کو والدین تھے اور یسوع کو کنواری کا بیٹا کہتے ہیں کسی نبی کو خدا یا خدا کا بیٹا نہیں کہا گیا اور ہر ایک نبی بشر کے علاوہ کچھ اور نہیں سمجھا گیا۔ حالانکہ یسوع کی نسبت یہ خیال نہیں ہے۔

(د) اس پیشگوئی کا اطلاق یسوع پر نہیں ہو سکتا بلکہ حضرت محمد پر ہوتا ہے بوجوہات ذیل۔

(۱) حضرت موسیٰ نبی تھے اور بشر تھے۔

(۱۱) حضرت محمد نبی تھے اور بشر تھے (میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں صرف فرق یہ ہے کہ مجھپر اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہوئی ہے (قرآن)

(۱۱۱) یسوع کو بشر نہیں کہتے جو اور انسانوں کی مانند ہو۔ اور نہ وہ بشر ہی تھا۔

(۲) حضرت موسیٰ صاحب شریعت تھے۔

(۱) حضرت محمد صاحب شریعت تھے۔ جو ایک مکمل شریعت لیکر آئے (آج کے دن میں نے تمہارا دین اکمل کر دیا) (الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی - قرآن)

(۱۱) یسوع صاحب شریعت نہ تھے بلکہ اونکی تعلیم مکمل نہیں (یوحنا ۱۶- آیت ۲۵) سوائے چند پہیلیوں کے اور کچھ نئے عہد نامہ میں نہیں۔

(۳) حضرت موسیٰ نے بمعہ اپنی معتقدین کے مصر سے بوجہ ظلم فرعونیاں ہجرت کی۔

(۱) حضرت محمد نے بمع اپنی معتقدین کے مکہ سے بوجہ ظلم کفار ہجرت کی۔

Marfat.com

نام یسوع رکھنا۔ کیونکہ وہ اپنے لوگوں کو گناہوں سے بچاویگا۔

"یہ سب کچھ اس لئے ہُوا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا۔ پورا ہو۔ کہ دیکھو ایک کنواری پیٹ سے ہوگی اور بیٹا جنیگی اور اوسکا نام عمانویل رکھینگے۔ جسکا ترجمہ یہ ہے خدا ہمارے ساتھ۔"

مقدس مرقس اور لوقا اور یوحنا نے اس واقعہ اور اور جو کچھ نبی کی معرفت کیا گیا تھا

(۱) یسوع کو یہ واقعات مماثلت پیش نہیں آئے

(۴) حضرت موسیٰ کا تعاقب ہُوا۔

(۱) حضرت محمد کا تعاقب ہُوا۔

(۱۱) یسوع کی سوانح عمری میں ایسے واقعات نہیں ہوئے

(۵) حضرت موسیٰ کے دشمن ہلاک ہوئے اور خصوصاً فرعون

(۱) حضرت محمد کے دشمن ہلاک ہوئے اور خصوصاً ابوجہل

(۱۱) یسوع خود ہلاک ہُوا۔ اور لعنتی کی موت مرا۔

(۶) حضرت موسیٰ کو کفار پر نمایاں فتوحات حاصل ہوئیں۔

(۱) حضرت محمد کو کفار پر نمایاں فتوحات حاصل ہوئیں۔

(۱۱) یسوع خود محکوم رومی رعیت تھا۔ وہ نہایت مفلوک الحال تھا۔ شاگردوں کو دھوکہ میں رکھا کہ بنی اسرائیل کا بادشاہ ہونگا اور داؤد کا تخت مجھے ملیگا۔ بجائے تخت کے تختہ ملا اور شاگرد بدظن ہوکر اوسکا انکار کرنے لگے اور اسپر لعنت کی۔

(۷) حضرت موسیٰ کے جانشین بادشاہ ہوئے (۷) حضرت محمد کے جانشین بادشاہ ہوئے

(۱۱) یسوع کے جانشین ماہی گیر تھے اور نہایت ذلیل و خوار اور جاہل ناخواندہ

(۸) حضرت موسیٰ نے روحانی اور جسمانی بادشاہت قائم کی۔ چنانچہ داؤد سلیمان اور الیاس الیسع وغیرہ

Marfat.com

نہیں لکھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انکی خاموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید

یہ عبارت کہ "دیکھو ایک کنواری پیٹ سے ہوگی اور بیٹا جنیگی اور اوسکا نام عمانوایل رکھینگا"

الیشعیاہ نبی کی کتاب باب آیت ۱۴ سے لی گئی ہے۔

اس پیشگوئی میں جس لفظ کا ترجمہ کنواری کیا گیا ہے وہ عبرانی زبان میں "علمہ" ہے

اور اسپر کل علماء یہود اور اکثر علماء مسیحی کا اتفاق ہے کہ "علمہ" کے معنی جوان عورت کے ہیں ۔ واکر

بادشاہ اور برگزیدہ بندے پیدا ہوئے اور عظیم الشان سلطنت قائم کی۔

(۷) حضرت محمدؐ نے روحانی و جسمانی بادشاہت قائم کی اور آپکے بعد چنانچہ خلفاء راشدین

اور ان کے جانشین بزرگ اور مقدس بادشاہ گذرے ہیں اور عظیم الشان سلطنت قائم کی۔

(۷) یسوع کی نسبت یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ نہ وہ بادشاہ و صاحب حشم ہوا اور برگزیدہ [illegible]

بادشاہت دنیوی تو کبھی نصیب نہ ہوئی ۔ روحانیت کا یہ حال ہے کہ اوسکے نیز شاگرد اوس سے

متنفر ہوگئے ۔ بھاگ گئے ۔ انکار کیا ۔ لعنت بھیجی ۔

(۹) حضرت موسیٰ نے توحید کی تعلیم دی ۔

(۹) حضرت محمدؐ نے توحید کی تعلیم دی ۔

(۹) یسوع نے تثلیث اور شرک کا فتنہ برپا کیا ۔

(۱۰) حضرت موسیٰ نے پیشگوئی کی کہ خدا سے الہام پاکر میری مانند ایک نبی بنی اسرائیل کے بھائیوں

بنی اسماعیل میں سے پیدا ہوگا ۔ اور خدا اوسکے منہ میں اپنا کلام ڈالیگا اوسکی سنو (توریت استثنا)

(۱۰) حضرت محمدؐ نے دعویٰ کیا خدا سے الہام پاکر کہ میں موسیٰ کی مانند نبی ہوں اور جو کچھ خدا کا

کلام مجھپر نازل ہوتا ہے میں لوگوں کو سنا دیتا ہوں (انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما

ارسلنا الی فرعون رسولا ۔ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی)

(۱۰) یسوع نے کبھی اپنی نسبت ایسا دعویٰ نہیں کیا ۔ البتہ مریدان نے [illegible]

Marfat.com

[illegible] (Canon D[illegible]) تحریر فرماتے ہیں کہ:

[illegible]

[illegible]

[illegible] ([illegible]) [illegible]

[illegible] الاتفاق نہیں [illegible]

[illegible]

[illegible] بھی ایک [illegible] ([illegible]) [illegible] اشعیاہ

[illegible] کی کتاب [illegible] آیت [illegible] جہاں [illegible]

واقعات [illegible] کے [illegible]

ہو گا کہ [illegible] ہے۔

کسی جوان عورت کا [illegible]

[illegible] ایک [illegible] خیال [illegible]

اشعیاہ نبی کی کتاب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] اور اس [illegible]

[illegible] کی صداقت کا نشان [illegible]

[illegible] اور اس کا نام [illegible]

[illegible]

[illegible] اشعیاہ نبی کی

دو شاہدوں کے روبرو جنکے نام اوریاہ اور ذکریاہ تھے ایک شہادت نامہ لکھا اور اوس بیہودہ بچہ کا نام ماہیر شالال۔ حاش۔ بز لکھا اور پہر اپنی جورو کے پاس (جو ایک جوان عورت تہی) گیا۔ اور وہ حاملہ ہوئی۔ لڑکا جنا اور اوسکا نام ماہیر شالال حاش بز رکھا۔

بشپ لوتھر صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ پیشگوئی مذکورہ کا لفظی اور صریح مطلب یہی کچہہ ہر صاف ظاہر ہے کہ اشعیاہ نبی کی پیشگوئی صرف اونکے اپنے زمانہ کے متعلق تہی اور واقعات مندرجہ بالا بہی یہی تقاضا کرتے ہیں اگر ولادت یسوع کی نسبت جو اشعیاہ نبی سے سات سو سال بعد ہوئی سمجہا جائے تو بالکل بے معنی ہوگا۔

اس پیشگوئی میں کچہہ ایسا اعجاز نہیں پایا جاتا۔ اس میں صرف ایک مدت معین کردی گئی ہے کہ اس عرصہ کے بعد دشمنوں کا خوف جاتا رہیگا۔ اور یہ اتنا عرصہ تہا جتنے عرصہ میں ایک عورت حاملہ ہو۔ بچہ جنے اور وہ ذرا ہوشیار ہو۔ شہادت نامہ بہی اسی لئے لکھا گیا تہا۔ کہ نوپیدا لڑکے کی تاریخ ولادت سے اوسکے ہوشیار ہونیکے زمانہ تک آحاز کے مخالفوں کے برباد ہونیکی پیشگوئی کی تصدیق ہوجائے۔

اس پیشگوئی کا اطلاق ولادت یسوع پر کسیطرح نہیں ہوسکتا۔ بالفرض اگر تسلیم کیا جائے کہ "علمہ" کے معنی کنواری کے ہیں پہر بہی کوئی اعجاز نہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جبتک ایک کنواری کسی مرد سے ہمبستر نہ ہو اور حمل کے بعد بچہ جنے اور وہ ذرا ہوشیار ہو۔ تب تک آحاز کے دشمن برباد ہوجائینگے

اسصورت میں بہی اسکا اطلاق ولادت یسوع پر نہیں ہوسکتا اور اشعیاہ نبی کی کتاب

ﻟﻪ کوئی عیسائی یہ اعتراض نہیں کرسکتا کہ لڑکے کا نام عمانوئیل کیوں نہ رکھا۔ اول تو عمانوئیل صفاتی نام ہے دوسرے یہ اعتراض خود انپر ہوتا ہی کہ یسوع کا نام عمانوئیل کیوں نہ رکھا

Marfat.com

سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ جس عورت کے ساتھ وہ ہمبستر ہوئی وہ کنواری تھی یا بیاہتا۔ وہاں صرف یہ لکھا ہے۔ کہ وہ بنیہ کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی۔ اس لئے وہ اوسکی جورو ہوئی ممکن ہے۔ کہ انہوں نے کسی کنواری سے شادی کی اور وہ حاملہ ہوئی۔

بالفرض اگر یہ بھی مان لیا جاوے۔ کہ اشعیاہ نبی نے یہ پیشگوئی کسی کنواری کے حق میں کی کہ حاملہ ہوگی اور بچہ جنیگی اور اوسکا نام عمانوئیل رکھینگے۔ تو یہ کسطرح ظاہر ہوتا ہے کہ وہ روح القدس سے حاملہ ہوگی اور جب ہم سمجھ لینگے کہ ایک باکرہ کا پہلی دفعہ بچہ جننا اور ایک ایسی عورت کا جس کے پہلے کئی بچے موجود ہوں حاملہ ہونا کیا فرق رکھتا ہے تو آسانی سے اس پیشگوئی کے معنی سمجھ لینگے +

اور بالفرض محال یہ بھی مان لیا جاوے کہ ایک کنواری بغیر ہمبستر ہوئے کسی مرد سے حاملہ ہوگی اور بچہ جنیگی تو یہ کہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ یسوع ایسی ہی کنواری سے پیدا ہوئے پیشگوئی تو واقعات کو ثابت نہیں کرتی۔ بلکہ واقعات پیشگوئی کو ثابت کرتے ہیں اور واقعات کا ثبوت معتبر شہادت پر منحصر ہے لیکن حضرات عیسائیوں کا عجیب منطق ہے کہ پیشگوئی سے واقعات اور واقعات سے پیشگوئی ثابت کرتے ہیں۔

اب ہم واقعات پر بحث کرتے ہیں اور اُس معتبر شہادت پر غور کرتے ہیں جو مقدس شاگردان یسوع پیش کرسکتے ہیں۔

مقدس مرقس اور یوحنا نے تو اسی مضمون پر بالکل سکوت اختیار کیا ہے البتہ مقدس متی اور لوقا کچھ لکھتے ہیں۔ مگر اُن کی بھی حیثیت شہادت نہیں یہ حضرات سنی سنائی باتیں لکھتے ہیں اور نہایت سادہ دلی سے صاف صاف الفاظ میں اسکا اعتراف بھی کرتے ہیں ... واقعات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ولادت یسوع کو اعجازی پیرایہ میں شائع کرنے والوں نے اگر اسی خود اختراع نہیں کیا تو ضرور یوسف و مریم یا اُنکے دوست سے سنا ہوگا۔

Marfat.com

یوسف نجار اور مریم کا تو کہیں تذکرہ نہیں کہ حواریوں کو یہ دلچسپ حکایت سنایا کرتے تھے۔ اور نہ یہ اُن روایتوں کے راوی ہیں۔ یسوع کی نسبت کہیں مذکور نہیں کہ اسکے متعلق کبھی ایک لفظ بھی منہ سے نکالا ہو۔ یہ مشہور ہے کہ یسوع نے چپکے حواریوں کے کان میں کچھ کہہ کر

سنا ہے مگر نام نہیں لیتے کہ ہمراز کوئی
چپکے چپکے تمہیں یہ بات سناتے ہیں

اور اسی لیے مقدس شاگردان متی اور لوقا نے اس واقعہ کو لکھکر تشہیر کیا۔ اگرچہ استاد کے منشاء کے برخلاف تھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ مرقس اور یوحنا کیوں خاموش ہیں۔ ان حضرات کا ایسے اہم واقعہ کی نسبت جو عیسائیت کی جان ہے ایک لفظ بھی نہ لکھنا بے وجہ نہیں ہو سکتا۔ اور انکی شان سے یہ بات بہت بعید معلوم ہوتی ہے کہ اپنے باپ کا نام ظاہر کرنے سے شرمائیں۔ اور صرف ایک دو آدمیوں کو وہ بھی چپکے چپکے کان میں خلوت میں اس راز سے آگاہ کریں۔

یوسف نجار کی نسبت بھی صرف اسقدر لکھتی ہیں کہ جب اوسکا شوہر یوسف جو راستباز تھا۔ اور نہ چاہا کہ اوسکی تشہیر کرے ارادہ کیا کہ اُسے چپکے سے چھوڑ دے۔ وہ ان باتوں کی سوچ میں تھا کہ خداوند کے فرشتے نے اُس پر خواب میں ظاہر ہو کر کہا اے یوسف

حاشیہ — یہ نہیں سمجھے کہ روح القدس کو یوسف کی خاطر اسقدر کیوں منظور تھی کہ خدا کا فرشتہ خواب میں آکے تسلی دیتا ہے۔ اور بدظنی رفع کرتا ہے۔ بدظنی تو تمام دنیا کی دور نہ کی جا سکی تھی۔ جبکہ خود یوسف کے تعلق سے کسی طرح یقین نہ کر سکتی تھی کہ کنواری روح القدس سے حاملہ ہوئی۔ یوسف اگر مریم کو چھوڑ دیتا تو بھی یہ صورت قائم رہتی جو اب کہ مریم کو لا عیسیٰ حاملہ ثابت تو یہ کرنا ہے کہ کنواری حاملہ ہوئی۔ یوسف کا اطمینان ثابت نہیں کر سکتا۔ اور اگر یوسف مریم کو چھوڑ دیتا تو کوئی اور مریم کا خواستگار ہوتا اور کیوں نہ ہوتا جب اس امر کا ثبوت مل جاتا کہ روح القدس

Marfat.com

داؤد کے بیٹے اپنی جورو مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے مت ڈر کیونکہ جو اوس کے پیٹ میں ہے وہ روح قدس سے ہے۔ لیکن لوقا مقدس متی کے خلاف فرماتے ہیں کہ جب یوسف سوتے سے اوٹھا جیسا خداوند کے فرشتے نے اوسکو فرمایا تھا کیا اور اپنی جورو کو اپنے یہاں لے آیا پر اوسکو نہ جانا جب تک وہ اپنا پہلوٹھا بیٹا نہ جنی

مقدس مرقس اور یوحنا نے اس واقعہ کو نہیں لکھا اور کسی جگہ اشارتاً ذکر کیا ہے کہ یوسف گھبرایا اور اپنی جورو سے قطع تعلق کرنا چاہا [illegible] کبھی نہیں [illegible] کبھی [illegible] خداوند کو فرشتہ [illegible]

مقدس متی ہی ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جس سے [illegible] مجھیں کہ وہ یوسف [illegible] اور مریم کو یوسف کی [illegible] کہ جب یوسف خواب سے بیدار ہوا تو اپنی جورو مریم کو اپنے گھر لے آیا [illegible] جبکہ اون کی حرمت منگنی ہوئی ہے [illegible]

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یوسف اپنی جورو مریم کو اپنے ہاں لانے سے کیوں ڈرتے۔ [illegible] لئے مریم کو [illegible] اوس کے دل میں یہی خیال پیدا ہونا چاہئے تھا کہ اسے چھوڑ دے۔ لیکن وہ خود کیوں ہوگیا اور اپنی جورو کو اپنے گھر میں لانے سے وہ کیوں [illegible] کا نتیجہ ہے۔

اب رہا خدا کا فرشتہ معلوم نہیں کہ حضرت کس شکل [illegible] حیوانی میں۔ غالباً بصورت انسان ہی لفظ [illegible] بصورت [illegible] ڈر کے [illegible] ہوجاتے [illegible]

[illegible] سے حاملہ [illegible] آپ غفلت کا [illegible]

ظاہر ہوتا تو یہ کچھ بات تھی رات کے وقت اور وہ بھی خواب میں صرف یوسف سا راستباز آدمی ہی اسپر اعتبار کر سکتا ہی اگرچہ موجودہ زمانہ میں کوئی شخص خواہ وہ کیسا ہی راستباز ہو اور بالاصفات ہو ایسے واقعات میں کبھی اعتبار نہ کریگا خواہ خود خدا خواب میں آئے ایک انسانی شکل کا خواب میں آنا معمولی بات ہی اور ہر ایک عقلمند خواب سے بیدار ہو کر یہی کہتا ہی کہ یہ خواب تھا جسکی کچھ حقیقت نہیں۔ اگر یوسف کو یہ یقین ہوتا کہ مریم اوسکی جائز منکوحہ ہے اور جو کچھ اوسکے پیٹ میں ہے وہ اسکا اپنا نطفہ تحقیق ہے اور اوسکی جورو بدکار نہیں۔ تو ایک فرشتہ کیا آسمان و زمین اور جنت و دوزخ کے تمام فرشتے بھی ملکر اوس کے خواب میں آتے۔ تو وہ ہرگز یقین نہ کرتا کہ اوسکی جورو روح القدس سے حاملہ ہو۔ صاحب ہوش و حواس کا تو کیا ذکر ہے ایک احمق بھی (بشرطیکہ وہ راستباز یعنی بے غیرت نہ ہو) کبھی اعتبار نہ کریگا کہ اوسکی جورو یا منگیتر جس سے آجتک وہ ہمبستر نہیں ہوا روح القدس سے حاملہ ہے خواہ تمام جہاں کے فرشتے۔ آدمی جن اور پری اور بھوت وغیرہ خواب میں آکر اس کی شہادت دیں۔ یہ انسانی نیچر ہے اور جو کچھ یہ تقاضا کرتی ہے۔ انسان اوس کی تعمیل میں مجبور و معذور ہی اپنے افعال پر اوسے اختیار ہو۔ تو ہو۔ مگر خیالات خواہ وہ نیک ہوں یا بد کسی طرح دل میں پیدا ہونے سے رک نہیں سکتے۔

لفظ "راستباز" کے معنے جو کچھ کتب لغت سے ظاہر ہوتے ہیں وہ بائیبل کی ڈکشنری سے بہت مختلف ہیں۔ اس جگہ اس لفظ کے معنی "بے غیرت" کے لئے گئے ہیں کسطرح سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ راستباز کا تعلق اپنی جورو کو چپکے چھوڑ دینے سے کیا ہے؟ اگرچہ اس راستبازی کا ثبوت اس نے نہیں دیا اور اپنی جورو کو نہیں چھوڑا اسے کیا کہتے ہیں؟ یہ انوکھی راستبازی ہے کہ یوسف کو چپکے اپنی جورو کو چھوڑ دینے کی سوجھی۔ اگر یہ راستباز آدمی اوسکی تشہیر کے درپے نہ تھا۔ تو کیا چپکے سے چھوڑ دینے سے اوسکی تشہیر نہ ہوتی۔ خوب ہوتی بلکہ اس سے بڑھکر ہوتی۔ جتنی کہ علی الاعلان چھوڑنے سے متصور ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

پیشتر اسکے کہ ہم ولادت یسوع کی حقیقت بیان کریں اور یوسف کی بشارت پر غور کوشش کریں نامناسب معلوم ہوتا ہے کہ دیگر مقدس سوانح نگاروں کی تحریروں کو ایک سرسری نظر سے نہ دیکھ لیں۔ حضرت مرقس اور یوحنا تو ولادت یسوع کی نسبت ایک حرف بھی نہیں لکھتے اُن کے نزدیک تو یہ سب کچھ قابل ذکر بات ہی نہیں کاش انہیں معلوم ہوتا کہ ایک زمانہ میں واقعہ ولادت یسوع عیسائیت کی جان ہوگا۔ اور ان تمام معجزات کو جنکا بار بار تذکرہ کرتے ہوئے وہ نہیں تھکتے اور اپنے دعاوی کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ پس پشت ڈال دیگا۔ مقدس لوقا اس طرح تحریر فرماتے ہیں کہ جب خدا کا فرشتہ مریم کے پاس آیا جسکی منگنی یوسف نامی ایک مرد سے جو داؤد کے گھرانے سے تھا ہوئی تھی اور اُسے بشارت دی کہ دیکھ تو حاملہ ہوگی اور بیٹا جنیگی اور اوسکا نام یسوع رکھیگی وہ بزرگ ہوگا اور خدا کا بیٹا کہلائیگا اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اُسے دیگا۔ اور وہ سدا یعقوب کے گھرانے کی بادشاہت کریگا اور اوسکی بادشاہت آخر نہ ہوگی تب مریم نے کہا یہ کیونکر ہوگا جس حال میں میں مرد کو نہیں جانتی؟ فرشتے نے جواب دیا اس سے کہا کہ روح القدس تجھ پر اتریگی اور خدا تعالیٰ کی قدرت کا سایہ تجھ پر ہوگا[1] (لوقا باب ۱ آیت ۲۶-۳۵)

مقدس لوقا نے نہیں یوسف کی گھبراہٹ اور اس راستباز آدمی کی انوکھی تجویزوں کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ صرف یہی لکھا ہے کہ خدا کا فرشتہ آیا۔ (غالباً خواب میں) اور

[1] جن الفاظ کے نیچے خط کھینچا گیا ہے وہ غور طلب ہیں۔ اگر یسوع یوسف کا بیٹا نہ تھا تو کسطرح صادق نہیں آتا کہ خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اُسے دیگا۔ اور وہ سدا یعقوب کے گھرانے کی بادشاہت کریگا۔ اگرچہ اسے نہ کوئی تخت نصیب ہوا اور نہ بادشاہت ملی۔ بلکہ نہایت ذلت اور بے عزتی سے زندگی بسر کی۔ لیکن اس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ کہ وہ داؤد اور یعقوب کی نسل سے تھا۔ دیکھو شجرہ نسب متی باب ۱ آیت ۱۔

Marfat.com

بشارت دی کہ تو حاملہ ہوگی اور بیٹا جنیگی اور اوسکا نام یسوع رکھیگی اور وہ اپنے باپ داؤد کے
تخت و تاج کا وارث ہوگا۔

اب ہم مقدس متی اور لوقا کی شہادت پر غور کرتے ہیں۔ مقدس لوقا کی روسے یوسف کی
شہادت جسکا تذکرہ مقدس متی نے کیا ہے ثابت نہیں ہوتی اور چونکہ مقدس مرقس اور
یوحنا نے بالکل خاموشی اختیار کی ہے۔ اس لئے صاف ظاہر ہے کہ یوسف کے متعلق جسقدر
مقدس متی تحریر فرماتے ہیں۔ وہ بالکل غلط ہے یا کم از کم یوسف کی پریشانی اور راست بازی کی
کہانی محض خیالی ہے۔ لیکن اگر ہم فرض کر لیتے ہیں جو کچھ مقدس سوانح نگار متی اور لوقا لکھتے ہیں
صحیح ہے اس صورت میں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ولادت یسوع اعجازی تھی۔ ہم اس واقعہ
کو مقدس سوانح نگاروں کے الفاظ میں لکھتے ہیں۔ اور اپنی طرف سے چند فقرات جن سے
کسی عیسائی کو انکار نہیں ہو سکتا زیادہ کرتے ہیں۔ اور وہ بھی اس لئے کہ مطلب صاف ہو جاوے
واقعہ اصل یہ ہے کہ مریم ایک ایسے خاندان سے تھی جسمیں زہد اور تقوی کا دن
رات چرچا تھا۔ اور اوسکی قریبی رشتہ دار سردار کاہن اور امام تھے انکے کانوں میں برکت
یہوواہ اور اوسکی عظمت و شان کے فقرات گونجتے تھے اسکے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ
کی بزرگی اور تقدس کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ خود پرلے درجے کی پرہیزگار، عابدہ، اور زاہدہ
تھی۔ اوسکی منگنی یوسف نجار سے ہو چکی تھی اور یہ بزرگ بھی فی الواقع ایک راستباز اور
خدا ترس آدمی تھا اور خدا کا خوف اوسکے دل پر غالب رہتا تھا۔

ایک رات جبکہ مریم اپنی معمولی عبادت سے فارغ ہو کر اپنے کمرہ میں اپنے متعلقین سے علیحدہ
اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔ اوسے اپنی آئندہ زندگی کا خیال آیا۔ اوسکی منگنی ہو چکی تھی اور وہ
چند دنوں میں اپنے خاوند کے گھر جانیوالی تھی۔ اب اوسے ساتھ ہی ... پرہیزگار عورتوں کے
... خاوند اور گھر ہو کر ... اولاد کا خیال آیا۔ لیکن اوسکے خیال ...

Marfat.com

[illegible]

نووارد نے جواب دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ تجھے ایک صالح لڑکا بخشیگا اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔

اتنا کہہ کر نووارد عالم نورانی میں غائب ہو گیا۔ اور وہ تمام مثالی کیفیتیں سلب ہو گئیں۔ اور آپ پھر عالم اجسام کیطرف رجوع کیا اور اوسکی آنکھ لگ گئی۔

صبح اس خواب کا چرچا اسکے اپنے گھر والوں میں ہوا۔ جب یوسف نے سنا تو بہت گھبرایا۔ لیکن اوسکی گھبراہٹ اسوجہ سے نہ تھی کہ اسے اپنی عورت کی عصمت پر شبہ پیدا ہوا۔ بلکہ اسوجہ سے

حاشیہ (۱) یہ کیفیت ایک خواب تھا اور چونکہ مریم اسوقت کنواری تھی قدرتاً اسے خیال پیدا ہوا۔ کہ موجودہ صورت میں لڑکا کا پیدا ہونا ناممکن ہے اور اسی لئے اسنے کہا کہ ابھی تو میرے خاوند نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔ تو کس طرح بچہ پیدا ہوگا جسطرح قدرت نے قانون باندھ رکھا ہے متی اور لوقا کی تحریر سے ظاہر نہیں ہوتا کہ خدا کا فرشتہ کس شکل و صورت میں دکھائی دیا۔ قرآن شریف نے دو لفظوں میں کو صاف کر دیا ہے کہ فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ روح کو ہم دیکھ نہیں سکتے جبتک کہ وہ کسی صورت میں ظاہر نہ ہو۔ اور اسکی دو ہی صورتیں ہیں یا عالم مثال میں یا عالم اجسام میں۔ عالم اجسام میں مراد یہ ہے کہ وہ مادی لباس پہنے اور اوسپر وہ تغیرات وارد ہوں جو انسان پر پیدائش سے لیکر مرنے تک ہوتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں اسطرح کہو۔ وہ دنیا میں اسی طرح آئیگا جس طرح دوسرے انسان آتے ہیں اور رہتے ہیں۔ دوسری صورت عالم مثال کی ہو اور لفظ تمثّل صاف ظاہر کرتا ہے کہ اسجگہ یہی صورت ہے۔ اور یہ واقعہ عالم مثال میں ہوا۔ اور روح نے ایک مثالی صورت بشر اختیار کی اور یہ حالت بیداری میں ناممکن ہے یعنی جبتک حواس ظاہری معطل نہ ہوں عالم مثال میں دخل نہیں ہو سکتا۔ اسطرح معنی یہ ہوئے کہ جسوقت مریم اپنی لوح قلب پر توجہ کر رہی تھی اوسپر نیند کا غلبہ ہوا اور اسنے عالم مثال میں ایک بشر کو دیکھا جو الٰہی اسرار ظاہر ہونیکا متمثل تھا۔

Marfat.com

کہ وہ راستباز آدمی تھا۔ اور نہایت ہی سیدھا سادہ دیندار تھا اُسے خیال پیدا ہوا کہ اونکی منسوبہ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں برگزیدہ اور پاک ہے اور اس کو کمال بزرگی ہے کہ الٰہی مورت سے معاملہ زن و شوئی پر رکھے اگرچہ یہ اوسکی غلط فہمی تھی مگر وہ ڈرتا تھا۔ کہ ایسا نہ ہو کہ اوسپر غضب الٰہی نازل ہو۔ اور اس خیال سے یہانتک اوسکے دل و دماغ پر قبضہ و غلبہ کیا ہوا تھا۔ کہ وہ اپنی منسوبہ سے قطع تعلق کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ لیکن خواب میں بقول مقدس متی خدا کے فرشتہ نے اُسے کہا۔ "اے یوسف داؤد کے بیٹے اپنی جورو مریم کو اپنے یہاں لے آنے سے مت ڈر" (متی باب ۱ آیت ۲۰)

"تب یوسف نے نیند سے اٹھکر جیسا کہ خداوند کے فرشتہ نے اُسے فرمایا تھا کیا اور اپنی جورو کو اپنے یہاں لے آیا (متی باب ۱ آیت ۲۴)

اب سوال یہ ہے کہ مقدس متی نے یہ کس لئے لکھدیا کہ مریم پیشتر اسکے کہ وہ یوسف کے بستر ہو۔ روح القدس سے حاملہ پائی گئی۔ اسکا جواب نہایت آسان اور چند لفظوں میں یہ ہے کہ

[illegible] ہیں کہ یہ کہ حالت خواب کی یا روئیا اور اسکو دیکھنے والا صرف مریم کی ذات تھی کسی اور شخص نے ایکبار بھی [illegible] تھا۔ اور اس لئے کہ [illegible] اور دیکھ [illegible] تھا۔ اور یہ منشیات خواب اور روئیا کی ہیکہ وہ [illegible] کی روح یا جسم میں ظاہر ہوا [illegible] تھا اسی روح سے ہی دیکھتے اگر وہ نہیں [illegible] کا موقع ملتا لیکن [illegible] [illegible] ہو کہ یہ صرف مریم کو اسطرح تھا اور وہی دیکھ سکتی تھی [illegible] اور [illegible] ظاہر ہوتا ہے کہ وہ [illegible] نہایت ہی خوش شکل اور نورانی چہرہ والا تھا جسے دیکھکر [illegible] اللہ تعالیٰ کی [illegible] سے نکلتی ہے [illegible] اور [illegible] حالت شباب کی ہی۔

سلہ راستباز آدمی اور لڑکے کے معنی ہیں جو پہلے [illegible] تشریح ہم کر چکے ہیں۔

یہ فقرہ "پیشتر اسکے کہ وہ یوسف سے ہمبستر ہو" کسی نیک دل عیسائی کی اختراع ہو جو یسوع اور دیگر حواریوں کی وفات کے بعد روح القدس کے معنی نہ سمجھ سکا اور یہ فقرہ بخیال خود عبارت کا مطلب صاف کرنے کے لئے چسپاں کر دیا۔ اور صرف اس ایک فقرہ نے تمام عبارت میں بالکل نئے معنی پیدا کر دئے اور اگر یہ فقرہ نکال دیا جاوے تو اسکے معنی جو حقیقی معنی ہیں بالکل صاف ہو جاتے ہیں۔ [illegible] مطبوعہ ۱۸۶۶ع جلد ۱ صفحہ ۳۴۲ میں بھی یہ فقرہ نہیں اور یہ نہایت قوی دلیل اسبات کی ہے کہ یہ فقرہ زمانہ بعد میں درج کیا گیا۔ کیونکہ اسکے بغیر بھی کسی قسم کا نقص عبارت میں پیدا نہیں ہوتا لیکن ہم یہ بات تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہ فقرہ بھی حضرت متی کے قلم کا لکھا ہوا ہے تو جس طرح کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے وہی مطلب ہوگا۔ اور مقدس متی کی عبارت اس طرح ہوگی:

"یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اوسکی ماں مریم کی منگنی یوسف کیساتھ ہوئی تو پیشتر اسکے کہ وہ اس سے ہمبستر ہو اس نے روح القدس سے بشارت پائی۔"

اور مقدس لوقا کا بیان تو بالکل صاف ہے۔ مقدس متی تو صرف اسقدر لکھتے ہیں کہ وہ روح القدس سے بشارت پاکر حاملہ ہوئی۔ لیکن مقدس لوقا مفصل لکھتے ہیں کہ کسطرح فرشتہ آیا اور مریم اور اسکے درمیان کیا گفتگو ہوئی اور جو کچھ مقدس لوقا لکھتے ہیں وہ متی کی تفسیر ہے اور اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مریم روح القدس کی بشارت پاکر حاملہ ہوئی۔

الغرض یوسف کی شہادت سے ثابت نہیں ہوتا کہ کنواری حاملہ ہوئی۔ اور نہ یوسف کی شہادت کے بعد کسی اور مقدس شاگرد یسوع نے کی ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ مریم کی نسبت حضرت متی [illegible] لکھتے ہیں [illegible] تمام انجیل کو پڑھا ایک ایک لفظ کو دیکھا لیکن کہیں [illegible] الفاظ سے نہیں [illegible] کہ مریم [illegible] اگر مریم کچھ کہتی تو کیا کہتی [illegible] [illegible] فقرہ [illegible] کیا گیا ہے جس شخص [illegible] [illegible] فرشتہ [illegible]

نمودار ہونا پسند کرتے ہیں۔ اگر فرشتے انسانی شکل میں ظاہر نہیں ہوا۔ تو واقعی مریم کے بجائے

اور گرد والی عورتیں بھی کہ دیکھتے ہی بے ہوش ہو گئیں یا کم از کم چیخ مار اٹھیں اور اگر وہ انسانی صورت

میں نمودار ہوا تو کیا مریم نے فوراً پہچان لیا کہ وہ کون ہے؟ اور بجائے اس کے کہ خوف زدہ ہو کر چیخ

پکار مچا کے شور و غوغا نہ کیا اور کسی کو امداد کیلئے طلب نہ کیا۔

مگر مقدس نوشتوں سے یہ ہی پایا جاتا ہے کہ وہ خاموش رہی صرف ایک دو لمحے کیلئے

سوچتی رہی یہ کیسی تحیت؟

نتیجہ یہی ہے کہ مریم نے ایک عجیب الخلقت حیوان یا انسان کو دیکھا اور کچھ عرصہ کے بعد حمل کے

آثار نمودار ہو گئے۔

اب مریم تو یہی کہتی ہے کہ میں نے ایک فرشتہ کو دیکھا کیونکہ وہ کہتا تھا کہ میں فرشتہ ہوں۔ لیکن

نو ماہ بعد بچہ کا تولد ہونا صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ حضرت انسان ہی کی کرتوت تھی۔

اب ذرا غور کرو کہ ایک عورت جو لوگوں میں کنواری مشہور ہو اور منگنی شدہ بھی ہو کہ وہ کسی

سے صحبت نہیں ہوئی کچھ عرصہ بعد حاملہ ہو گئی۔ اب لوگ اس کی نسبت کیا خیال کریں گے اور اگر وہ خود

بیان کرے کہ میرے پاس خدا کا فرشتہ آیا اور وہ روح القدس ہی تھا جو [illegible]

کے اور وہ بھی ایام جہالت (Dark ages) میں کون اعتبار کرے گا۔ ایسی حالت

[illegible] جو والی [illegible] درجہ کی [illegible] اہل [illegible]

عقل کا انسان بھی خیال کر سکتا ہے [illegible]

عورت کو [illegible]

[illegible]

[illegible] سال [illegible]

[illegible]

غرض نہ تو مریم اور نہ یوسف اور نہ یسوع کی شہادت سے یہ ثابت ہوتا ہی کہ جو کچھ نبیوں نے کہا تھا وہ پورا ہوا۔ اور اوسکی تائید دیگر مقدس نوشتوں سے ہوئی ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ عام لوگوں کا اسوقت کیا خیال تھا۔ کسی مقدس سوانح نگار نے نہیں لکھا اور نہ کسی متبرک نوشتے سے ظاہر ہوتا ہو کہ لوگوں کا خیال تھا۔ کہ یسوع ابن اللہ ہی اور یوسف نجار اور مریم کا بیٹا نہیں نہ صرف یہی بلکہ صاف صاف الفاظ میں لکھا ہو اور متعدد مقامات پر لکھا ہو کہ وہ یوسف نجار کا بیٹا تھا۔ اور ایک آدمی دوسرے آدمیوں کی طرح تھا۔ اگر ایک کنواری بیٹا جنتی تو دنیا میں حیرت اور تعجب کی نگاہ سے دیکھا جاتا اور ہمعصر مورخ ضرور اسکا تذکرہ کرتے لیکن کسی مورخ نے ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ اگر یہ صحیح تھا۔ کہ بنی اسرائیل ایک ایسی شخص کے منتظر تھے جو کنواری کے پیٹ سے بوساطت روح القدس پیدا ہوگا۔ تو کیوں بنی اسرائیل کو نہیں بتایا گیا اور وہ کیوں اس سے بیخبر رہے۔ کیا یہ ایسا واقعہ ہوسکتا ہی کہ دیگر ممالک کے لوگ تو کیا خود یسوع کے اپنی پڑوسی اور ہموطن اس سے لاعلمی ظاہر کریں۔ ہم اُس زمانہ کے مورخین کا ذکر نہیں کرتے۔ بلکہ ہم مقدس سوانح نگاروں کے متبرک نوشتوں کو دیکھتے ہیں۔ مورخین کا انکار کردینا سہل ہی۔ لیکن متبرک نوشتوں کو عیسائی مانتے ہیں اور یہ اونکے لئے حجت ہونگے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسوقت لوگوں کا خیال یسوع ناصری کی نسبت کیا تھا۔

خود متی (باب ۱۳۔ آیت ۵۲ لغایت ۵۸) تحریر فرماتے ہیں:۔

اور ایسا ہوا۔ کہ جب یسوع یہ تمثیلیں کہہ چکا تو وہاں سے روانہ ہوا۔ اور اپنے وطن میں آکر اس نے اُن کی عبادت خانہ میں انہیں ایسی تعلیم دی کہ وے حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ اسے حکمت اور معجزات یہ کہاں سے پائے۔ کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں؟ اور اسکی ماں مریم نہیں کہلاتی؟ اور اوسکے بھائی یعقوب اور یوسیس اور شمعون اور یہوداہ؟ اور اس کی سب بہنیں ہماری ساتھ نہیں ہیں؟ پس اس نے یہ سب کچھہ کہاں سے پایا؟ انہوں

Marfat.com

لئے اُس سے ٹھوکر کھائی۔ پر یسوع نے انہیں کہا کہ نبی اپنے وطن اور گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں ہے۔ اور اُس نے اُن کی بے اعتقادی کے سبب وہاں بہت معجزے نہیں دکھائے۔

بجائے اسکے کہ ہم مذکورہ بالا آیات مقدس پر کچھ حاشیہ چڑھائیں ہم مناسب خیال کرتے ہیں۔ کہ ایسے صحت ہی چھوڑ دیں کیونکہ اس سے زیادہ صاف لفظوں میں اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ یسوع کے ہموطن اسے ایک نجار اور مریم کا بیٹا جانتے تھے اور نہ صرف یہی بلکہ اسکے بھائیوں اور بہنوں سے بھی واقف تھے اور صاف ظاہر ہے کہ یہ الفاظ ایسے شخصوں کے منہ سے نکلے ہیں جو یسوع کے خاندان سے بخوبی واقف تھے ہر ایک کا نام جانتے تھے اور ان سے میل جول تھا۔ "اور اسکی سب بہنیں ہمارے ساتھ نہیں" ایسے لفظ ہیں جسکے معنی ہر ایک عیسائی دیندار اچھی طرح سمجھ سکتا ہے نہ صرف یہی بلکہ خود یسوع اپنی بے عزتی اور رسوائی کا رونا روتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ کہ

"نبی اپنے وطن اور گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں۔"

ان لفظوں پر جنکے نیچے ہم نے خط کھینچ دیا ہیں غور کرو۔ کیا ان کا اطلاق ابن اللہ اور اُس کنواری کے بیٹے پر ہو سکتا ہے۔ جو روح القدس سے حاملہ ہو۔ اور کیا اسے "عمانوئیل" کہہ سکتے ہیں؟ اور اگر کہہ سکتے ہیں تو کن معنوں میں؟

ایسی کھلی کھلی آیات کے ہوتے یسوع کو پھر بھی ابن اللہ اور کنواری کا بیٹا سمجھنا سخت نادانی ہے۔ یسوع نے بالکل سچ کہا کہ نبی کی اپنے وطن اور گھر میں مطلق عزت نہیں۔ [illegible] حیران ہونگے۔ کہ ان کے خدا نے یہ کیا بے معنی بات کہی۔ [illegible] ہے یہ ہے کہ اوسکے اپنے گھر والا اور ہموطن لوگ اسے ایک نجار اور مریم کا بیٹا جانتے تھے اور سوائے چند ماہی گیروں کے کوئی بھی اوسکی نبوت پر ایمان نہ لایا۔ اس سے زیادہ اور کیا بے عزتی ہوگی کہ ایسے

Marfat.com

اولالعزم پیغمبر اور یہ تعداد ایمانداروں اور اُن کی یہ اوقات۔ لیکن اگر فروغ اور عزت حاصل ہوئی تو دیگر اقوام غیر ممالک اور بہت زمانہ بعید میں جبکہ کسی شخص کو اصلی حالات سے آگاہی نہ تھی۔ اور اس لئے لیسے بے خبر اور جاہل مطلق خدا کا بیٹا یا خدا سمجھنے لگ گئے تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔ خود مسیح کی شہادت اپنی نسبت یہی ہے۔ کہ وہ ایک نبی ہے۔ خدا کی طرف سے پیغام لیکر آیا ہے اور جس طرح اس سے پہلے انبیاء اور پیغمبر اپنے گھر اور وطن میں بے عزت ہوئے۔ اس طرح اوسکا حال ہوا۔ صاف صاف الفاظ میں یسوع اپنے آپکو دیگر انبیاء کی مثل ظاہر کرتا ہے اور ان میں اور اپنے آپ میں کچھ فرق نہیں کرتا۔ اگر وہ اپنے آپ کو فی الحقیقت ابن اللہ سمجھتا تھا اور نبی سے بڑھکر خیال کرتا تھا۔ تو کس لئے یہ ضرب المثل اپنے حق میں کہی اگر وہ انبیاء کی جماعت میں سے نہ تھا۔ تو اسکا اطلاق کسیطرح اوسپر صحیح نہیں ہوسکتا۔ مگر یہ یسوع کا اپنے الفاظ میں اسکا اپنا اقبال ہے اور ہم اسکو بصدق دل سے تسلیم کرتے ہیں

اسی واقعہ کو مقدس مرقس (باب ۶ - آیت اول تا آیت ۶) اس طرح تحریر فرماتے ہیں:۔

پھر وہاں سے روانہ ہوا۔ اور اپنے وطن میں آیا اور اوسکے شاگرد اس کے پیچھے ہو لئے جب سبت کا دن ہوا۔ وہ عبادت خانہ میں وعظ کرنے لگا۔ اور بہتوں نے سن کے حیران ہوکر کہا کہ یہ باتیں

ف افسوس ہے کہ اس حیرت انگیز وعظ یا لیکچر کو کسی حواری نے نقل نہیں کیا ورنہ ہم بھی اس حیرت کا اندازہ کرتے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جن معجزوں پر آج عیسائی دنیا کو ناز ہے اسوقت لوگ اسے سنکت ہی سمجھتے تھے اور فی الحقیقت یہی بات ہے کیونکہ مقدس سوانح نگاروں نے اگرچہ یسوع کا وعظ نقل نہیں کیا مگر ان معجزوں کا ذکر ضرور کیا ہے کہ چند بیماروں کو اچھا کیا اس سے پہلے وہ بیان فرماتے ہیں کہ عبادت خانہ کے سردار کی بیٹی مرگئی اور وہ اسوقت یسوع کے پاس تھا اور اپنی بیٹی کی بیماری کا حال بیان کررہا تھا کہ لوگ آئے اور اسی اس حادثہ جانکاہ کی خبر دی۔ حکیم حاذق یسوع تشخیص کرچکا تھا کہ سردار کی لڑکی کس عارضہ میں مبتلا ہے اسے فوراً معلوم ہوگیا

Marfat.com

اُس نے کہاں سے پائیں؟ اور یہ کیا حکمت ہے۔ جو اُسے ملی ہو کہ ایسی کرامات اُس سے ظاہر ہوئی ہیں؟ کیا یہ مریم کا بیٹا بڑھئی نہیں؟ اور یعقوب اور یوسیس اور یہوداہ و شمعون کا بھائی نہیں؟ اور کیا اوسکی بہنیں ہمارے پاس یہاں نہیں ہیں؟ اور انہوں نے اُس سے ٹھوکر کھائی۔ تب یسوع نے انہیں کہا۔ نبی بے عزت نہیں ہے۔ مگر اپنے وطن میں اور اپنے کنبے اور اپنے گھر میں (اس لئے کہ دایہ کے آگے پیٹ چھپ نہیں سکتا۔ اور کنبے اور گھر والوں کو حضر کا سب حال پیدائش سے معلوم تھا) اور وہ کوئی معجزہ وہاں نہ دکھلا سکا سوا اُسکے کہ تھوڑے سے بیماروں پر ہاتھ رکھ کر اُنہیں چنگا کیا اور اُس نے اُن کی بے ایمانی سے تعجب کیا اور اُس پاس کے گاؤں میں وعظ کرتا پھرا۔"

مقدس یوحنا (باب ۷۔ آیت ۴۱ لغایت ۴۳) تحریر فرماتے ہیں کہ:

(کیونکہ سردار علامات اور آثار اور سبب مرض بیان کر چکا تھا کہ لڑکی کو سکتہ کا عالم ہے اور جاہل لوگ اُن سے مردہ سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہاں سے اُٹھ کر سردار کے گھر آیا۔ گھر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ یسوع نے کہا کہ کیوں بیفائدہ شور و غل کرتے ہو۔ لڑکی تو سوتی ہے لڑکی مر نہیں گئی بعض جاہل ہنسے۔ مگر یسوع نے جو کچھ کہا تھا ثابت کر دیا اور لڑکی تندرست ہو گئی) مرقس باب ۵ آیت ۳۵ لغایت ۴۳)

یہ ہے وہ عظیم الشان معجزہ جسے عیسائی دنیا فخریہ بیان کرتی ہے کہ "خداوند یسوع نے مردے زندہ کیے" حالانکہ خود حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ

"لڑکی مر نہیں گئی بلکہ سوتی ہے"

پیراں نمے پرند مریداں می پرانند

"تب یہودی اُس پر کڑکڑائے اس لئے کہ اُس نے کہا وہ روٹی جو آسمان سے اُتری میں ہوں اور انہوں نے کہا کیا یہ یسوع یوسف کا بیٹا نہیں جسکے باپ ماں کو ہم جانتے ہیں؟"

پھر وہ کیونکر کہتا ہو کہ میں آسمان سے اترا ہوں یعنی خدا کا فرستادہ یا پیغمبر یا رسول اللہ ہوں۔
انہی آیات کے آگے یسوع یہودیوں کی غلط فہمی یہ کہکر دُور کرتی ہیں۔ کہ آسمان سے اُترنے سے مراد وہی کچھ ہے جو تم گذشتہ انبیار کی نسبت سمجھتے ہو۔ جن پر آسمان سے صحیفے نازل ہوئے۔ اب نہ کسی نے ان صحیفوں اور نہ اُن رسولوں کو آسمان سے نازل ہوتے دیکھا۔ لیکن تم شک نہیں کرتے کہ وہ منجانب اللہ تمہاری ہدایت کیواسطے آئے (یوحنا باب ۶ آئت ۴۳ لغائت ۴۷)

انہی آیات کے آگے یسوع نے کچھ ایسی بے تکی ہانکی ہو کہ نہ صرف یہودی علماء اُس سے متنفر ہو گئے بلکہ اوسکے اپنے شاگرد بھی برگشتہ ہو گئے یسوع وعظ فرماتے ہوئے شیخی بگھارتے ہیں کہ "تمہارے باپ دادوں نے بیابان میں من کھایا اور مر گئے۔ روٹی جو آسمان سے اترتی ہو وہ ہے کہ کوئی آدمی اسے کھا کے نہ مرے۔ میں ہوں وہ جیتی روٹی جو آسمان سے اُتری۔"
(یوحنا باب ۶ آیت ۴۸ لغائت ۵۱)

بھلا بنی اسرائیل سی غیور قوم کو اتنی تاب کہاں تھی کہ اپنے باپ دادا کی نسبت ایسے کلمات سنیں اور چپکے رہیں لعنت اور نفریں کرتے ہوئے چلے گئے مگر (یوحنا اسی باب کی آیات ۶۰ الخ تک بیان کرتی ہیں کہ) تب اوسکے شاگردوں میں سے بہتوں نے سن کے کہا یہ سخت کلام ہے اوسے کون سن سکتا ہو؟

یسوع نے فوراً بات بدل دی اور کہا کہ یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ تم یہ سمجھ بیٹھے ہو۔ کہ تمہارے باپ دادا مر گئے اور میں نہیں مرونگا۔ نہیں بلکہ میری مراد روحانی زندگی سے ہے جسم تو ضرور مریگا۔ لیکن وہ جو مجھ پر ایمان لائیگا۔ روحانی زندگی پائیگا۔
اگرچہ یسوع نے بہت کچھ کہا سنا دم دلاسا دیا۔ مگر وہ کب مانتے تھے چنانچہ یوحنا لکھتی ہیں کہ

Marfat.com

اُس وقت سے اسکے شاگردوں میں سے بہتیرے اُلٹے پھر گئے اور بعد اسکے اسکے ساتھ نہ
چلے (یوحنا باب ۶ - آیت ۶۶ لغایت ۶۷)

لہٰ چاروں مقدس سوانح نگار لکھتے ہیں کہ جب یسوع کی وعظ کا لوگوں میں چرچا ہوا - تو وہ شخص جو یسوع کے حسب نسب سے بخوبی آگاہ تھے اور یسوع اور اونکے دیگر رشتہ داروں کو جانتے تھے - کہنے لگے کہ کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں - اسکی ماں مریم نہیں اور اس کے بھائیوں اور بہنوں کے ہم آشنا نہیں ؟ تو پھر یہ حکمت کہاں سے سیکھ کر آیا ہے جو ایسے ایسے بیماروں کو اچھا کرتا ہے"

تہ ہیرودیس بادشاہ نے جب سنا تو کہا یہ نہ ہو یوحنا بپتسمہ دینے والا مردوں میں سے جی اٹھا - تف ہے اس بزدلی پر - الہام جہلا نے کہا کہ الیاس ہے"

اور جو لوگ آپ پر ایمان لائے انہوں نے کہا کہ -

"یہ ایک نبی ہے یا نبیوں میں سے کسی کی مانند ہے"

مذکورہ بالا آیات سے واضح ہو جائیگا کہ یسوع کی نسبت لوگوں کا کیا خیال تھا - اس کے اپنے گھر اور خاندان کے آدمیوں نے اسے کیا سمجھ رکھا تھا اور اسکے ہموطن اُسے کیا کہتے تھے اور اسکے شہر والے تو حضرت کو جانتے ہی نہ تھے کہ کس باغ کی مولی ہیں - اگر کوئی عالم ہوتے اور علما ان کے پیٹ سے برآمد ہوتے تو شہر میں ایک غلغلہ ہوتا اور ہر ایک گھر میں چرچا ہوتا اور لوگ انگلیاں اٹھاتے کہ

لہٰ متی باب ۱۳ - مرقس باب ۶ - آیت ۳ لغایت ۱۶ - یوحنا باب ۶ -

تہ ہیرودیس بادشاہ نے یوحنا بپتسمہ دینے والے (حضرت یحییٰ ابن ذکریا) کو قتل کروا دیا تھا ناحق اسے ہر وقت ستاتا تھا اور اس لئے اُسنے یسوع کی نسبت خیال کیا کہ [illegible] جی اٹھا ورنہ وہ ایسے کام کرتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو یحییٰ کی بابت یہ [illegible] یقین تھا کہ [illegible] خوف میں مبتلا رہتا تھا جو اسکو بالکل [illegible]

وُہ کنواری کا بیٹا آتا ہے"۔ مگر یہاں تو معاملہ برعکس ہے۔ یسوع اپنے آپکو ایک نبی اور بے عزت نبی کہتے ہیں۔ جنہیں لوگ لعنت ملامت کرتے۔ منہ پر تھوکتے تھپڑوں سے منہ لال کرتے اور لکڑیوں سے خوب درگت بنالیتے اور آپس میں کہتے کہ دیکھو ایک بڑھئی کا بے حیثیت بیٹا آج سردار کاہنوں اور اماموں کے سامنے بڑھ بڑھ کر باتیں بناتا ہے۔ اسکی بھی وہی مثل ہے۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ جو کچھ ہم بیان کر آئے ہیں۔ اگر انصاف پسند طبیعت غور سے مطالعہ کرے۔ تو کچھ شک نہیں کہ اُسی نتیجہ پر پہنچیگا۔ جسپر ہم پہنچے ہیں اُسے یقین ہو جائیگا۔ کہ یسوع ناصری یوسف اور مریم کا بیٹا تھا۔ اور اسکی اعجازی پیدائش محض جھوٹی کہانی اور زمانہ مابعد کی اختراع اور ابلہ فریب باتیں ہیں مقدس نوشتوں سے کسی جگہ ظاہر نہیں ہوتا کہ کبھی یوسف یا مریم نے کسی سے اس اعجازی ولادت کا ذکر کیا ہو۔ یسوع ناصری ہمیشہ اپنے کو ایک بے عزت نبی کہتا رہا مقدس متی اور لوقا اور مرقس اور یوحنا نے جو کچھ اس امر کی تائید میں لکھا ہے ہم لفظاً بہ لفظ لکھ آئے ہیں اور اب اسکا فیصلہ منصف مزاج نیک دل عیسائیوں پر چھوڑتے ہیں۔ دیکھئے وہ کیا کہتے ہیں ممکن ہے کہ ہٹ دہرم عیسائی یہ کہیں کہ اگرچہ یسوع نے صاف صاف الفاظ میں اپنے آپ کو نبی کہا۔ مگر آدمی کا لفظ نہیں کہا اول تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک یسوع کو ہم بشر نہ کہیں۔ جسقدر شہادتیں ہم پیش کر چکے ہیں۔ اون کی رو سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یسوع ایک نبی تھا۔ یا نبیوں کی مانند ایک"تھا"خدا"۔ یا"خدا کا بیٹا"۔ اور "اعجازی مولود"ہے ان معتبر شہادتوں سے نتیجہ پیدا کرنا کہ وہ خدا تھا یا خدا کا یا کنواری کا بیٹا تھا جو روح القدس سے حاملہ ہوئی تھی۔ صریحاً انصاف کا خون ہے۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ "تا بہ خانہ باید رسانید" کے مقولہ پر کاربند ہوں اور وہ آیات بھی مقدس نوشتوں سے نکال کر پیش کریں۔ جسمیں یسوع اپنی نسبت "آدمی" کا لفظ

حاشیہ: نے اس نکاح کو ناجائز قرار دیا۔ اس لئے اُس زانیہ کے کہنے پر حضرت یحییٰ کو قتل کروایا۔ مگر پشیمان بہت ہوا۔

استعمال کرتا ہے۔

مقدس متی (باب ۱۶ - آیت لغایت ۱۵) فرماتے ہیں ۔ کہ

"اور یسوع نے قیصریہ فلپی کی اطراف میں آکر اپنے شاگردوں سے پوچھا کہ لوگ کیا کہتے ہیں کہ میں جو آدمی کا بیٹا ہوں کون ہوں تو انہوں نے کہا کہ بعضے کہتے ہیں کہ تو یوحنا بپتسمہ دینے والا ہے ۔ بعضے الیاس اور بعضے یرمیاہ یا نبیوں میں سے کوئی"

اس سے زیادہ اور صاف لفظ کیا ہو سکتے ہیں کہ یسوع اپنی نسبت "آدمی کا بیٹا" کہتا ہے۔ یہ ممکن ہے ۔ کہ وہ عیسائی جو کنواری کا حاملہ ہونا ناممکنات سے خیال نہیں کرتے ہیں "آدمی کے بیٹے" کے معنی بیل یا لونڈیا اور کوئی عجیب الخلقت حیوان ظاہر کریں مگر معمولی عقل کا انسان اور ایک بچہ بھی کہہ دیگا ۔ کہ آدمی کا بیٹا آدمی ہی ہوتا ہے ۔ یسوع نے اپنی نسبت "آدمی کا بیٹا" کہکر درحقیقت اُن تمام شبہات اور شکوک کو رفع کر دیا ۔ جس میں عیسائی آج کل پھنسے ہوئے ہیں یہ بالکل حضرات عیسائیوں کی طبیعت کا مقتضی تھا ۔ کہ لفظ "آدم" (اگر یسوع اس لفظ سے اپنی ذات کو تعبیر کرتا) کے معنی یہ کرتے ۔ کہ "روح القدس نے جامۂ انسانی پہنا" ۔ یا "روح القدس آدمی کی شکل و صورت میں نمودار ہوئی" [1] مگر یسوع نے اس تاویل کی بھی گنجائش نہ رکھی اور صاف کہدیا کہ میں "آدمی کا بیٹا ہوں" یعنی روح القدس سے میری ماں حاملہ نہیں ہوئی ۔ بلکہ ایک آدمی کے نطفے سے اونکا حمل ہوا ۔ اور جو کچھ اوسکا نتیجہ ہوا ۔ وہ یسوع ناصری تھا ۔

"آدمی کا بیٹا" ایک ایسا جامع لفظ ہے جس میں مسیحی اور قدرتی تثلیث کے معنی ...

---

[1] اگرچہ یہ تاویل بھی ہمارے معقول کے خلاف نہیں ۔ کیونکہ ہر آدمی روح سے ...
ہوتا ہے اور ہر ایک آدمی اپنے اندر روح رکھتا ہے لیکن چونکہ عیسائی ... اور ...
واقع ہوئے ہیں اس لئے اور زیادہ کھول کر ... کی ضرورت پیش آئی ۔

یعنی باپ۔ ماں اور بیٹا یسوع نے اسواسطے یہ جامع الفاظ استعمال کئی کہ اوسکو والدین کی نسبت کسی کو شک و شبہ نہ رہی مگر ہم ان یاوہ گو عیسائیوں کو کیا کہیں جو اسکو باپ کا سرے سے انکار کرتی ہیں۔ وہ یاد رکھیں کہ کسی شخص کو یہ کہنا کہ تیرا باپ نہیں ہے۔ نہائت مغلظ گالی ہے جسے کوئی باعزت شخص ٹھنڈے دل سے نہیں سُن سکتا۔

مقدس نوشتوں میں بیسیوں مقامات پر یسوع مسیح اپنے آپ کو آدمی کا بیٹا کہتا ہو مقدس مرقس (باب ۸۔ آئت ۳۱) تحریر فرماتی ہیں کہ:۔

"پھر وہ انہیں سکھلانے لگا کہ ضرور ہی کہ آدمی کا بیٹا (یسوع) بہت سا دکھ اٹھاوے اور وہ بزرگوں اور سردار کاہنوں سے رد کیا جائے"

مقدس لوقا (باب۔ آئت ۳۳ لغائت ۳۵) لکھتے ہیں کہ (یسوع نے کہا کہ)

"کیونکہ یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا جو نہ روٹی کھاتا اور نہ پانی پیتا تھا۔ اور تم کہتے ہو اسپر ایک شیطان ہی ابن آدم آیا جو کھاتا پیتا ہی اور تم کہتے ہو کہ دیکھو ایک بڑا کھاؤ اور مے خوار آدمی اور محصول لینے والوں اور گنہگاروں کا دوست"

یسوع نے نہ صرف اپنے آپکو آدمی کا بیٹا اور آدمی ظاہر کیا بلکہ یہ بھی کہا کہ تمہاری طرح کھاتا پیتا ہوں اور مے نوشی[1] کرتا ہوں۔ ایک معمولی آدمی ہوں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ کیا یسوع نے کبھی اپنی الوہیت سے انکار کیا اگرچہ مذکورہ بالا شہادتوں کے بعد اس امر کی کچھ ضرورت نہیں۔ لیکن قیاس ہو سکتا ہے کہ جس طرح فی زمانہ پیر پرست اپنے استاد کو خدا بلکہ خدا سے بھی بڑھکر رتبہ دیدیتی ہیں ممکن ہے۔ کہ کسی خوش اعتقاد شاگرد نے مجذوب کی طرح بڑ ہانک دی ہو۔ کہ آپ تو خدا ہیں۔ بلکہ

[1] اس میں کچھ شک نہیں کہ یسوع خورندہ بھی بڑا تھا۔ جو کچھ سامنے آتا چٹ کر جاتا۔ باوجود اسکے کہ سردار کاہنوں اور فریسیوں وغیرہ کا سخت دشمن تھا۔ اور ہمیشہ اونکی نسبت نہائت ناملائم

خدا کے بھی باپ ہیں اور نادان عیسائیوں کے ہاتھ ایک سند آگئی ہے۔ اگرچہ کسی شاگرد کو اسطرح یاوہ گوئی کرنا فی الحقیقت صریح جہل مارنا ہے اور نہ تو اوسکی یاوہ خوانی پر کوئی توجہ ہوگی۔ اور نہ وہ معتبر شہادت ہوسکتی ہے۔ مگر ہم نہیں چاہتے کہ عیسائیوں کو ایسی کمزور دلائل سے کچھ [illegible]

چاروں مقدس سوانح نگار لکھتے ہیں کہ جب مسیح نے اپنے شاگردوں سے پوچھا کہ یہ تو بتاؤ کہ میں جو ایک آدمی کا بیٹا ہوں۔ چنانچہ مسیح کے گھر کے لوگ اور محلے کے جانتے ہیں اور میرے [illegible] اور ماں اور دیگر [illegible] مریم اور میرا باپ یوسف اور دیگر بھائی بہنوں کے آشنا ہیں تو عوام کالانعام میری نسبت کیا خیال رکھتے ہیں۔ شاگردوں نے کہا کہ مختلف روایتیں اور افواہیں ہیں۔ کوئی تو کہتا ہے کہ یوحنا بپتسمہ دینے والا ہے کوئی کہتا ہے ایلیاس ہے۔ کوئی کہتا ہے کوئی نبی ہے۔ غرض کوئی کچھ اور کوئی کچھ۔ پھر مسیح نے اپنی بابت دوسرے عنوان سے یہ کہا کہ خیر وہ تو جاہل ہیں اور جانتے نہیں کہ میں کون ہوں۔ تم ہی بتاؤ کہ میں کون ہوں؟ (متی باب ۱۶ آیت ۱۵ اور مرقس باب ۸ آیت ۲۹)

[illegible]

یسوع کا اپنے شاگردوں سے اس طرح سوال کرنا اور پہر یہ جتاکر کہ میں آدمی کا بیٹا ہوں" ضرور دہوکے میں ڈالتا ہو۔ مگر مقدس شاگرد اس قسم کی پہیلیوں کے سلجھانے اور ایسے ایسے معمے حل کرنے کے عادی تہے وہ فوراً سمجہ گئے۔ کہ یسوع کا مطلب کیا ہو وہ اپنے حسب نسب اور اپنے والدین اور دیگر رشتہ داروں کی نسبت نہیں پوچھتا بلکہ اپنی نسبت سوال کرتا ہے کہ "میں کون ہوں؟" انہوں نے یہ اچہی طرح سمجہ لیا تہا اور حالات بہی ایسا تقاضا کر رہے تہے کہ وہ یہ سمجہیں کہ وہ اپنے مرتبہ کی نسبت سوال کر رہا ہے چنانچہ شمعون پطرس نے جواب دیا کہ "تو مسیح ہے" (مرقس باب آیت ۳۰)

بڑی دلچسپ اور خوش کن نظارہ ہوتا ہوگا۔ ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ وہ فقرات جن سے اب بہی شراب کی بو آتی ہے۔ اور جسے سنکر یہودی علما اور اوسکے شاگرد اسپر لعنت ملامت کرتے تہے۔ ایسی ہی میں کہے ہونگے جبکہ آپ نے فلک سیر کہالی ہوگی۔ یہ ہے اعلیٰ نمونہ پرہیزگاری کا۔"

لہ شمعون پطرس یسوع کے شاگردوں میں سب سے زیادہ ممتاز اور اعلیٰ درجہ رکھتا ہے اور اسمیں شک نہیں کہ اسے اپنے استاد کی ساتہہ پہلے درجہ کی الفت جو عشق کے درجہ پر پہنچ گئی تہی اور ہمیشہ سایہ کی طرح اوس کے ساتہہ رہتا تہا۔ اور اسلئے یسوع کے حال سے بخوبی واقف تہا۔ جہاں کہیں وفاداری اور جان نثاری کی گفتگو ہوتی حضرت پطرس اوستاد کے پسینہ کی جگہ خون بہانے کو تیار ہو جاتے۔ اور اُن کے کہنے کی تو یہی تہی۔ یسوع کی موجودگی میں تو ایسا اتفاق نہیں ہوا۔ کہ اون کے قول و فعل کی صداقت کا امتحان ہوتا۔ مگر اسوقت جب یسوع کو صلیب دینے کے لئے جا رہے تہے ثابت ہو گیا کہ حضرت جو کچہہ نہایت جوش و خروش کے ساتہہ اپنی خلوص نیت اور وفاداری اور جان نثاری کی نسبت اب تک فرما چکے تہے زری بو از شیخ جہوٹ اور زبانی جمع خرچ تہا۔ اگرچہ یہ ایسا نازک موقع اور مصیبت کا وقت تہا کہ سب شاگرد یسوع کو چہوڑ کر بہاگ گئے (متی باب ۲۶ آیت ۵۶) اور ایک ایک کر کے سب چلتے پہرتے نظر آئے۔ تف ہے ان گیدیوں کی بزدلی اور وفاداری پر ✝

Marfat.com

یسوع نے جواب دیا کہ ”خبردار میں تجھے تاکیدی حکم دیتا ہوں کہ کسی شخص سے یہہ مت کہو“ (مرقس باب ۸ آئت ۱۳)
مقدس متی نے ”زندہ خدا کا بیٹا“ لکھا ہے۔ جو مقدس مرقس نے نہیں لکھا اصول

مگر یہ امید ہو سکتی تھی۔ کہ پطرس ساجاں نثار کم از کم مرتے دم تک تو اپنے اوستاد کا ساتھ دیگا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت یہ حضرت نہایت ہی بزدل تھے۔ اور جس طرح کے ایسے ڈرپوک لوگ اپنی دلاوری اور بہادری کی ڈینگ مارا کرتے ہیں۔ اوسیطرح یہ بھی نری لاف و گزاف کی باتیں کیا کرتے تھے۔ اور جسوقت یسوع نے اپنا ارادہ وطن کی طرف لوٹنے کا ظاہر کیا اور اپنے شاگردوں کو یہ بھی بتایا کہ ضرور ہے کہ ابن آدم بہت سا دکھ اٹھائے اور بزرگوں اور سردار کاہنوں اور فقیہوں سے رد کیا جائے (مرقس باب ۸ آئت ۳۱) تو حضرت پطرس کا جسوقت ماتھا ٹھنکا تھا۔ کہ اب آئی ہماری شامت خیال جاتے ڈر کے اسیوقت ریشہ خطمی ہو گئے۔ اور اپنے اُستاد (مرقس باب ۸ آئت ۳۲ لغایت ۳۸) ہاتھ پکڑ کر علیحدہ لیجا کے نہایت برافروختہ ہو کر اور غصہ کے لب و لہجہ میں کہا کہ ”تم بھی عجب بیوقوف ہو۔ کہ اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارتے ہو۔ میاں کچھ ہوش کرو۔ عقل کے ناخن لو۔ یہ کیسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔ تم تو دنیا میں حکیم حاذق مشہور ہو۔ مگر آج ثابت ہوا کہ نرے پاگل ہو۔ تھوڑے دن ہوئے کہ وہاں سے بھاگے اور جان بچا کر نکل آئے ہم نے بھی تمہارے ساتھ وطن چھوڑا۔ عزیز و اقارب سے منہ موڑا۔ اب یہ آپ کے سر میں کیا سمائی ہے کہ پھر اُسی جگہ آپ اپنے آپ موت کے منہ میں جلتے ہو ہمنے تو یہی سمجھا تھا کہ چلو جان بچی لاکھوں پائے مگر معلوم ہوتا ہے کہ آخر ہمیں جان سے ہاتھ دھونا ہوگا مگر ایک تنہا پہاڑ کا کیا بگاڑیگا۔ آپ ہیں کہ اس مشفقانہ نصیحت پر کان ہی [illegible] ہیں کہ برابر سمجھائے جاتے ہیں استاد صاحب۔ سوچو تو سہی [illegible] کب زندہ چھوڑینگے صرف بقول آپکے آپ بہت سے دکھ ہی [illegible] بلکہ یقین کامل ہے کہ جیتے نہ چھوڑینگے اور اسجگہ تو آپکا کچھ [illegible] وہاں کوئی [illegible]

قانون شہادت کی رو سے تو دونوں کو رد کرنا چاہیے۔ مگر ہم فرض کر لیتے ہیں کہ مقدس
متی نے جو کچھ لکھا ہے۔ یہی صحیح ہے۔ اگرچہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ
صرف مسیح کا لفظ ہی کافی تھا۔ اور یہ الفاظ تو کہ "زندہ خدا کا بیٹا" زمانہ مابعد کی اختراع

جاتے تھے لوگ آوازے کستے تھے۔ بے نقط گالیاں سناتے تھے اور لات و مکے سے زد و کوب
آپ کی کرتے تھے۔ معاذاللہ ہم سے یہ بے عزتی تو برداشت ہرگز نہیں ہو سکتی۔ خدا کے لیے اس
طرح کا خیال دل سے نکال دیں اور صرف ہماری نہیں بلکہ اس میں آپ کی بھی بہتری ہے
اور ہم آپ ہی کے بھلے کی کہتے ہیں۔ ورنہ جہاں ہماری سینگ سمائیں گی وہاں چلے جاوینگے۔
شاگرد رشید کے پند و نصائح کا اثر استاد پر اُلٹا پڑا۔ سمجھ لیا کہ نرا بودا اور گاؤدی ہے
اور وقت پڑے ساتھ تو کیا دیگا ڈر ہے کہ دشمنی پر کمر بستہ نہ ہو جاوے۔ اسی لیے نہایت جھنجھلا کر کہا کہ
او شیطان میرے سامنے سے دور ہو کیونکہ تو خدا کی چیزوں کی نہیں بلکہ انسان کی چیزوں کی فکر کرتا
ہے۔ (مرقس باب ۸ آیت ۳۳)

بزدلی اور بے حیائی لازم و ملزوم ہیں اس لیے مقدس پطرس اگرچہ کسیقدر کھسیانے ہوئے کہ استاد
پر اونکا حال آئینہ ہو گیا مگر پھر کہا کہ اچھا آپ اگر نہیں مانتے تو نہ سہی ہمنے تو سمجھانا تھا سمجھا دیا
اب ہم سے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ آپکا ساتھ چھوڑ دیں۔

غریب مچھوے کو یقین تھا کہ یسوع ایک دن یہودیوں کا بادشاہ ہونیوالا ہے اور جب وہ وقت
آئیگا تو اگر اس حکومت میں سے حصہ نہ ملا۔ تو وزارت تو کہیں نہیں گئی اور اسی امید پر ادہار
کھائے بیٹھے تھے اونکا استاد بھی خوب جانتا تھا کہ ان کے دل میں کیا کچھ گذری ہے اور انہوں
نے زعم ناقص میں کیا بیہودہ خیال پکایا ہے اگرچہ وہ انہیں وقتاً فوقتاً جتاتا رہا۔ کہ اونکا
خیال خام اور غلط ہے مگر وہ نہ سمجھے اور نہ سمجھ سکتے تھے کیونکہ اوستاد اونہیں ہمیشہ پہلیاں بجھاتا
رہا اور تمثیلوں میں گفتگو کرتا رہا۔ بے علم جاہل کیا خاک سمجھتے۔ جب کبھی استاد کی منہ سے

Marfat.com

ہے۔ جو ترجموں میں زیادہ کیگئی ہے۔ اور اس قسم کی بیسیوں مثالیں مقدس نوشتوں

"بادشاہت" کا لفظ بکثرت وہ یہی سمجھتے کہ وہ وقت بہت قریب ہے جب ہم بادشاہ بنینگے۔ اور اسی لئے یسوع نے اس موقع پر پطرس کو کہا کہ شیطان! تجھے ہر وقت یہی دھن لگی ہوئی ہے "اور انسانی جاہ و حشمت کو دیکھ رہا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ میں روحانی امور میں گفتگو کرتا ہوں"

بیچارہ مچھوا نہ پہلے سمجھا تھا اور نہ اب سمجھا۔ اسے یقین تھا کہ اُستاد صاحب اُس سے وعدہ فرما چکے ہیں کہ میں تجھے زمین و آسمان کی کنجیاں دونگا۔ اور تیرا زمین و آسمان پر یکساں حکم ہوگا (متی باب ۱۶۔ آیت ۱۹ استعارت)

اب ہم اُس واقعہ کو بیان کرتے ہیں کہ جب یسوع وطن میں آیا اور جس بات کا پطرس کو ڈر تھا وہی ظہور میں آیا۔ رات کا وقت تھا اور سب شاگرد استاد کے گرد حلقہ باندھے بیٹھے تھے یسوع نہایت دلگیر تھا۔ کیونکہ صبح اوسکی گرفتاری کا دن تھا۔ اور اوسکا علم اسے ہوچکا تھا اُس نے اپنے شاگردوں کو مخاطب کرکے کہا کہ "دیکھو کوئی دم میں صبح ہوتی ہے اور ابن آدم گنہگاروں کے حوالہ کیا جائیگا یہ میری آخری وصیت ہے ثابت قدم رہنا اور ٹھوکر نہ کھانا۔"

پطرس نے اپنی معمولی ستودہ میں جواب دیا کہ "اگرچہ سب تیری بابت ٹھوکر کھائیں۔ پر میں کبھی ٹھوکر نہ کھاؤنگا"۔ (متی باب ۲۶۔ آیت ۳۳)

یسوع نے اوسکی طرف دیکھکر کہا کہ مجھکو اچھی طرح معلوم ہے کہ تو نہایت ہی بزدل ہے۔ اور ہمیشہ لاف زنی کیا کرتا ہے۔ یاد رکھ کہ جس وقت مجھکو گرفتار کیا جائیگا۔ تو پہلا میرا انکار تو کریگا۔ اور ایک دفعہ نہیں بلکہ تین دفعہ (یعنی آخر دفعہ) اور دیکھ یہ پہلے کہے دیتا ہوں اور جب تک مرغ بانگ دے تو تین دفعہ انکار کریگا۔" (متی باب ۲۶۔ آیت ۳۴)

پطرس نے جب اپنے گریبان میں منہ ڈالکر اپنے دل کو ٹٹولا۔ تو جس کو یہ خوف کا اثر دھڑک رہا ہے مگر پھر بھی کڑا کر کے جواب دیا کہ یہ آپ کیا فرماتے ہیں اگر آپ کے ساتھ مجھکو مرنا بھی پڑے

Marfat.com

میں موجود ہیں - جہاں ترجمہ کرتے وقت حرارت محسوس ہوئی - کہ اصل عبارت کالفظ اور اسکا

تو بھی آپکا انکار نہ کرونگا" - سب شاگردوں نے پطرس کی ہاں میں ہاں ملائی اور ہر ایک نے پطرس کے لفظ دہرائے (متی باب ۲۶ - آیت ۳۵)

اس کے بعد مقدس سوانح نگار یسوع کے غم والم اور ماندہ کا فوٹو کھینچتے ہیں کہ وہ کسطرح مرنے پر رضامند نہ تہا - مگر تقدیر اُسے کشاں کشاں دار کی طرف کھینچ رہی تہی - اُس نے بہت چاہا - اور رو رو کر دعائیں مانگیں کہ "ساغر موت کے تلخ گھونٹ اُسے پینے نہ پڑیں" - (متی باب ۲۶ - آیت ۳۹)

مگر وقت آپہنچا تہا - اور یہ ایسا وقت تہا کہ مسیح کی دعائیں سب بے اثر ثابت ہوئیں اگرچہ اوسکا دل اندر ہی اندر بیٹھتا جاتا تہا - مگر وہ جانتا تہا - کہ آخر مرنا ہے اس لئے یہہ کہکر کہ

ہرچہ آید بر سر فرزند آدم بگزرد

مرنے کیلئے تیار ہو گیا - اور صبح ہونے سے پہلے پہلے دشمنوں کے ہاتھ گرفتار ہوا - وہ بھی اسطرح ایک شاگرد یہوداہ اسقریوطی نے دشمنوں سے صرف تیس روپیہ لیکر پتہ بتا دیا کہ حضرت استاد صاحب فلاں جگہ چھپے بیٹھے ہیں - اسوقت جیسا کہ یسوع کو امید تہی سب شاگرد فرو ہو گئے اور ایسے گئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ - اب ہم دیکھتے ہیں کہ جاں نثار بہادر پطرس کہاں تھے اور کیا کر رہے تھے -

اسوقت جبکہ کوئی شخص یسوع کے منہ پر تھوکتا تہا اور کوئی گھونسے مارتا تہا - اور کوئی طمانچے اور کوئی مضحکہ اڑاتا تہا اور سب کہتے تہے - کہ اے مسیح ہمیں نبوت سے بتا کہ کس نے تجھے مارا ؟ غرض اسوقت جبکہ لوگ چپکے سے اوسکے پیچھے آتے اور چپت رسید کر کے لوگوں میں غائب ہو جاتے اسوقت جبکہ بے عزتی کا کوئی دقیقہ ان ظالموں نے اٹھا نہ رکھا - حضرت پطرس باہر دالان میں بیٹھے اُن مردودوں کی خوش فعلیوں پر خون جگر پی رہے تھے اور "خوجی" کی طرح بار بار کہتے تہے کہ "واللہ نہ ہوئی کردلی - ورنہ ان مردودوں کو پیٹ میں پھونک دیتا ۔"

ترجمہ یا بعض جگہ اصل لفظ اور جو کچھ اُس سے مفہوم ہو یا بعض مقامات پر اصل لفظ اور

وہ دور ہی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ کہ ایک بڑھیا عورت کی نظر اس پر پڑی اور قریب آ کر کہا "ارے مردوے تو یہاں کیا کہہ رہا ہو کیا تو بھی یسوع صلیبی کا ساتھی ہے؟"

دلاور پطرس کو اتنی تاب کہاں تھی کہ ایسی تہمت کا جواب دوست کے سامنے کہا کہ تو جھوٹ کہتی ہے اور میں نہیں جانتا۔ کہ تو کیا کہتی ہے؟

دیندار عیسائی کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہو حضرت پطرس نے بڑھیا کا مطلب نہ سمجھا ہو۔ اور اسلئے کہا۔ کہ میں نہیں جانتا۔ تو کیا کہتی ہو۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ یہ ممکن ہو کیونکہ بڑھیا اُس وقت الیسی بان میں گفتگو کر رہی تھی۔ کہ مقدس پطرس نہیں سمجھ سکتے تھے اور ابھی تک روح القدس کا نزول اور ان پر بصورت زبانہ آتشیں نہ ہوا تھا۔

اسکے بعد حضرت پطرس نے خیال کیا کہ اب راز افشا ہوا چاہتا ہو اب یہاں ٹھیرنا مناسب نہیں بہتر ہو چلو چپکے سے کھسک چلیں۔ چنانچہ اُن سے ڈرتے ڈرتے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی اور دبے پاؤں باہر کا رستہ لیا۔ مگر شامت اعمال سر پر سوار تھی۔ ایک شخص نے حضرت کو دیکھ لیا۔ کہ چوروں کی طرح سے باہر جاتے ہیں لوگوں کو آواز دیکر کہا "ہو نہ ہو یہ بھی یسوع ناصری کا ساتھی ہے"

حضرت پطرس کے قدم وہیں گڑ گئے رنگ فق ہو گیا۔ لب خشک ہو گئے۔ منہہ سے کچھ کہنا چاہتے تھے۔ لیکن آواز حلق میں بند ہو گئی۔ بدن پر رعشہ طاری ہو گیا۔ اور سمجھ لیا کہ اب چھٹکارا نہیں۔ دہر لیے گئے۔ دل میں ہزاروں صلواتیں اوستاد صاحب کو دیں کہ ع

اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

رنگ گردہو گئی تو آپ نے قسم کہا کر کہ میں تو اس شخص کو نہیں جانتا۔ (متی باب ۲۶)

ان لوگوں کو آپ کی قسم پر یقین آگیا اور چلے گئے اب کہیں جا کر حضرت پطرس کی جان میں جان آئی۔ اور خیال کیا۔ کہ بری بلا سے بچے لیکن زندگی کے دن کچھ باقی تھے کہ سچ ہے ع

Marfat.com

اوسکے ساتھہ ایک اور فقرہ تراشا گیا ہی - لیکن ہم اس جگہ اس پر بحث نہیں کرتے اسے علیحدہ

رسیدہ بود بلائے و لے بخیر گذشت

"ہت تیرے اوستاد کی ایسی تیسی کمبخت آپ تو ڈوبا تھا - مجھے بھی لے ڈوبا"

لیکن بنی اسرائیل بھی ایک ہی کائیاں تھے - وہ حضرت پطرس کو ایسی کب چھوڑتے تھے ایک اور شخص نے آپکو دیکھکر کہا - کہ "تو بھی تو اکثر یسوع ناصری کے ساتھہ دیکھا ہی - لینا - جانے نہ پائے"

یہ تو ممکن نہ تھا - کہ حضرت پطرس بھاگ کر جان بچاتے - نہ اُن میں اتنی ہمت تھی - نہیں سے اوستاد صاحب کو برا بھلا کہنا شروع کیا - کہ میں اس ملعون کو جانتا ہی نہیں - خدا کی قسم میں نے آج سے پہلے اس کی صورت تک نہیں دیکھی - لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہی کہ ناحق مجھہ راہگیر پر بہتان باندھتے ہو - بھلا اس گیدی کے ساتھہ میرا کیا تعلق - میں بیچارہ قسمت کا مارا ایک غریب مچھوا - کگڑوں کو لیا! کگڑوں کو لیا! کگڑوں کو لیا!

چونکہ پطرس سب سے زیادہ معزز محترم شاگرد ہی اسلئے اُس کے حالات لکھنے کے بعد اس امر کی ضرورت نہیں رہتی - کہ دیگر حواریوں کا حال لکھا جاوے - اسی پر سب کو قیاس کر لو - کہ جب مصیبت پڑی تو سب کے سب بھاگ گئے اور ایک نے تیس روپیہ لیکر پکڑوا دیا - اور دوسرے نے قسم کھا کھا کر اوس یسوع پر لعنت بھیجکر اوسکا انکار کیا - کیا کوئی منصف مزاج کہہ سکتا ہی کہ ان بزرگوں کو یقین تھا - کہ کنواری روح القدس سے حاملہ ہوئی اور بیٹا جنی - جو انکا اُستاد یسوع مسیح تھا - حیف اُنپر اور اُن کے ایمان پر - یہ کیسی ریاکار جماعت تھی کہ بیچارے یسوع کو خود پکڑوا دیا - اور جب وہ گرفتار ہوا - تو ایک ایک کر کے سب گیدی بھاگ گئے اور اس معزز شاگرد نے برملا اس پر لعنت کی - کیا ایسے شخصوں کی شہادت پر اعتبار ہو سکتا ہی - کوئی دانا آدمی کبھی اعتبار نہ کریگا - یہ نادان دوست تو یسوع کی ہلاکت کا باعث ہوئے - جو کچھہ اوسکی تعلیم تھی اُسے یہ جاہل مطلق نہیں سمجھ سکتے تھے بلا خوب

Marfat.com

نکتہ [illegible] ۔ اس جگہ ہم اس بات کو بھی حضرات عیسائیوں کی خاطر تسلیم کرتے ہیں کہ شمعون پطرس

[illegible] کو کہا کہ مچھیوں کے بیچ تمہیں آدمیوں کا شکاری بناؤنگا اپنے [illegible] روحانی تعلیم کو کیا سمجھ سکتے ۔ جسکے سمجھنے کیلئے آج عیسائی دنیا سر دھنتی ہے [illegible] ۔ اور وہ زمانہ بھی ایسا تھا ۔ کہ ادھر یسوع کے منہ سے اس قسم کا کوئی کلمہ نکلا [illegible] کہ یہ کفر بکتا ہے اور گھونسوں ۔ لاتوں اور طمانچوں سے خوب خبر لیتے [illegible] اگر معلوم ہوا کہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] + [illegible] گرداں

[illegible] اور تعلیم [illegible] ۔

[illegible] + ایک شاگرد [illegible]

اب ہم [illegible] عیسائیوں سے یہ پوچھتے ہیں کہ یسوع کی گرفتاری کے وقت جو کچھ مقدس شاگردوں [illegible] کیا اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے کیا اس وقت اُن کے قول و فعل ایمانداروں [illegible] کیا جس شخص نے یسوع کا انکار کیا اور قسمیں کھا کھا کر اوسکا انکار کیا [illegible] کیا ایسا شخص خود ملعون اور مردود نہیں؟ اور کیا ایسے یاوہ گو لاف زن کی زبان [illegible] منافق کے دل میں کچھ ہو اور منہ پہ کچھ ۔ یسوع نے کبھی ایک دفعہ شاگردوں کو [illegible] اگر رائی کے دانہ کے برابر تم میں ایمان ہو تو تم [illegible] [illegible] جو کچھ کہا اُس نے بالکل سچ کہا [illegible] واقعات نے بھی یہی ثابت کر دیا [illegible] کیا ان [illegible] کی باتوں کا اعتبار ہو سکتا ہے کیا ان منافقوں کی [illegible] ہرگز نہیں ۔

Marfat.com

وی معمولی لاف زنی اور خوشامدانہ لہجہ میں یہ لفظ کہ "تو تو مسیح زندہ خدا کا بیٹا ہے" کہہ گیا ہوگا۔

م بتاتے ہیں کہ "زندہ خدا کا بیٹا" کسے کہتے ہیں جس وقت پطرس نے کہا کہ تو تو زندہ خدا کا بیٹا
یسوع نے نہایت تاکید کی بلکہ حکم دیا کہ خاموش رہ اور کسی سے اسکا ذکر نہ کرنا۔

ب اگر یہ سچ تھا کہ وہ زندہ خدا کا بیٹا تھا۔ اور فی الواقع یوسف اور مریم کا بیٹا نہ تھا تو کیا شرم تھی
نے شاگردوں کو منع کیا کہ خبردار کسی شخص سے اسکا تذکرہ نہ کرنا۔ اُسے تو ڈنکے کی چوٹ یہ کہنا چاہئے تھا
میرا باپ خدا ہے اور کوئی نہیں اور میری ماں مریم اوسی سے حاملہ ہوئی ہو یہ کیسی شرم دامنگیر ہے جو
حقیقت چھپائی ہو کہ اپنے باپ کو پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ یسوع جانتا تھا کہ
وہ یوسف اور مریم کا بیٹا ہے۔ اس لئے کوئی شخص اس صوفیانہ نکتہ کو حل نہ کر سکیگا اگر اسکے اوسکے
شاگرد لوگوں کو یہ کہتے پھریں کہ وہ زندہ خدا کا بیٹا ہے۔ تو کون شخص اعتبار کریگا وجہ یہ کہ کوئی سمجھ
نہیں سکتا کہ اسکے کیا معنی ہیں۔ ناحق کے کفر کے فتوے صادر ہونگے اور لوگوں میں بدگمانی اور غلط فہمی
پھیلنے سے بجائے اصلاح کے اور فساد پیدا ہوگا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیوں منع کیا کہ خبردار کسی شخص کو اس راز
سے آگاہ نہ کرو۔ سوچو اور غور کرو۔ کیا ایک نبی مرسل ابن اللہ کی شان کے شایاں ہے کہ چند مجنونوں
و خلوت میں چپکے چپکے کچھ کہے اور پھر اُن کے منہ پر مہر سکوت لگا دے تاکہ وہ کسی اور کچھ کہہ نہ سکیں
ہو بے بھلے سادہ لوح عیسائی اسکا جواب دیں کہ کیوں تاکیدی حکم دیا کہ کسی سے ایسی بات نہ کہو۔ تم
بتا ہم ہی تمہیں بتاتے ہیں لو سنو! اگر تمہارے کان سننے کے ہوں۔

جن حضرات نے علامہ محی الدین ابن عربی کی نصوص الحکم اور فتوحات مکیہ اور خواجہ محمود شبستری کی گلشن راز
دیگر بزرگوں کی صوفیانہ کتب کا مطالعہ کیا ہے جنکی نظروں سے مولانا جامی مرزا عبدالقادر بیدل کی نکات
و چہار عنصر بلکہ کلیات اور خواجہ حافظ اور دیگر شعرا کا کلام گذرا ہے۔ اُن پہ بخوبی روشن ہے کہ یہ لوگ کس
ت رنگے ہوئے تھے یہ کہنا کچھ بیجا نہ ہوگا کہ ایشیائی شاعری کا اتداور مصالح تصوف ہے۔
مولانا روم کی مثنوی سے زیادہ کوئی کتاب مقبول عام نہیں ہوئی خواہ عوام الناس اسکا مطلب

لیکن اس کے جواب میں یسوع نے ایسے کیا کہا؟ یسوع نے ایسے تاکیدی حکم…

سمجھیں یا نہ سمجھیں گے نہایت ذوق شوق سے پڑھتی اور سنتے ہیں ہزارہا ایسی…
جنمیں وہ نکات معرفت حل کئے گئے ہیں کہ بائیبل کو اسکی خبر بھی نہیں مگر…
ان بزرگوں کو اولیاء اللہ اور بزرگ تسلیم کیا جاتا ہے مگر ان میں سے ایک ہی کفر…
بکا۔ وجہ یہ کہ جو کچھ یہ کہتے تھے۔ عام لوگ اُسے سمجھ نہیں سکتے تھے اور جو کچھ سمجھتے
سمجھتے تھے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح فریسی یسوع کا کلام سنکر کہتے تھے کہ یہ کفر بکتا…
آیت ۶۵) اور اس لئے واجب القتل ہے منصور نے انا الحق کہا۔ اور دار پر کھینچا گیا…
خدا تھا اور خدا منصور۔ لوگوں نے نہ سمجھا۔ اور جو کچھ سمجھا تو یہی کہ یہ شخص اپنے آپ…
سے کفر بکتا ہے اور اس لئے واجب القتل ہے علامہ محمود شبستری نے گلشن راز میں…
حل کیا ہے کہ:-

در آ در وادی ایمن کہ ناگاہ — درختے گوید انی انا اللہ
روا باشد انا الحق از درختے — چرا نبود روا از نیک بختے

یعنی جسوقت موسیٰ نے وادی ایمن میں آگ کا شعلہ دیکھا اور اوسکی طرف گئے تو حیران…
کا شعلہ ایک بوٹے میں مشتعل ہے مگر بوٹا جلتا نہیں۔ یہ اسی حیرت میں تھے کہ بوٹے…
بیشک تیرا خدا اور تیرے باپ دادوں کا خدا ہوں (خروج باب ۳۔ آیت ۶)
اب یہ کیسی مضحکہ خیز بات ہے کہ ایک بوٹا حضرت موسیٰ اور اوسکے باپ دادوں کا خدا کیا یہ ممکن…
نہ حضرت موسیٰ اسکے یہ معنی سمجھے۔ بوٹا تو ایک بے حقیقت شے تھی اوسپر جلوہ الٰہی…
سے انی انا اللہ کی آواز آنے لگی۔ فی الحقیقت نہ بوٹا خدا تھا اور نہ خدا بوٹا…
تھا کہ جب اوسکے قلب پر جلوہ ہوا۔ اوسکے منہ سے انا الحق کی صدا برآمد ہوئی۔ در حقیقت
تھا نہ خدا منصور۔ مگر لوگوں نے یہی سمجھا کہ وہ دعویٰ خدائی کرتا ہے اور واجب القتل…

کسی شخص سے اسکا ذکر نہ کرنا (مرقس باب ۸ - آیت ۳۰)

اگر یہ سچ ہوتا۔ کہ یسوع خدا کا بیٹا تھا۔ تو کیوں پطرس کو منع کیا؟ ایسی کیا

یسوع مسیح اور منصور کے حالات اسقدر مشابہ ہیں کہ یہ کہنا نا موزوں نہ ہوگا کہ منصور مثیل مسیح تھا۔ ذیل میں ہم اُن واقعات کو لکھتے ہیں۔ جو اس مماثلت کو بخوبی ثابت کردینگے۔

خلفاء عباسیہ کا دور دورہ تھا۔ اسوقت دارالخلافت بغداد میں مقتدر باللہ ابو الفضل جعفر ابن معتضد (۲۹۵ھ سے ۳۲۰ھ تک) حکمران تھا۔ حسین منصور جسکے نام سے بچہ بچہ واقف ہے اسی خلیفہ کے عہد میں گذرا ہے۔ پیشہ حلاجی تھا۔ اور زہد و تقوی اور علم و فضل کی وجہ سے مشہور تھا۔ اکثر جنید و شبلی کے صحبت میں رہتا۔ صاحب تصنیف تھا۔ اور تصوف کے بعض بہت مشکل مسائل اور حقائق و اسرار و معانی و معارف کو فصاحت و بلاغت سے ادا کیا۔ علماء عصر و مشائخ کبار کا اختلاف ہوا۔ کوئی کہتا تھا کہ حلولی ہے اور کوئی اتحادی اور بہت تھوڑے ایسے تھے جو اسکے کلام کا منشا سمجھتے تھے۔ انمیں ابن عطا، عبداللہ خفیف، شبلی، ابو القاسم نصر آبادی قائل تھے کہ منصور موحد ہے اور اسکی تصنیفات سے توحید باریتعالی کا اظہار ہوتا ہے۔ مگر علماء ظاہر کا غلبہ تھا۔ اور اس لئے حسین منصور کے برخلاف فتوی کفر طلب کیا گیا۔ اسپر جرم یہ لگایا گیا۔ کہ وہ "انا الحق" کہتا ہے تمام علماء اور اکثر مشائخ نے اس فتوی پر اپنی مواہیر ثبت کردیں۔ اور قرار پایا۔ کہ حسین منصور حلاج واجب القتل ہے ؎

واجب القتل اس نے ٹھہرایا
آیتوں سے روایتوں سے مجھے

خواجہ عطار تذکرۃ الاولیا میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب حسین کو صلیب پر کھینچنے کیلئے لے جا رہے تھے شہر کے لوگ پتھر مارتے تھے منصور کا جسم جابجا زخمی ہوکر خون آلود ہو رہا تھا۔ مگر یہ دلاور ایسا ثابت قدم رہا۔ کہ اپنے کسی فعل اور قول اور خفیف سی حرکت سے بھی اس امر کا اظہار نہ کیا کہ وہ درد کو محسوس کر رہا ہے۔ اسی اثنا میں شبلی اسکے قریب آیا۔ اسکے ہاتھ میں ایک پھول تھا۔ منصور کی طرف پھینکا

Marfat.com

[illegible] کی دلیل ہے کہ وہ خدا کا بیٹا نہ تھا۔ ورنہ اُسے توڑ ڈنکے کی چوٹ

[illegible] مسیح کے ساتھ منصور کا۔ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں حضرات عیسائی ہندوؤں کی طرح
[illegible] کی مانند یہ ترجیح سے لئے منصور کا جنم لیا تھا۔ جو شخص حلول و اتحاد کے قائل
[illegible] بعید نہیں۔ اگر اس طرح سمجھیں۔

[illegible] فرماتی ہیں۔ کہ جسوقت قیافا نام سردار کاہن کے روبرو یسوع پیش ہوا
[illegible] اُس پر شہادت دی تو یسوع نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ چپکا ہو رہا۔ آخر سردار کاہن
[illegible] خدا کی قسم دیکر کہا کہ "اگر تو مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ تو ہم سے کہہ"۔ یسوع نے اُس سے
[illegible] کہتا ہے بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اُسکے بعد تم ابن آدم کو قادر مطلق کی دہنی طرف
[illegible] کے بادلوں پر آتے دیکھو گے"۔ تب سردار کاہن نے اپنے کپڑے پھاڑے اور کہا "یہ کفر کہ
[illegible] گواہ کیا ضرور ہے؟ تم نے آپ اسکا کفر سنا۔ اب تمہاری کیا صلاح؟" انہوں نے جواب
[illegible] کے لائق ہے"۔ تب انہوں نے اسکے منہ پر تھوکا اور اُسے گھونسے مارا۔ اور دوسروں
[illegible] کہا کہ اے مسیح ہمیں بتا کس نے تجھے مارا"۔
[illegible] دار پر کھینچا۔ تو آخری کلمہ جو اُس کے منہ سے نکلا۔ وہ یہ تھا۔

"ایلی ایلی۔ لما سبقتانی"

(اے میرے خدا۔ اے میرے خدا۔ تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا)

[illegible] کی زندگی کے واقعات ہی ظاہر کر رہے ہیں کہ دونوں ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے
[illegible] صوفیائے کرام نے ان نکات کو حل کیا ہے۔ مگر ساتھ ہی اسکے انہوں نے یہ بھی
[illegible] اس قسم کا کلمہ منہ سے نکالنا کم ظرفی کی دلیل ہے اور حفظ مراتب نہ کرنا زندیقی ہے ؎

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد
گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی (جامیؒ)

کہنا چاہئے تہا کہ میری ماں روح القدس سے حاملہ ہوئی۔ اور [illegible]

وہ واقعات جو ہم منصور اور یزید کی شہادت کے متعلق بیان کر چکے ہیں [illegible] اگر ان بزرگ

نے اپنی مستقل مزاجی اور سچی دلاوری کا ثبوت دیا۔ اور وہ [illegible]

بھر کے گھونسے پڑے اور اعضا کاٹنے کی جگہ لہو صرف خون [illegible]

ایسے ہی ہم کہتے ہیں کہ اگر یسوع کے دانا سمجھے ہیں۔ تو کوئی [illegible]

یہ ایک تاریخی واقعہ ہو جو کسی طرح غلط نہیں ہو سکتا۔

فی الحقیقت یسوع نے مرتے وقت ایسی بزدلی کا اظہار کیا کہ [illegible]

کا تذکرہ کرتے ہوئے جنکی نسبت وہ کہتے ہیں۔ شیروں کے [illegible]

جان دی شہادت میں۔

مگر اس جگہ ہم ان امور پر بحث نہیں کرتے [illegible]

کیا ہے۔ خواہ غلط ہوں۔ یا صحیح اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ [illegible]

اگر کوئی صوفی یہ کہے کہ۔

ایک ہی نور جہکے [illegible] دیکھ [illegible]

گر [illegible] پھر [illegible]

تو اسکے یہ معنی نہیں کہ وہ [illegible] ایسا [illegible]

ہے۔ صرف ایک منصور ہی [illegible] ایسا دعویٰ [illegible]

یسوع ایسے گذرے ہیں جن پر کفر کا فتویٰ لگا۔ اور [illegible]

کے نیچے اب تک اسکی شاہد حال ہے [illegible]

تذکرۃ الاولیاء۔ روضۃ الاصفیا [illegible]

بیشمار معنی الوہیت ملینگے۔ جنکو [illegible]

مگر انہوں نے ... شخص ... باپ کا نام ابو رشید رکھے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Marfat.com

اور لوگ اسے کسی اور شخص کا بیٹا خیال کرتے ہوں - تو معلوم نہیں کہ ایسے شخص کو

اور پھر تحریر فرماتے ہیں :- کہ

روز آدینہ بر سر منبر — گشت شبلی [illegible]
کرد توحید ایزدی آغاز — کہ یکی است او نہ دو [illegible]
مرد آگہ جنید چو شنید — گفت ای پاکباز در رہ کار
گر چہ من با تو گفتہ ام بہ نہفتہ — تو [illegible]
گفت ہیہات ای یگانہ عصر — سخن [illegible]
من ہمی شنوم تہی گویم — [illegible]
ہیچ دل را [illegible] — [illegible]

مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے روز شبلی منبر پر توحید کا وعظ فرما رہے تھے کہ معبود واحد ہے [illegible] یعنی یہ تمام کثرت بھی وحدت ہے یا دوسرے لفظوں میں ہمہ اوست یا وحدت [illegible] پیر و مرشد حضرت جنیدؒ بھی موجود تھے - اور یہ توحید کی تعریف سن رہے تھے - فرمانے لگے کہ [illegible] خلوت میں بتائی تھیں - غرض یہ تھی کہ تو عوام الناس میں اسکا ذکر نہ کرے - تو [illegible] یہ سن کر جواب دیا کہ آپ کی شان سے بعید ہے کہ ایسا کلمہ زبان سے نکالیں [illegible] لا موجود الا ھو تو میں اسی کو سنتا ہوں اور [illegible]

اس سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ صوفیوں میں یہ مسئلہ مشہور رہا - اور اب بھی ہے کہ [illegible] توحید [illegible] خاص مریدوں کو بتاتے ہیں اور ساتھ ہی انہیں عوام الناس پر ظاہر کرنے سے منع کرتے ہیں

مولانا جامی فرماتے ہیں - کہ

سخن وحدت [illegible]

[illegible] تو خوب ظاہر ہو گیا [illegible] شک و شبہ کی [illegible]

کیا کہینگے؟ سردار کاہن اور اُس کے گھر اور شہر والے (جیسا کہ ہم ظاہر کر چکے ہیں

کسی سے ظاہر نہ کرنا۔ کیونکہ اُسے اچھی طرح معلوم تھا۔ کہ لوگ اس بات کو سمجھ نہیں سکتے اگرچہ اس سے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ مگر ہمنے مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ۔ تا بہ خانہ باید رسانید

اِس لئے ہم تصوف کی معتبر کتابوں سے وہ عقائد اسجگہ نقل کرتے ہیں۔ اور آسمانی باپ مسیح خدا کے بیٹے کے معانی پر روشنی ڈالتے ہیں۔

علامہ محی الدین ابن عربی فصوص الحکم کی فصل عیسویہ میں لکھتے ہیں:۔

فلولاہ ولولانا + لما کان الذی کانا

"اگر نہ خدا ہوتا۔ اور نہ ہم اللہ کے علم میں ہوتے۔ تو یہ جو کچھ کہ ہے۔ یہ بھی نہ ہوتا"

فانا اعبد حقا + وان اللہ مولانا

پس ہم بیشک بندے ہیں۔ اور بیشک اللہ ہمارا مالک ہے"

وانا عینہ فاعلم + اذا ما قلت انسانا

اور ہم وہی تو ہیں۔ جو ہمارا مالک ہے۔ پھر جب تو انسان کا نام لے تو جان لے کہ اُسکی اصلیت کیا ہے:

فلا تحجب بانسان + فقد اعطاک برھانا

پھر جب تجھکو انسان کہیں تو تو شرمندہ نہو۔ کیونکہ تجھکو تو دلیل دی گئی ہے کہ تو اور تیرا مالک ایک ہیں۔

فکن حقا وکن خلقا + فکن باللہ رحمانا؟

پس جبکہ تو بنظر اصل حقیقت کے خدا ہے اور صرف بسبب اس چیز کے جس کے سبب تجھکو تو کہتے ہیں۔ پیدا کیا ہوا بندہ ہے۔ تو تجھکو واسطے خدا کے رحمان ہی ہونا چاہئے۔

وغذ خلقہ منہ + تکن روحا وریحانا

اور خدا کی مخلوقات کا لقا خدا ہی سے جان اور تو روح یعنی پاک اور رحمت ہو۔

فاعطیناہ ما یبدو + بہ فینا واعطانا

Marfat.com

اُسے یوسف نجار اور مریم کا بیٹا جانتے تھے - وہ اُس کے بھائی اور بہنوں کو بھی جانتے

پس دی ہم نے خدا کو وہ چیز جس سے ظاہر ہوتا ہی خدا ہم میں اور خدا نے دی ہی چیز ہمکو دی -

فصار الامر مقسوما ✦ بایاہ وایانا

... ہونا ہے جسکو وجود کہتے ہیں - خدا اور ہم میں بٹ گیا ✦

فاحیاہ الذی یدری ✦ بقلبی حین احیانا

پس جو چیز کہ میرے دل میں جان والی ہی - اسکو زندہ کیا ہی - جبکہ ہمکو زندہ کیا ہی -

وکنا فیہ اکوانا ✦ واعیانا وازمانا

اور ہم تھے اللہ کے علم میں اور ہم ہی تھے ہونیوالے اور ہم ہی تھے ہونیوالے اور ہم ہی ہوئے ہیں -

ولیس بدائم فینا ✦ ولکن ذاک احیانا

اور ہم میں وہ چیز ہمیشہ نہیں ہی - مگر اُس نے ہمکو زندہ کیا ہی

کچھ یسوع کی خصوصیت نہیں کہ وہ خدا کا بیٹا ہی اور اوسکا باپ آسمان پر ہی بلکہ وجودیوں کے عقیدہ کے مطابق ہر ایک شخص خدا کا بیٹا ہی اور اوسکا باپ آسمان پر ہی - ہمہ اوست یا ہمہ از اوست -

ہم عیسائیوں کے بیہودہ منہ سے نجوبی واقف ہیں - ان کے دماغ میں کھٹمل بھرا ہوا ہی یہ کور باطن ایسے گوہر بے بہا کی قدر و قیمت کیا جانیں - اس لئے ہم مشورہ دیتے ہیں کہ اگر وہ مذکورہ بالا اشعار کے معانی سمجھنا چاہتے ہیں - تو شرح داؤد قیصری - شرح مولانا جامی - شرح شاہ محب اللہ بہاری - تذییل حکم شرح فصوص الحکم کو سامنے رکھکر اور نہایت غور و فکر سے فصوص الحکم کا مطالعہ کریں -

ہمیں یقین نہیں آتا کہ باوجود ان شرحوں کے عیسائی اسے سمجھ سکتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں - وہ ضرور کہینگے - کہ عربی و فارسی ہماری سمجھ میں نہیں آتی - ہم کو یسوع کی شان ... کہ روح القدس بصورت ... آتشین ہم پر نازل ہو - اور ہمکو دنیا کی زبانیں آ جائیں - پھر اسکا ... پاس کیا جواب ہے - ... بہت غور کیا - ... ان نادانوں کو سمجھ نہیں - آخر ہمیں ایک سہل طریقہ

سے اور یسوع اپنی آپ کو خدا کا بیٹا کہتا تھا۔ اور اگر ان شخصوں کو معلوم ہو جاتا کہ یسوع

معلوم ہو گیا کہ زبان پنجابی میں سمجھائیں اور اردو مطلب لکھدیں۔ حضرت بلھے شاہ کی کافیاں نہایت ہی موزوں ثابت ہونگی۔

سید بلھے شاہ صاحب پنجاب میں قصبہ قصور واقع لاہور کے رہنے والے تھے۔ ان کی کافیاں زبان زد ہیں۔ صوفیوں کے حلقوں میں غرض ہر ایک جگہ پڑھی جاتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

جد احد اک اکلا سی   نہ روپ رسول نہ اللہ سی
نہ ظاہر کوئی تجلی سی   بن گونا گوں ہزار
کن میں لکھیں سوہنا یار
جسدے حسن دا گرم بازار

پیارا پہن پوشاکاں آیا   آدم اپنا نام دھرایا
احد تیں بن احمد آیا   نبیاں سردار
کن میں کہیا سوہنا یار
جسدے حسن دا گرم بازار

مطلب یہ ہے کہ ظہور عالم سے پیشتر اللہ واحد کی ذات تھی اور کچھ نہ تھا اوسکے اسماء صفات کا بھی ظہور نہ ہوا تھا کیونکہ ہر ایک اسم رب ہے اور وہ تقاضائے ظہور مربوب کو چاہتا ہے اور جبتک مربوب نہ ہو اسکا ظہور ثابت نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ خالق کا ثبوت مخلوق کے ظہور پر منحصر ہے اگر مخلوق نہ ہو۔ تو اسے خالق کون کہیگا۔ اور اسی طرح رازق و مرزوق اور دیگر اسماء و صفات پر قیاس کرو۔ غرض اللہ تعالیٰ کی ذات بلا تعین تھی۔ اور اسوقت نہ تو کچھ ظہور تھا۔ اور نہ رسول نہ اسکا۔ کیونکہ اوسوقت سے رب اور اللہ کہنے والا کوئی موجود یا مخلوق نہ تھی۔ اسوقت کسی تجلی اسمائی یا صفاتی یا فعلی کا جیسا کہ مذکور ہوا ہو مطلق ظہور نہ ہوا تھا۔ لیکن جب حق ظہور ہوا۔ تو وہ بیچ کثرت کا لباس پہنا۔ اور ظہور کا لازمی نتیجہ تھا کہ ایسا ہی ہو۔ چنانچہ جب ہم حق کو جنہ

سپنے اصلی [illegible] جو [illegible] تو وہ [illegible] اللہ کی شان کو
[illegible] ظاہر ہوتی ہے [illegible] انکار کرو یا پوشیدہ رکھو

[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تو [illegible] حسن [illegible]

[illegible] ✤ [illegible]

[illegible] ✤ [illegible]

[illegible] ✤ [illegible]

[illegible] ✤ [illegible]

[illegible]

کیوں [illegible] ✤ [illegible]

ہمنے ثابت کردیا ہی کہ یسوع کے گہر اور کنبے والے اور سب ایکا ہم وطن اور امام یسوع کو یوسف بڑہئی اور مریم کا بیٹا جانتے تھے اور یسوع نے کبہی اونکی تردید نہیں کی۔ خود یسوع کے اقوال سے ثابت ہے کہ وہ ایک آدمی کا بیٹا تہا۔ اور اوس نے کبہی نہیں کہا کہ وہ آدمی کا بیٹا نہیں۔ اب اگر حضرات عیسائی صاحبان یہ کہیں کہ اوسکے شاگرد اوسے خدا کا بیٹا جانتے تھے۔ تو ہم کہینگے کہ اونکا خیال غلط تہا۔ کیونکہ خود یسوع اونہیں حکم دیتا تہا۔ کہ کسی شخص سے اسکا تذکرہ نہ کرو۔ ورنہ لوگ تمہیں بیوقوف بنا ئینگے۔ اور اگر عیسائی یہ کہیں کہ یسوع فی الحقیقت خدا کا بیٹا تہا۔ مگر مصلحت وقت یہ آن پڑا تہا۔ کہ وہ حق کو پوشیدہ کرے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ متی لوقا۔ مرقس۔ یوحنا کی انجیل اور دیگر مسلمہ بائبل کے نوشتے دریا برد کردو۔ یا کم از کم انہیں سے متضاد باتیں نکال ڈالو کیا یہ متضاد تعلیم نہیں کہ ایک جگہ "آدمی کا بیٹا" اور دوسری جگہ "خدا کا بیٹا" کہتا ہے۔ ایک جگہ لوگ اسے یوسف اور مریم کا بیٹا کہتے ہیں اور وہ تسلیم کرتا ہے اور دوسری جگہ اوسکے حواری اسے خدا کا بیٹا کہتے ہیں تو وہ ان کو منع کرتا ہے کہ ایسا نہ بکو۔ یا کہتا ہے کہ اس راز کو پوشیدہ رکھو۔ کیا یہ ایسے شخصوں کا کلام ہے جو روح القدس سے معمور تہے۔

مینے حاشیہ پر لکہدیا ہے کہ "خدا کا بیٹا" کسے کہتے ہیں اور یسوع نے کس طرح کیوں منع کیا۔ کہ وہ لوگوں سے اس راز کو نہ کہو۔ اب ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ "خدا کا بیٹا" ایک ایسا عام لفظ تہا۔ کہ جو عہد عتیق میں نبیوں اور دیگر بزرگوں کے واسطے بولا جاتا ہے اور یسوع کے زمانہ میں ہر ایک یہودی اپنے آپکو خدا کا بیٹا سمجہتا تہا۔ زمانہ حال کا ایک محقق لکہتا ہے کہ۔

باپ کے معنے ناصح یا صلاح کار کے ہیں۔ اور مشرقی ملکوں میں اسی مراد سے مستعمل تہا۔ اور ایک کام کی بنیاد ڈالنے والے پر بہی بولا جاتا تہا۔ مثلاً کہتے ہیں۔ کہ شیطان جہوٹ کا

ہم بہت سے اشعار اور ایشیائی زبانوں میں مختلف کتب کا حوالہ دیکر مذکورہ بالا دعوی کی تائید کر سکتے ہیں۔ لیکن اس سے زیادہ ہم طول نہیں دینگے۔ جسکے کان سننے کے ہوں سنے

Marfat.com

باپ ہے۔ اور اس طرح بیٹے کا استعمال اُس چیز پر بھی جسکو اللہ نے اپنی ہاتھ سے بنایا۔ اور ان پر جو ایمان لائے آیا ہے۔

تمام کتب عہد عتیق اور عہد جدید میں ایسے مقاموں میں اسی طرح پر اسکا استعمال ہوا ہے۔ ربانی محاورہ کے بموجب اگر اوسکو تعبیر کریں گے۔ تو یوں کہینگے رب بمعنی باپ یعنی رب یعنی پروردگار کے اور ابن یعنی بیٹا بمعنی العبد المقبول بمعنی بندہ برگزیدہ کے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور یہ استعمال ٹھیک ٹھیک کتب عہد جدید اور عہد عتیق کے مطابق ہوتا ہے چنانچہ مفصلہ ذیل مثالوں سے یہی مطلب پایا جاتا ہے۔

(۱) حضرت سلیمان کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وہ میرا بیٹا ہوگا اور میں اس کا باپ ہونگا"۔ (۱۔ تاریخ ۲۲۔ ۱۰)

(۲) یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے کہا کہ "ہمارا باپ خدا ہے"۔ حضرت مسیح نے فرمایا۔ کہ اگر خدا تمہارا باپ ہوتا۔ تو تم مجھسے پیار کرتے" (متی ۸۔ ۴۱ و ۴۲) اُن بیچاروں کو کیا معلوم تھا کہ اُن کے باپ کے ہاں ایک اور بیٹا پیدا ہوا۔ اور اُسے بھائی سمجھ کر پیار کرتی مگر انہوں نے آسمان سے حضرت کو گرتا ہی نہ دیکھا تھا)

(۳) حضرت مسیح نے مریم سے فرمایا کہ میرے" بھائیوں پاس جا اور ان سے کہہ کہ میں اوپر اپنے باپ اور تمہارے باپ پاس اور اپنے خدا اور تمہاری خدا پاس جاتا ہوں"۔ (متی ۲۰۔۱۷)

(۴) حضرت مسیح نے اپنے مریدوں کو نصیحت کی "پس جیسا تمہارا باپ رحیم ہے۔ تم بھی رحیم ہو"۔ (لوقا ۶۔ ۳۶)

(۵) حضرت مسیح نے فرمایا "اے چھوٹے گلے مت ڈر کہ تمہارا باپ تمہیں بادشاہت دینے کو راضی ہے"۔ (لوقا ۱۲۔ ۳۲)

(۶) حضرت مسیح نے اپنی نصیحت میں فرمایا "اسطرح تمہاری باپ کی جو آسمان پر ہی مرضی

Marfat.com

بولتا ہے" (متی ۱۰-۲۰)

(۷) حضرت مسیح نے نصیحت کرتے وقت فرمایا "اور زمین پر کسیکو اپنا باپ نہ کہو کیونکہ تمہارا باپ ایک ہے جو آسمان پر ہے" (متی ۲۳-۹)

(۸) حضرت مسیح نے فرمایا "کیا ایک پیسے کی دو گوریاں نہیں بکتیں۔ اور ان میں سے ایک بھی تمہارے باپ کے بغیر زمین پر نہیں گر سکتی" (متی ۱۰-۲۹)

(۹) حضرت مسیح نے فرمایا کہ "اگر دعا مانگتے وقت تمہیں کسی سے کچھ شکایت ہو تو اسے معاف کرو تاکہ تمہارا باپ بھی جو آسمان پر ہے تمہاری تقصیروں کو معاف کرے۔ اگر تم معاف نہ کرو گے تو تمہارا باپ بھی جو آسمان پر ہے معاف نہ کریگا" (مرقس ۱۱-۲۵و۲۶ اور متی ۶-۱۴و۱۵)

(۱۰) حضرت مسیح نے فرمایا "تمہارا باپ جانتا ہے کہ ان سب کی تمہیں درکار ہے" (لوقا ۱۲-۳۰)

(۱۱) حضرت مسیح نے فرمایا کہ "نہیں تو تمہارے باپ سے جو آسمان پر ہے تمہیں کچھ اجر نہ ملیگا" (متی ۶-۱)

(۱۲) حضرت مسیح نے فرمایا کہ "تمہارا باپ اس سے آگے کہ تم اس سے مانگو جانتا ہے" (متی ۶-۸)

(۱۳) حضرت مسیح نے فرمایا "تاکہ وہ تمہارے باپ کی جو آسمان پر ہے بڑائی کریں" (متی ۵-۱۶)

(۱۴) حضرت مسیح نے فرمایا "تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے فرزند ہو" (متی ۵-۴۵)

(۱۵) حضرت مسیح نے فرمایا "جیسا تمہارا باپ جو آسمان پر ہے کامل ہے۔ تم بھی کامل ہو" (متی ۵-۴۸)

(۱۶) "خدا کے بیٹوں نے آدمیوں کی بیٹیوں کو دیکھا" (پیدائش باب ۶-۲)

(۱۷) جب موسیٰ نے فرعون کو کہا کہ "خداوند نے یوں فرمایا ہے کہ اسرائیل میرا بیٹا بلکہ پہلوٹھا ہے" (خروج ۴-۲۲)

(۸) "یسوع نے کہا۔ تم سب اللہ ہو اور ہر ایک تم میں سے حق تعالیٰ کا فرزند ہے" (زبور ۸۲-۶)

(۹) "کیونکہ میں بنی اسرائیل کا باپ ہوں اور ابراہیم میرا پہلوٹھا ہے" (یرمیاہ ۳۱-۹)

(۱۰) آدم بیٹا خدا کا (لوقا ۳-۳۸)

اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں لکھتے ہر ایک منصف مزاج اور غور و فکر کرنیوالا شخص سمجھ سکتا ہے کہ "خدا کا بیٹا" کے کیا معنی ہیں اور یہ کہ اگر ہم تسلیم بھی کریں گے کہ یسوع خدا کا بیٹا ہے تو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ یوسف نجار اور مریم کا بیٹا تھا۔ اور یہ بھی ہم کبھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ کہ اس کی ماں کنواری تھی اور یوسف سے ہمبستر ہونے سے پیشتر یسوع کو روح القدس سے جنا۔

۵۸ یہی محقق لکھتا ہے کہ

موسیٰ میں بھی خدا کی روح تھی (پیدائش ۴۱-۳۸)

اصبیئیل بھی خدا کی روح سے بھر گیا (خروج ۳۱-۳، ۳۵-۳۱)

بلعام پر بھی روح خدا کی نازل ہوئی (اعداد ۲۴-۲)

ساؤل پر بھی خدا کی روح نے ظہور کیا (۱ سموئیل ۱۱-۶)

ساؤل کے نوکروں پر بھی خدا کی روح آئی (۱ سموئیل ۱۹-۲۰)

عزریاہ عاد کے بیٹے پر خدا کی روح اتر آئی (۲ تواریخ ۱۵-۱)

موسیٰ سے خدا نے آواز سے کلام کیا (خروج ۱۹-۱۹)

داؤد کے لئے خداوند آسمان پر سے گرجا (۲ سموئیل ۲۲-۱۴)

اس سے ظاہر ہے کہ روح القدس کا نزول صرف کنواری ہی پر [illegible] بھی اس سے معمور ہو چکے تھے۔ غور کرو کہ ایک عورت کیساتھ بھی اوسکا ایسا ہی تعلق تھا جیسا مردوں کے ساتھ۔ اور یہ بالکل جائز تعلق تھا۔

ہم ایک اور شہادت مقدس شاگردوں کی تحریروں سے پیش کرتے ہیں جس سے اس امر کی تائید ہوگی کہ یسوع یوسف بڑھئی کا بیٹا تھا۔ حضرت متی (باب ۱۔ آیت الغایت ۱۶) اور حضرت لوقا (باب ۳۔ آیت ۲۳) میں یسوع کا نسب نامہ لکھتے ہیں۔ اس نسب نامہ میں (متی آیت ۱۶) میں ایک جگہ یہ لکھا ہے کہ "یعقوب سے یوسف پیدا ہوا۔ جو شوہر تھا مریم کا جس سے یسوع جو مسیح کہلاتا ہے پیدا ہوا" اور دوسری جگہ یہ لکھا ہے کہ "یسوع یوسف کا بیٹا تھا" (متی باب ۳۔ آیت ۲۳)

لے ہم ذیل میں یسوع کا نسب نامہ بروئے عہد عتیق اور جدید نقل کرتے ہیں۔

نسب نامہ

بموجب عہد عتیق	بموجب مقدس متی	بموجب مقدس لوقا
۱- ابراہیم	۱- ابراہیم	۱- ابراہیم
۴ یہوداہ	۴ یہوداہ	
۵ تامر	۵ تامر	
۶ فارص	۶ فارص	
۱۴- داؤد	۱۴- داؤد	۱۴- داؤد
۱۵- سلیمان / ناتن (ذکریاہ ۱۲-۱۲)	۱۵- سلیمان	۱۵- ناتن
۱۶- رجعم	۱۶- رجعم	۱۶- متہا
۱۷- اسیاہ	۱۷- اسیاہ	۱۷- رمیناں
۱۸- اساہ	۱۸- اساہ	۱۸- مایا
۱۹- یہوشافط	۱۹- یہوشافط	۱۹- الیاقیم
۲۰- یورم	۲۰- یورم	۲۰- یونان
۲۱- اخزیاہ	x	۲۱- یوسف
۲۲- یوآش	x	۲۲- یہوداہ

Marfat.com

اب سوال یہ ہے کہ اگر یسوع کنواری کا بیٹا تھا۔ تو اس نسب نامہ کے کیا معنی ہیں اور عہد عتیق کی وہ پیشگوئیوں کا جو اشعیاہ (۹-۶ و ۷) اور یرمیاہ (۲۳-۵) نبیوں کی معرفت

بموجب عہد عتیق	بموجب مقدس متی	بموجب مقدس لوقا
۲۳ - اسعیاه	×	۲۳ شمعون
۲۴ - عزیاه	۲۱ - عزیاه	۲۴ - لیوی
۲۵ - یوتام	۲۲ - یوتام	۲۵ - متّات
۲۶ - آخز	۲۳ - آخز	۲۶ - یوریم
۲۷ - حزقیاه	۲۴ حزقیاه	۲۷ - العزر
۲۸ - منسی	۲۵ - منسی	۲۸ - یوسس
۲۹ - امون	۲۶ - امون	۲۹ - عیر
۳۰ - یوشیاه	۲۷ - یوشیاه	۳۰ - المودام
۳۱ - یہویاقیم	×	۳۱ - قوسام
۳۲ - یکونیاه	۲۸ - یکونیاه	۳۲ - ادّی
۳۳ - پدایاه	۲۹ - سیالتی ایل (پہلا اخبار الایام ۳-۱۷، ۱۹)	۳۳ - ملکی
۳۴ - زروبابل	۳۰ - زروبابل	۳۴ - نیری
پہلا اخبار الایام × (۳-۱۹ و ۲۰)	۳۱ - ابیہود	۳۵ - سیالتی ایل
×	۳۲ - الیاقیم	۳۶ - زروبابل
×	۳۳ - عزور	۳۷ - ریسا
×	۳۴ - صادوق	۳۸ - یوحنا
×	۳۵ - اخیم	۳۹ - یہودا

Marfat.com

مشتہر ہو چکی تھیں کہ داؤد کی سلطنت اور داؤد کی شاخ اٹھیگی - کیا مطلب ہے؟

مقدس لوقا کا یہ بیان کہ فرشتہ نے مریم کو کہا - کہ تو بیٹا جنیگی جسے خدا تعالیٰ اوسکو

بموجب عہد عتیق	بموجب مقدس متی	بموجب مقدس لوقا
x	۳۶ - الیہود	۴۰ - یوسف
x	۳۷ - العاذر	۴۱ - سمی
x	۳۸ - متن	۴۲ متہاتیاس
x	۳۹ - یعقوب	۴۳ - یوسف
x	۴۰ - یوسف	۴۴ - ینّا
x	۴۱ - یسوع مسیح	۴۵ - لمخی
x	x	۴۶ - لیوی
x	x	۴۷ - متہات
x	x	۴۸ - ہیلی
x	x	۴۹ - یوسف
x	x	۵۰ - یسوع مسیح

اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو چشم بصیرت اور قلب سلیم عنایت فرمایا ہے - وہ ایک نظر میں ہی اس اختلاف کو جو مذکورہ بالا نسب نامہ میں ہے - بھانپ لیگا - پھر ان تمام پیشگوئیوں کی حقیقت جو اس نسب نامہ کے متعلق ہیں - کھل جائیگی -

مقدس متی نسب نامہ تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :- کہ

پس سب پشتیں ابراہیم سے داؤد تک چودہ اور داؤد سے اسوقت تک کہ بابل کو جلاوطن ہوئے چودہ - اور اسوقت سے کہ بابل کو گئے مسیح تک چودہ ہیں (متی باب ۱ - ۱۷) لیکن جو شجرہ نسب حضرت

باپ داؤد کا تخت دیگا۔

اور وہ سدا یعقوب کے گھرانے کی بادشاہت کریگا (لوقا باب ۱۔ آیت ۳۳) بالکل معنی ہے۔ علاوہ ازیں بیشمار آیات ہیں جہاں یسوع کو ابن داؤد کہا گیا ہے۔

ہمنے ثابت کردیا ہے کہ یسوع کی ولادت اعجازی نہ تھی۔ وہ یوسف نجار کا بیٹا تھا پولوس رسول اور مقدس مرقس اور یوحنا نے ایک لفظ بھی اس اعجازی ولادت پر نہیں لکھا گویا اُن کے نزدیک یہ بات قابل ذکر ہی نہ تھی۔ وہ جانتے تھے۔ کہ جس طرح انسان پیدا ہوئے ہیں۔ اسطرح

تحریر کیا ہے اسکے بموجب ابراہیم سے داؤد تک چودہ اور سلیمان سے یکُہنیاہ تک چودہ اور شئلتی ایل سے یسوع مسیح تک۔ چودہ نہیں ہوتیں بلکہ تیرہ ہوتی ہیں۔ پس اگر یہ الیاقیم کا نام بڑھا دیا جاوے۔ تو یہ حساب صحیح ہوتا ہے عیسائیوں کو چاہئیے کہ اب اسکا اندراج کرلیں اگر یہ بات صحیح نہ ہو۔ تو ہم ایک اور تجویز بتاتے ہیں۔ "سانپ مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے" وہ یہ کہ یوسف کے اجداد اور یسوع مسیح کے بیچ روح القدس لکھدیں چودہ پوری ہو جائیں گے۔

(۲) یورام تک نسب نامہ کتب عہد عتیق کے مطابق ہے مگر یورام کا بیٹا عزیاہ نہیں (پہلا اخبار الایام ۳-۱۰) بلکہ یورام کا بیٹا اخزیاہ اور اوسکا بیٹا یوآش اور اُسکا بیٹا امصیاہ اور اوسکا بیٹا عزیاہ۔

اس اختلاف کا کیا باعث ہے۔ بعض علماء مسیحی یہ جواب دیتے ہیں۔ کہ مقدس متی کو یہ ہدایت ہوئی تھی کہ تین نام اس نسب نامہ سے چھوڑ دے (تفسیر سکاٹ مطبوعہ ۱۸۴۲ء جلد ۵ متی ۱-۲ لغایت ۱۷)

مگر اصل بات یہ ہے کہ تینوں اشخاص اخاب کے خاندان سے تھے جس کی نسل کو دو دفعہ بددعا ہوئی (پہلا سلاطین ۲۱-۲۱۔ دوسرا سلاطین ۹-۸) اور یہ تینوں بادشاہ تھے (دوسرا سلاطین باب ۸۔ دوسرا اخبار الایام [illegible] دوسرا سلاطین باب ۱۲ دوسرا اخبار الایام باب ۲۴۔ دوسرا سلاطین باب ۱۴ دوسرا اخبار الایام [illegible]) بددعا کا اثر تین پشت تک رہتا تھا اسلئے یہودیوں کے دستور کے مطابق ان کا نام خارج کردیا۔ لیکن اس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ کہ وہ یسوع کے اجداد میں سے تھے۔

Marfat.com

یسوع ناصری پیدا ہُوا۔ اور اگرچہ مقدس متی اور لوقا کی تحریر قابلِ وقعت نہیں۔ لیکن تمہوں ان کی بھی تفسیر کردی ہے۔ اور چونکہ بیشمار دیگر شہادتیں مقدس سوانح نگاروں کی تحریر سے پیش کی ہیں جنکی رو سے ثابت ہو گیا ہے کہ یسوع ایک بشر تہا۔ اور ایک نبی اس لئے اب کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہا۔ یسوع خود اپنے آپکو ابن آدم کہتا ہے۔ لوگ اسے یوسف نجار کا بیٹا کہتے ہیں۔ علماء یہود اُسے ملحد اور کافر بتاتے ہیں۔ اوسکے شاگرد اوسکا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اُسے دشمنوں کے ہاتھوں میں دیتے ہیں۔ قسمیں کھا کر اوسکا انکار کرتے ہیں۔ اور سب لعنت کرتے ہیں۔ ان سب باتوں کا مقابلہ آج مشرک عیسائیوں سے کرو۔ تو حیرت ہوتی ہے کہ اوسے ابن اللہ اور اللہ اور کیا کچھ نہیں کہتے۔

رسولوں کے اعمال دیکھو حضرت پطرس جن کی سرگذشت ہم لکھ چکے ہیں۔ یہودیوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ:۔

اے اسرائیلی مردو یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری ایک مرد تہا جسکی رسالت تم پر ثابت ہوگئی۔ (اعمال باب ۲۔ آئت ۲۲)

ہمنے نہ صرف یہی ثابت کیا ہے کہ یسوع ناصری ایک بشر تہا اور یوسف کا بیٹا تہا بلکہ یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ وہ کسی طرح وہ موعود نہیں ہو سکتا۔ جسکے بنی اسرائیل منتظر تھے وہ نہ تو مثیل موسیٰ تہا۔ اور نہ سید قوم تہا۔ اور نہ داؤد کا تخت اور نہ یعقوب کے گھرانے کی بادشاہت اُسے نصیب ہوئی۔ اوسنے نہایت ذلت اور خواری سے زندگی بسر کی۔ یہودیوں نے اُسے ملحد اور کافر کہا اور اوسکے اپنے شاگردوں نے اوسکا انکار کیا اور پکڑوایا اور جب اُسے دار پر کھینچنے کیلئے لئے جا رہے تھے۔ اوسکے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا۔ جس پر لکھا ہوا تہا کہ یسوع یہودیوں کا بادشاہ ہے۔ اور یہ اسلئے ہُوا کہ جو کچھ نبیوں نے کہا تہا۔ اور پرانے نوشتوں میں لکھا تہا کہ خدا اُسے داؤد اوسکے باپ کا تخت اور یعقوب کے گھرانے کی بادشاہت دیگا۔ پورا ہو۔ نہ تو دنیاوی

Marfat.com

جاہ وحشمت نصیب ہوئی اور نہ روحانی بادشاہت ہاتھ لگی پطرس بیچارہ سر دھنتا رہ گیا۔ کہ

گئے دونوں جہان کے کام سے ہم نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

کیا اسے روحانی بادشاہت کہتے ہیں کہ چند گنتی کے آدمی ایمان لائے اور پھر وہ بھی متنفر ہو کر علیحدہ ہو گئے اور جو باقی رہے انکا یہ حال ایک حضرت نے تو تیس روپیہ لیکر دشمنوں کے حوالے کر دیا۔ اور دوسرے حضرت نے قسمیں کھا کھا کر اوسپر لعنت کی اور جو باقی رہے ایسے گئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ انکے جیتے جی تو یہ حال تھا مرنے کے بعد آج عیسائی جو کچھ کہیں بجا ہے۔

اب ہمیں صرف ایک تاریخی شہادت پر غور کرنا ہے اور وہ بھی اسی لئے کہ قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یسوع کی اعجازی پیدائش مقدس سوانح نگاروں کی تحریر سے ثابت نہیں ہوئی۔ بلکہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک بشر تھا۔ اور جمع الغفیر کیساتھ مے نوشی بھی کیا کرتا تھا اور سب اُسے یوسف نجار کا بیٹا کہتے تھے۔ اُس کے بھائی نبیوں کے دوست تھے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ آج عیسائی اُسے کنواری کا بیٹا۔ ابن اللہ وغیرہ وغیرہ کہتے ہیں؟

بات یہ ہے کہ جیتے جی جو کچھ یسوع کی عزت تھی وہ تو ناگفتہ بہ ہے مرنے کے بعد اور وہ بھی صدہا سال بعد وہ نسلیں جنہوں نے یسوع کو دیکھا تھا۔ جو یوسف نجار سے واقف تھے۔ جو اس کے بھائی اور بہنوں کے آشنا تھے مر کھپ گئیں تو زبانی روایتوں اور تحریری حکایتوں نے موجودہ عقائد کو رواج دیا۔ یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ موجودہ [illegible] یسوع کی وفات کے چند سال بعد لکھا گیا۔ ڈاکٹر [illegible] صفحہ (۱) تحریر کرتے ہیں کہ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ جھوٹ نیا عہد نامہ قلم بند ہوا۔ اور جب چرچ نے اُسے اپنے سایہ حمایت میں لیا۔ اسمیں تغیر و تبدل اور تحریف شروع ہو گئی۔ تاریخ شاہد

Marfat.com

ہے کہ یہ زمانہ چوتھی صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے۔ سب سے پرانا قلمی نسخہ اس سے پیشتر کا نہیں ملتا۔ تین سو برس کے عرصہ میں اور وہ بھی ایسے زمانہ میں جسے ڈارک ایجز کہتے ہیں یعنی جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اسی قسم کے خیالات کا پیدا ہونا تعجب انگیز نہیں۔

پروٹسٹنٹ تو کل کی پیداوار ہیں۔ کیتھولک پرانا مذہب ہے۔ اگرچہ اول الذکر صرف چار کتابوں ہی کو مانتے ہیں۔ اور اسی لئے ہم نے صرف انہی چار کتابوں سے شہادتیں پیش کی ہیں۔ کہ ان سے کیتھولک کو بھی انکار نہیں۔ مگر موخر الذکر ان روایتوں اور حکایتوں کو نہایت شوق و ذوق سے بیان کیا کرتی تھی۔ جن کا ماخذ "اپوکریفل" انجیلیں ہیں اور جنمیں سے "پیدائش مریم"[1] اور "پروٹیوانجیلین"[2] مشہور کتابیں ہیں اور دوسری صدی عیسوی

[1] "پیدائش مریم" کا خلاصہ یہ ہے کہ مریم کی ماں کا نام "انّا" تھا۔ جس کے خاوند کا نام یوشم تھا جو کہ امیر آدمی تھا۔ بیس برس تک اُن کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ یہودی مسخرے پھبتیاں اڑاتے تھے اور شماتت ہمسایہ کی وجہ سے یوشم اپنی جورو کو چھوڑ کر جنگل اور صحرا کی خاک چھانتا پھرا۔ اس کی عدم موجودگی میں خدا کا فرشتہ "انّا" پر ظاہر ہوا۔ جب یوشم واپس آیا۔ تو اپنی جورو کو روح القدس سے حاملہ پایا۔ نو ماہ بعد ایک لڑکی تولد ہوئی جس کا نام مریم رکھا۔

مدعا صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ مریم کو وہ گناہ جو بنی آدم وراثتاً والدین سے لیتے ہیں ارث میں نہیں ملا اور وہ بالکل معصوم تھی اور اسلئے یسوع بھی بالکل معصوم تھا۔ اور اس میں ابتدائی گناہ کی ملاوٹ نہ تھی۔ لیکن اگر یسوع کو معصوم قرار دینے کے لئے ایک معصوم ماں کی ضرورت ہے تو مریم کی ماں

[2] پروٹیوانجلین ([illegible] P[illegible]) میں یہ مذکور ہے کہ جب مریم پر حمل کے آثار ظاہر ہوئے تو یوسف نجار پر سردار کاہنوں اور اماموں نے یہ الزام لگایا کہ یہ سب کچھ اسی کی کرتوت ہے اُسنے تردید کی تو اُسکو وہ پانی پلایا گیا۔ جسکا مفصل ذکر کتب گنتی باب پنجم میں ہے۔ اس پانی کی تاثیر یوسف پر کچھ نہ ہوئی اور وہ بری کیا گیا اور بعد ازاں اپنی جورو کو ساتھ لیکر یہوداہ کی حدود تک کرتا ہوا چلا گیا۔

Marfat.com

تب ان کی [illegible]

[illegible]

آج تک [illegible] کا ایمان [illegible]

لیکن سوال یہ ہے کہ [illegible]

اس کا جواب یہ ہے کہ [illegible]

اقوام کا مقابلہ کر [illegible]

گو ہماری [illegible]

[illegible]

الغرض ان کے خداؤں کا [illegible]

کنواری [illegible]

ان کا خدا [illegible]

[illegible]

سوانگ [illegible] کے ساتھ [illegible]

[illegible]

کا مقابلہ [illegible]

اس [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Marfat.com

کو بھی وہی کچھ ظاہر کیا گیا۔ جو وہ آسانی سے تسلیم کر سکتی تھی اور یہی وجہ ہے کہ ہم انجیل میں بھی متضاد تعلیم پاتے ہیں اور حضرت بت پرستی کے عقائد توحید کیساتھ ملا دیئے گئے ہیں غیر مذاہب والوں کو مغلوب کرنیکا یہ آسان طریقہ تھا۔ کہ یسوع کو ہر ایک پہلو سے اُن کے خداؤں پر فوقیت دیے خود ان مسیحی خیالات کو شائع کرنے والے بھی توہمات پرست اور خوش اعتقاد تھے۔ اسی لئے ان باطل عقائد کی اشاعت میں کچھ دقت پیش نہیں آئی۔

وہ زمانہ ہی ایسا تھا۔ کہ دیوتا اور اوتاروں کی عام پرستش ہوتی تھی (دیکھو کارلائل صاحب کی کتاب ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ Hero Worship) اور جس طرح آج عیسائی یسوع کو اوتار مانتے ہیں اسی طرح آج بھی ہندوستان میں برہما اور دیگر ممالک میں اوتاروں کی پرستش ہوتی ہے۔ لیکن ہمیں یقین ہے۔ کہ جوں جوں علم کی روشنی پھیلتی جائیگی۔ جہالت کی تاریکی کافور ہوتی جائیگی یہ اوتار اور دیوتا جو کنواری عورتوں کے بیٹے تھے۔ جو روح القدس سے حاملہ ہوتیں چین میں "فوہی" ایک کنواری کا بیٹا ہے۔ جو دریا میں غسل کر رہی تھی۔ اوسکا دامن ایک کنول کے پھول سے اُلجھ گیا۔ اور اوس پر حمل کے آثار ظاہر ہوئے۔ فوہی تولد ہوا۔ اور ایک مذہب کا بانی ہوا وہ ایک مجموعہ کتابی بھی تھا۔ شریعت بھی ساتھ لایا تھا۔ سیام اور کمبوڈیا کے درمیان ایک جھیل کے کنارے "کورم" ایک کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ جسپر سورج دیوتا نے نگاہ ڈالی اور اوس کی شعاعوں سے حمل ہو گیا۔ اگرچہ معشوقہ آسمان کو چڑھ گئی۔ لیکن بچہ پیچھے رہ گیا۔ ایک جوگی نے اوسکی پرورش کی۔ اور بڑا ہو کر اُسنے معجزات دکھا کر لوگوں کو حیران کر دیا۔ اور حکیم حاذق مشہور ہوا۔ اسی طرح کوریا میں "آرچو" پیدا ہوا۔ ہندوستان کے مذاہب میں بیشمار اوتار ہیں۔ جو خدا کی نسل سے ہیں۔ گوتم بدھ کا باپ آدمی نہ تھا۔ بلکہ شدودنا خود بخود آسمانی تخت چھوڑ کر اپنی ماں "مایا" کے رحم میں آ براجے۔ بالکل اسی طرح فیثاغورس کی ماں "اپولو" (خدا) سے حاملہ ہوئی۔ چین میں اب تک "چینگ سو"

Marfat.com

(مقدس ماں) کی عام پرستش ہوتی ہے یہ کنواری عورت تھی۔ اور روح القدس سے حاملہ ہوئی۔ جس وقت کیتھولک مشنری چین میں داخل ہوئے تو چینگ ہو کو دیکھکر حیران رہ گئے۔

ریورنڈ ہسلوپ صاحب لکھتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں بابل کے رہنے والے مقدس ماں اور اسکے بیٹے کی پرستش کرتے تھے۔ اور اسکے بت تھے اور اسکی گود میں ایک بچہ تھا۔

لیکن عیسائیوں کے عقائد باطلہ کی جنم بھوم سرزمین مصر ہے۔ گبن صاحب کی تاریخ (Decline and fall of Roman Empire ...) کا مطالعہ کرو۔ تو بخوبی سمجھ میں آجائیگا۔ کہ کس طرح عیسائیت نے مصری [illegible] اور دیگر مشرکانہ خیالات کو مصر سے لیا۔ اور کسطرح مختلف عقائد کی ذریت پیدا ہوئی اور کس طرح [illegible] کونسلیں منعقد ہوئیں اور وہ کیا کچھ تحریف کرتی رہیں۔

اس ستارہ کے طلوع ہونے سے ہزارہا سال پیشتر جو مجوسیوں کو بیت اللحم پر دکھائی دیا مصر میں اعجازی پیدائش عام طور پر تسلیم کی گئی تھی۔ بکسر کے مندر کی دیواروں پر [illegible] نے جو رث اسیومنشف ثالث کی ولادت کی یادگار ہیں اس عقدہ کو حل کر رہا ہے۔ ان تصاویر [illegible] اور رتنی کے پہلے بابوں کا خاکہ کھینچا گیا ہے۔ اور جبرئیل اور روح القدس اور کنواری [illegible] مولود کا صحیح صحیح نقشہ ہے نہ صرف یہی بلکہ یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ کس طرح روح القدس کا انزال کنواری پر ہوا۔ اور کس طرح بچہ تولد ہوا۔ اور کس طرح تین شخص نذر نیاز [illegible] پیش کر رہے ہیں۔ یہ ان تین مجوسیوں کا نوٹو ہے۔ جو اپنی جھولیاں کھول کر سونا [illegible] نذر کرتے ہیں (متی باب ۲۔ آیت ۱۱)

انہی دیواروں پر دیوی آئیسس (Isis) اور اسکے اعجازی مولود [illegible] (Horus) کی تصویریں ہیں۔ پلوٹارک لکھتا ہے کہ یہ باعصمت دیوی باوجود [illegible] ماں کہلانے کے کنواری ہی رہی۔ آئیسس کو ملکۂ آسمان، سمندر کا ستارہ [illegible]

[illegible] روح [illegible] مقدس [illegible] سب خطاب [illegible] کر دیتے ہیں۔

آئی سس کا [illegible] کا [illegible] اور بیس کی [illegible] رب کی [illegible] ہیں۔ اور پیدائش [illegible] آئی [illegible] اور [illegible] بھی [illegible]

آئی سس [illegible] نہ صرف مصر [illegible] بلکہ روم [illegible] آئی سس اور [illegible] ہیں۔

[illegible] آئی سس [illegible] سیاہ پتھر کے تھے۔ جو [illegible] اس [illegible] کہ وہ [illegible] اس تاریکی کو بھی ظاہر کرتا ہو۔ جو روشنی کی پیدائش سے پہلے [illegible] تعجب کی بات ہے کہ کنواری مریم کے [illegible] پتھر کے [illegible] خط و خال ہو بہو آئی سس کے [illegible] ہیں۔

[illegible] تاریخ [illegible] منطقۃ البروج کی [illegible]

[illegible]

[illegible] آثار [illegible] ہے [illegible] دیتا ایک لفظ [illegible] اور [illegible] سال کی
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہو گئیں۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تاریخ ولادت [illegible]

Marfat.com

بڑی ہیں۔ یہ سب مل کر ایک دریا کی صورت اختیار کرتی ہیں۔ نام تو پہلا ہی برقرار رہا ہے۔ لیکن فی الحقیقت صورت کچھ اور ہی ہوگئی ہے۔ اُس ندی کو اس عظیم الشان دریا سے کچھ نسبت نہیں۔ جس کی سطح پر جہاز چلتے ہیں۔ جس کے کناروں پر عالیشان شہر آباد ہیں۔ یہی حال عیسائیت کا ہے۔ یہ ایک ندی تھی نہ معلوم جلیل کی جھیل یا دریا یردن میں اس کا منبع ہے۔ یا کیولری پہاڑی پر سر چشمہ ہے صدہا سال سے یہ رہی ہے۔ اور ایک طرف دریائے نیل اور دوسری طرف دریائے ٹائیبر کے پانی اور اس طرف گنگا وجمنا نے اسے ایک دریائے زخار بنا دیا ہی مصری مائی ہو لوجی" یونانی فلسفہ رومی عقائد باطل ہندوستان اور برہما اور چین کی بت پرستی کا مجموعہ عیسائیت ہے۔ روح القدس کا طلوع مجوسیوں کے ستاروں میں ہوتا ہے۔ تناسخ نے عیسائیت میں حلول کیا ہے کہ ایک روح کئی صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ کبوتر۔ فاختہ۔ زبان آتشیں عجب بولیاں بولتی ہے۔ جس سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ تمام دنیا کی زبانیں عیسائیت کے منہ میں ہیں۔ یہوداہ راجہ اندر سے کم نہیں اور "جیوپیٹر" کا دوسرا نام ہے۔ کنواری آئی سس کسی طرح تمام عمر کنواری ہی رہی۔ حاملہ ہو کر اور وضع حمل کے بعد بھی کنواری ہے شمعون۔ یوسیس۔ یہوداہ۔ یعقوب کی ولادت کے بعد بھی کنواری ہے۔ یہ اولاد کس طرح پیدا ہوتی رہی۔ یا اوپر قیصری عمل جراحی ہوتا رہا۔ یوسف نجار تو برائے نام خاوند تھا۔ بیچارہ بڑھئی کا ماتھا تو پہلے ہی ٹھنکا تھا۔ اور دل کو سمجھاتا تھا کہ ؎

غالب ایسے خوبردیوں کیلئے

چاہنے والا بھی اچھا چاہئے

روح القدس کی لنا عنایت ہے۔ تو تو کس طرح منظور ہو سکتا ہے مگر حضرت جیوپیٹر"

نے اپنی بدنامی کے خوف سے ایسا بتا بتایا کہ غریب بڑھئی اُسے اپنے گھر لے آیا۔ پھر کیا تھا۔ خاوند و زوجہ دونوں روح القدس سے معمور رہنے لگے۔ اور اس لئے کنواری ہمیشہ کے لئے کنواری رہی مگر یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یوسف تمام عمر مجرد رہا۔ ضرور رہا۔ اور ہم فرض کر لیتے ہیں)۔ کہ یعقوب سا بیٹا روح القدس کی عنایت ہے اور یوسف کا اطمینان جواب میں ہوگیا ہوگا۔

یسوع کا حال عجیب ہے پیدائش کے واقعات ہم لکھ چکے ہیں۔ باقی حالات معجزات و وفات دوسرے حصہ میں لکھینگے۔

تمت

تاریخ انطباع از رشحات خامہ جناب منشی فیروز الدین احمد صاحب فیروز امرتسری

این کتاب گرامی کہ اندریں دوراں	مرتب آمدہ از سعی فاضل دوراں
دقیقہ سنج و سخن گستر و نکات اندیش	کہ ہست معنی او قالب سخن را جاں
بہ جسم دعویٰ و الفت شد نہاں چو بود گل	ازانکہ مغز نباشد بہ رنگ پوست عیاں
اثام بخشش آنچناں اشارت کرد	کزاں زمام بیفتاد ز دست کج فہماں
نمود انکہ ز انساں کرد نمایاں شد	بہ امہات حریفاں ہزار گونہ زیاں
نزدود ظلمت جہل از فروغ حکمت عقل	ضمیر اوست بلاریب مہر نور افشاں
مسیح نیست اگر مورد گناہ و نسب	بآدم است ہماں رتبہ [illegible]
چناں دلائل قطعی بروے کار آورد	کہ اندر [illegible]
دل من از سر ادراک گفت [illegible] خوب	پے التفات [illegible] سال طبع آں

کتبخانہ اسلامیہ امرتسر کی چند قابل دید کتابیں

بشارت فاطمہ :- ایک عدیم النظیر عجیب مذہبی ناول جس میں ایک عیسائی لیڈی کے مشرف باسلام ہونے کی تفصیلی کیفیت اس انداز سے بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ شروع کر کے دیکھئے پھر ختم کئے بدون کتاب ہاتھ سے چھوڑنے کو ہرگز جی نہ چاہیگا قیمت ۴/

ارمانوسہ :- ایک نہایت دلچسپ دل آویز اور حیرت ناک تاریخی عربی ناول کا ترجمہ میں عشق و حسن کے فرضی افسانے نہیں بلکہ سچے واقعات اور اسلامی عظمت و جبروت کے عدیم المثال کارنامے اس خوبی سے بیان کئے گئے ہیں جس کا اندازہ بغیر پڑھے غیر ممکن ہے قیمت ۱۲/

عربی بول چال حصہ اول :- جس میں ابتدائی آسان جملوں کے مفردات لکھ کر پھر ان سے کثیر الاستعمال جملے مرتب کئے ہیں - اور ہر جملہ کے مقابل اسکا بامحاورہ اردو ترجمہ لکھا ہے بول چال کے علاوہ اس میں دو خصوصیتیں اور ہیں (۱) مصر و شام کے علماء و تاجروں کے خطوط (۲) بارہ سو لفظوں کی فرہنگ مع ترجمہ اردو و انگریزی قیمت ۸/

ایضاً حصہ دوم جس میں ضرب الامثال نوادر - مرادفات - اضداد - اسمائے مشتقہ - جملوں کی ترکیب مع عربی اخبارات کے مطالب عربی کے ذریعے ادا کرنا - مختلف عبارتوں کو بہ تغیر و تبدل لکھنے کا طریقہ مع ترجمہ درج ہیں اسکے علاوہ مضامین ذیل شامل ہیں (۱) مصر و شام کے اخبارات کے انتخاب (۲) انگریزی الفاظ جدیدہ کی فرہنگ مع ترجمہ اردو سنہ ۱۹۱۵ء میں بار اول طبع ہوئی قیمت فی جلد ۸/

المشتہر مینیجر کتب خانہ اسلامیہ امرتسر

Marfat.com

کتاب الروح کا اُردو ترجمہ

یہ کتاب ایک مصری فلاسفر کی نہایت عجیب اور قابل دید تصنیف ہے اس میں روح انسانی کے متعلق اس قدر قیمتی اور بیش بہا معلومات کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے جو ہزار دو ہزار کتابوں کی ورق گردانی سے بھی حاصل ہونا محال تھا۔ حکمائے یونان کی تقریریں اور محققین اسلام کے مباحث پر مصنف کا زبردست محاکمہ دیکھنے کے لائق ہے اس کے مطالعہ سے آپ کو اپنی گذشتہ اور موجودہ اور آئندہ زندگی کا کھلا ہوا علم ہو جائیگا۔ واقعی اس قسم کی کوئی کتاب اُردو زبان میں آج تک طبع نہیں ہوئی۔ اس میں بہت سے ایسے مضامین بھی آئے ہیں جن کو آپ کے کانوں نے بھی نہیں سنا ہوگا۔ صفحات [illegible] قیمت [illegible]

مباحثہ گوشت خوری

اس میں گوشت کی انسانی خوراک ہونا زبردست دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے قیمت [illegible]

فوارقدسیہ کا اُردو ترجمہ

یہ کتاب امام المتقین شیخ عبدالوہاب شعرانی کی عدیم المثال تصنیف ہے اس میں اولیاء اللہ کے مقامات۔ علامات کا مفصل بیان ہے۔ اس میں [illegible] دکھایا گیا ہے کہ طالبان راہ حق انوار الٰہی کا مشاہدہ کیونکر کر سکتا ہے چونکہ اس کا اصل نسخہ عربی زبان میں تھا اور نایاب ہو گیا ہے لہٰذا طالبان حق اس سے فائدہ اٹھا نہیں سکتے تھے صفحات ۱۲۰ قیمت [illegible]

الہام ویانندی۔ اس میں سوامی دیانند کی شرائط الہام و دلائل [illegible] غیر الہامی ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت [illegible]

حدوث مادہ۔ جو [illegible] ثابت کیا گیا ہے کہ مادہ [illegible] حادث ہے قیمت [illegible]

فتوح الغیب اُردو۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی [illegible]

خیر کثیر۔ محض عقلی دلائل سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت [illegible]

تاریخ اسلام

اس [illegible] حضرت [illegible] سے [illegible] موجود ہیں۔ اس [illegible]

قیمت [illegible]

اخبار ضیاء الاسلام امرتسر

بالفعل یہ اخبار ہفتہ روزہ دفتر کتب خانہ اسلامیہ امرتسر سے شائع ہوتا ہے قرآن کریم کی تعلیم کے حقائق اور اسلام کے مقدس اصولوں کے معارف کی اشاعت اسکا مقصد اعلیٰ ہے مخالفین اسلام کے اعتراضوں کے جواب دینا اور ان کے مسلمہ اصولوں پر الہامی کتابوں پر بذریعہ [illegible] اعتراض کرنا اس کا مسلک [illegible] ہے۔ آریوں کی تردید اور ویدک تعلیم کی قباحتیں بالالتزام شائع ہوتی ہیں مسلمانوں میں [illegible] اور [illegible] کی [illegible] روح [illegible] رواج دینا۔ اسلام کی اشاعت کرنا [illegible] مسلمانوں کی [illegible] شائع کرنا [illegible] اس کے اصولوں میں داخل ہے۔ قیمت سالانہ [illegible]

[illegible] مادہ	[illegible] ثابت کیا گیا ہے کہ مادہ کے اجزاء قدیم و غیر مخلوق نہیں ہو سکتے۔ اور چند [illegible] مذہب کے خیالات کا رد کیا ہے

[illegible] کی بابت [illegible] گیا ہے۔ قیمت [illegible]

منیجر کتب خانہ اسلامیہ
اخبار ضیاء الاسلام
امرتسر پنجاب

Marfat.com

قل ادعوا الله أو ادعوا الرحمن أياما تدعوا فله الأسماء الحسنى

الحمد لله الذي يسر لنا طبع هذه النسخة

الميمونة المباركة المحتوية على معارف جزيلة وحقائق جليلة المسماة

بالآية الكبرى

في شرح

أسماء الله الحسنى

تأليف العبد الفقير إلى الله الولي أصغر علي الروحي المدرس

العربية في الكلية الإسلامية الكائنة ببلدة لاهور صانها الله

عن الحور بعد الكور

طبع بالمطبعة الإسلامية الدخانية على ذمة منجم صاحب المولوي

Marfat.com